ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **MARIA TERMIZI**

Title of the Thesis: "فرہنگِ ہوبسن جوبسن: مع ترجمہ حواشی و تعلیقات اندراجات: ایم تا کیو"

Registration No: 155-FLL/MSURDU/F13

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

External Examiner: **Dr. Gohar Noshai** Professor Bara Kahu, Islamabad	***Internal Examiner:*** **Dr.Sabahat Mushtaq** Assistant Professor Department of Urdu(Female Campus) IIUI

Supervisor:
Dr. Najeeba Arif
Associate Professor
Department of Urdu(Female Campus) IIUI

Chairperson
Department of Urdu

Prof. Dr. Munawar Iqbal Ahmad
Dean
Faculty of Language & Literature

3429
19/12
International ... Central Library ... Islamabad

9/1/2020

Acc # TH21439

م اف

لغت غیر ملکی الفاظ اور جملے

انگریزی لغت

اردو ترجمہ

الجامعة الإسلامية العالمية

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبۂ اُردو (خواتین)

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ ماریہ ترمذی رجسٹریشن نمبر 115-FLL/MSURDU/F13 نے ایم۔ایس اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے مقالہ بعنوان "فرہنگ ہوبسن جوبسن: اُردو ترجمہ مع حواشی وتعلیقات اندراجات: ایم تا کیو" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ رقم کیا ہے۔ میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر نجیبہ عارف

شریک نگران: ڈاکٹر فوزیہ جنجوعہ

167072

Rupees 30

۳۰ روپیہ

بیان حلفی

میں مسماۃ ماریہ ترمذی دختر سید ایوب صابر ترمذی رجسٹریشن نمبر-115-FLL/MS/UR/F13 حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ میرا مقالہ بعنوان ''فرہنگ ہوبسن جوبسن : اردو ترجمہ مع حواشی و تعلیقات، اندراجات: ایم تا کیو'' سرقے سے پاک ہے اور اس مقالے میں مکمل اور اصل حوالہ جات دیے گئے ہیں۔

متذکرہ بالا بیان میرے علم و یقین کے مطابق درست و صحیح ہے اور کوئی امر مخفی نہیں رکھا گیا ہے۔

مقالہ نگار

ماریہ ترمذی

ATTESTED

SHAKEEL AHMED

Notary Public

24 OCT 2017

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے شکریہ اس پاک ذات کا جو ہمارے بگڑے کاموں کو بناتا ہے اور ہمیں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ نئی راہوں پر چلنے کے لیے دنیا سے رہنماؤں کا بندوبست بھی کر دیتا ہے جو اندھیری انجانی راہوں کو اپنے تجربے کی مشعلوں سے روشن کرتے ہیں۔ میں احسان مند ہوں اپنے والدین کی جنھوں نے قلم پکڑنا اور لفظوں کی پہچان کرنا سکھایا، سوچنا اور بولنا سکھایا۔ مجھے اس قابل بنایا کہ میں یونیورسٹی میں داخلہ لے کر بہترین اساتذہ سے علم حاصل کر سکوں۔ میں شکر گزار ہوں اپنے بہن بھائیوں کی، جنھوں نے ہر اچھے، برے وقت میں میرا ساتھ دیا اور اپنی مسکراہٹوں سے میرا حوصلہ بڑھایا۔

مقالے کے موضوع کے انتخاب سے تکمیل تک کے تمام مراحل کے لیے میں اپنی شفیق استاد ڈاکٹر نجیبہ عارف کی ممنون ہوں۔ اس اہم موضوع کا انتخاب اور تحقیق کے سبھی مراحل کی تکمیل انھی کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔ قابلِ احترام استاد ڈاکٹر فوزیہ جنجوعہ نے ترجمے کے کٹھن کام میں معاونت فراہم کی۔ ترجمے کے دوران پیش آنے والے مسائل سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ سکھایا۔ میں شکر گزار ہوں اپنے اساتذہ ڈاکٹر شیر از فضل داد، ڈاکٹر حمیرا اشفاق، ڈاکٹر صباحت مشتاق اور ڈاکٹر رابعہ مقدس کی جنھوں نے سوچ کو لفظوں کا جامہ پہنانا سکھایا اور اپنے نقطۂ نظر پر اعتماد کرنا سکھایا۔ ان ہی اساتذہ کی محنت اور رہنمائی نے مجھے مقالہ لکھنے کے قابل بنایا۔ ان کے حوصلہ افزاء رویے نے نا آشنا سے آشنا ہونے کی جستجو پیدا کی۔

مواد کی دستیابی کسی بھی تحقیقی کام کی تکمیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ لغات اور مستشرقین پر تحقیقی کام موجود تو ہے مگر دستیاب مواد میں سے زیادہ تر سے صرف ابتدائی نوعیت کی معلومات ہی ملتی ہیں۔ ترجمے کے لیے مفید لغات اور تحقیقی مواد ادارۂ فروغِ اردو کے کتب خانے سے میسر آیا۔ راقمہ کتب خانے کے عملے کی ان کے بھرپور تعاون پر شکر گزار ہے۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف نے مواد تک رہنمائی بھی کی اور جہاں تک ممکن ہو سکا اپنے ذاتی کتب خانے سے استفادے کا موقع بھی دیا۔ اساتذہ کرام کے ساتھ عزیز دوست نعیمہ بی بی کی شکر گزار ہوں جس نے مقالے کے آغاز ہی میں کچھ متعلقہ مواد فراہم کر کے میری تلاش و جستجو کو بڑھایا۔ نیز عزیز طالبات اسماء طاہر اور ثناء اکبر کی بھی کچھ ضروری مواد کی فراہمی کے لیے احسان مند ہوں۔ یقیناً ان سب افراد کے تعاون کے بغیر مقالے کی تکمیل ممکن نہ تھی۔

ماریہ ترمذی

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱	مقدمہ	۱۔
۵۳	"ایم" کے مندرجات	۲۔
۱۲۸	حواشی	۳۔
۱۳۴	"این" کے مندرجات	۴۔
۱۵۶	حواشی	۵۔
۱۶۱	"او" کے مندرجات	۶۔
۱۷۱	حواشی	۷۔
۱۷۳	"پی" کے مندرجات	۸۔
۲۶۲	حواشی	۹۔
۲۶۷	"کیو" کے مندرجات	۱۰۔
۲۷۰	حواشی	۱۱۔
۲۷۱	تعلیقات	۱۲۔
۳۰۱	ماخذات	۱۳۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

انگریز ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کے بھیس میں داخل ہوئے مگر اپنی سیاسی تدبیروں اور کامیاب حکمت عملی کے باعث یہاں سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔ مغل بادشاہ نور الدین محمد جہانگیر (۱۵۶۹ء۔۱۶۲۷ء) سے تجارتی اجازت نامہ حاصل کرنے والے تھامس رائے [1] (Thomas Roe) (۱۵۸۱ء۔۱۶۴۴ء) کے احسان کو برطانیہ کی تاریخ کبھی فراموش نہ کر پائے گی۔[2] صرف فوجی طاقت پر انحصار کرنے کی بجائے انگریزوں نے ہندوستان کی تہذیب و ثقافت سے گہری واقفیت حاصل کر کے اپنے لیے بہترین حکمت عملی وضع کی۔ اِس علاقے کی تہذیب و تاریخ سے آگاہی کے لیے زبان سیکھنا اہم امور میں شامل تھا چنانچہ اپنے اقتدار کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ان نو آبادکاروں نے آغاز ہی سے زبان سیکھنے میں اپنی قوت صرف کی۔ زبان سیکھنے اور سکھانے کے حوالے سے حکومت کی جانب سے سرعت سے اٹھائے گئے ان اقدامات کے پس پشت کئی سماجی، مذہبی اور سیاسی محرکات کار فرما تھے۔ ایسے میں اگر معیشت کی طرف نظر اُٹھائی جائے تو تجارت سب سے پہلا اور اہم محرک نظر آتی ہے۔

ہندوستان سے تجارتی فوائد کے حصول کے لیے بہت سی یورپی اقوام نے اس طرف رُخ کیا مگر صحیح معنوں میں برطانوی انگریزوں کے علاوہ پرتگالیوں، فرانسیسیوں اور ولندیزیوں نے یہاں باقاعدہ طور پر اپنی تجارتی کمپنیاں قائم کیں۔ ہندوستان کی اندرونی کمزوریوں اور معاشی اہمیت نے ان تاجر اقوام کے دل میں قبضے کی خواہش پیدا کی۔ تکمیل کی غرض سے عملاً انھوں نے ہندستان کے علاقے میں قدم جمانے بھی شروع کیے مگر قبضے کی اس مشترک خواہش کے نتیجے میں یہ اقوام ایک دوسرے کے مدمقابل آ کھڑی ہوئیں۔ برطانیہ نے ۱۷۵۷ء میں بنگال کے دیوانی حقوق حاصل کر کے دیگر اقوام کے سامنے خود کو ہندوستان کے مستقبل کے حکمران کی حیثیت سے متعارف کروالیا۔ پھر وقت نے دیکھا کہ تجارتی مراعات اور اجازت ناموں کے حصول سے شروع ہونے والا یورپی اقوام کا سفر عنان حکومت سنبھالنے تک جا پہنچا ان کو اپنے تمام منصوبوں کی تکمیل کے لیے زبان سیکھنا ناگزیر تھا۔ انگریز بھی شدت سے زبان سیکھنے کی اہمیت سے واقف تھے۔ اسی لیے حکومتی سطح پر بھی انگریزوں کو زبان سکھانے کے اقدامات کیے گئے۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کا قیام اور بعد میں ۱۸۰۵ء میں ہیل بری کالج کا قیام اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔[3] زبان سکھانے کے عمل میں حکومت کے ساتھ قابل مستشرقین کا کردار بہت اہم ہے۔ ہیل بری کالج اور فورٹ ولیم کالج

برطانیہ سے انتظامی امور سنبھالنے کے لیے آنے والے انگریزوں کے لیے درس گاہوں کی حیثیت رکھتے تھے جہاں انھیں اردو، فارسی، سنسکرت اور عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس اساسی تعلیم کا مقصد یہی تھا کہ مقامی آبادی سے میل ملاپ اور انتظامی کاموں کی بجا آوری میں زبان سے ناواقفیت رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ البتہ زبان سیکھنے اور سکھانے کی کوشش پادریوں کی جانب سے بھی کی گئی۔ ان کے مقاصد خالصتاً مذہبی نوعیت کے تھے جیسے کہ ہندوستانی قوم میں اپنے مذہب عیسائیت کی تبلیغ وغیرہ۔ مجموعی طور پر انگریزوں کی جانب سے زبان کے حوالے سے اٹھائے جانے والے تمام اقدامات کا محرک سیاسی، مذہبی یا تجارتی ہی دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں اہلِ فرانس کی اردو شناسی کو ثقافتی اور علمی مقاصد کے حصول کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ [۴]

عموماً دو طرح کی صورتحال لغت نویسی کا محرک ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی جب دو مختلف اقوام باہم مل کر تجارتی، سماجی یا سیاسی تعلقات استوار کرتی ہیں تو بدیسی الفاظ سیکھنے کی خواہش کے نتیجے میں لغات اور فرہنگیں جنم لیتی ہیں۔ دوسرا جب زبانیں فطری ارتقا کے بعد قدرے تبدیل شدہ صورت اختیار کر لیتی ہیں تو آغاز میں تخلیق ہونے والے ادب سے مختلف دکھائی دینے لگتی ہیں۔ ایسے میں قدیم ادب کے معنی سے واقفیت کے لیے لغات ترتیب دی جاتی ہیں۔ مستشرقین نے جو لغات ترتیب دی ان کا محرک پہلی صورت تھی۔ [۵]

زبان سیکھنے کے عمل میں کتب لغات و قواعد بنیادی اہمیت رکھتی ہیں مگر بدقسمتی سے انگریزوں نے جس صدی میں ہندوستان کی مقامی زبانوں کو سیکھنے کی طرف قدم بڑھایا اس وقت تک کے اہلِ زبان کا کام زبان سیکھنے کے عمل میں ان کی معاونت کے لیے موزوں نہ تھا۔ اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ انگریزوں کے ذاتی مفاد کے لیے اٹھائے گئے اقدام نے اس کے فروغ و نشو و نما میں خوب حصہ ڈالا۔ آغاز میں ہی لغات اور کتب قواعد کی عدم دستیابی کا حل یہ نکالا کہ قابل انگریز افسران نے اس طرف توجہ دی اور لغات مرتب کرنے پر اپنی قوت اور وقت صرف کیا۔ یوں ان کاوشوں کے نتیجے میں کچھ اساسی نوعیت کی مختصر لغات، کچھ مقامی زبانوں کے ملے جلے الفاظ کی لغات اور کچھ جدید معیار اور تحقیقی اہمیت کی حامل لغات منظرِ عام پر آئیں۔ یہ سب لغات، قواعد اور زبان کی ابتدائی تعارفی کتب صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ لندن سے بھی شائع ہوئیں۔ ان مشرقی زبانوں پر صرف ہندوستان میں معمور قابل افسران نے قلم نہ اٹھایا بلکہ یورپ میں موجود ایسے مستشرقین نے بھی کتب مرتب کیں جنھوں نے کبھی ہندوستان میں قدم نہ رکھا۔ برطانیہ کی ہندوستان کے حکومتی امور میں مداخلت کے ساتھ ہی انگریزوں کو اعلیٰ عہدے ملنا شروع ہو گئے تھے جیسے جیسے برطانیہ کے اختیارات میں اضافہ ہوتا گیا۔ انگریز افسران کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم کی حیثیت سے ہندوستان آنے والے انگریزوں پر زبان سیکھنا ضروری تھا۔ دراصل اس ملازمت کے

حصول کے لیے زبان کا امتحان پاس کرنا بنیادی شرط تھی۔ چنانچہ برطانیہ میں بھی ماہرین علوم شرقیہ نے لغات کی تدوین اور ابتدائی یا ضروری نوعیت کی کتب کی تالیف کی جانب رُخ کیا۔ حکومت کی بھی خواہش تھی کہ ہندوستان آنے والے افسران پہلے ہی سے یہاں کی تہذیب اور زبان سے متعارف ہو۔ یوں ہندوستان اور برطانیہ دونوں جگہ اردو زبان کو افزائش کے مواقع میسر آئے۔

"اگر ہم دنیا کی مختلف زبانوں پر نظر ڈالیں، تو ایک انوکھی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان زبانوں کی صرف و نحو یا لغات مرتب کرنے کا بیشتر کام کسی دوسری قوم کے ہاتھوں شروع ہو کر پایہ تکمیل کو پہنچا کیوں کہ کسی زبان کی مبادیات یا اساسی ڈھانچے کو جاننے کی ضرورت اس زبان کے بولنے والوں کو نہیں بلکہ غیر اہل زبان کو پیش آتی ہے۔" ۶

کچھ ایسا ہی معاملہ اردو زبان کے ساتھ پیش آیا۔ جب انگریز حکومت اور عیسائی مبلغین نے اردو زبان کو منتخب کیا تو اردو کی لغات اور کتب قواعد سامنے آئی۔

مستشرقین کی مرتبہ لغات:

مقدمے کے آغاز میں یورپیوں کے ہندوستان آنے کے مقاصد اور زبان سیکھنے کی جانب توجہ دینے کے عمل کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب انگریزوں کی مرتب کردہ لغات کا انتہائی مختصر ترین تعارف دیا جائے گا چونکہ ہنری یول کا تعلق انگریز مستشرقین کے گروہ سے ہے۔ اس لیے مقدمے میں لغت کی روایت کو مستشرقین کی لغات تک محدود کرنے کی سعی کی ہے۔ لغات کے حوالے سے بھی ان مستشرقین کی لغات کو زیادہ دیکھا ہے اور مقدمے میں زیادہ جگہ دی ہے جن سے مصنفین سے ہوبسن جوبسن کے متن کے لیے استفادہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی نے انگریزوں کے تیار کردہ لغات کو اردو کے اولین لغات کہا ہے ۷ جب کہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے اپنے مضمون "اردو لغت نویسی: تاریخی محرکات اور رجحانات" میں انگریزوں کی لغت نویسی کو اردو لغت نویسی کا چوتھا دور قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اردو لغت نویسی کے ابتدائی نقوش اپنی بے قاعدہ صورت میں چودھویں صدی عیسوی سے پہلے ہی نظر آجاتے ہیں۔ منظوم لغات اردو لغت نویسی کے دوسرے دور کا حصہ ہے۔ اردو بہ فارسی لغات اردو لغت نویسی کا تیسرا دور ہے۔ یوں اردو بہ انگریزی لغات جو یورپ سے آنے والے انگریزوں نے مرتب کی تھیں، وہ اردو لغت نویسی کے چوتھے دور کے ذیل میں آتی ہیں۔ ۸

ڈاکٹر نذیر آزاد ۱۵۹۹ء میں تالیف ہونے والے جیرونیموم خاویر کی لغت کو مستشرقین کے ہاتھوں مرتب ہونے والی پہلی لغت کہا ہے۔ یہ مولف مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ اس کی لغت ہندوستانی، فارسی اور پرتگالی میں تھی۔ اِس لغت کا عنوان *Hindustani Persisch Vocabularium* تھا۔ ۹

چونکہ یہاں موضوع انگریزی اردو لغات ہیں اس لیے موضوع کی ابتداء کورج کیجو کی ۱۶۳۰ء میں سورت میں لکھی جانے والے قلمی لغت ہی سے ہوگی۔ اس لغت میں فارسی ہندوستانی انگریزی اور پرتگالی کے الفاظ درج ہیں۔ ۱۷۷۲ء میں ہیڈلے کی کتاب قواعد ہندوستانی شائع ہوئی۔ اس کتاب کا ایک حصہ لغت پر مشتمل تھا۔ ۱۷۷۳ء میں لندن سے جے فرگوسن کی ڈکشنری آف دی ہندوستانی لینگویج شائع ہوئی۔ اس لغت کا دوسرا حصہ ہندوستانی اور انگریزی کے لیے مخصوص تھا۔ ڈاکٹر جان بارتھوک گلکرسٹ (۱۸۴۲ء۔۱۷۵۹ء) کو انگریز مستشرقین میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ گلکرسٹ نے زبان سیکھنے کی ضرورت کو محسوس بھی کیا اور اس حوالے سے عملی اقدامات بھی اٹھائے۔ گلکرسٹ میں ہندوستان پر قابض ہونے کی خواہش شدید درجے کی تھی۔ ۱۷۸۵ء میں ایک درخواست کے ذریعے ہندوستانی قواعد و لغت کی تالیف کے لیے رخصت کی استدعا کی گئی اور ۱۷۸۶ء میں لغت پر اس کے کام کا پہلا حصہ انگلش ہندوستانی ڈکشنری کی صورت میں سامنے آیا اور پھر ۱۷۹۰ء میں دوسرا حصہ کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس لغت کا کمزور ترین پہلو متعصبانہ اندازِ فکر ہے۔ اس میں انگریزوں اور ہندوستانی لوگوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ انگریزوں کو برتر اور ہندوستانی قوم کو کم تر دکھایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض جگہ مولف کا لہجہ تحقیر آمیز ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انگریزوں کو ہندوستانیوں سے بات کرنے کے لیے امتیازی الفاظ کے استعمال کی ہدایات دی گئی ہے۔ [۱۰] متعصبانہ رویے کے باوجود گلکرسٹ کی لسانی خدمت سے انکار ممکن نہیں۔ ۱۷۹۰ء میں ہی مدراس سے ڈاکٹر ہنری ہیرس کی لغت شائع ہوئی۔ اس لغت کا نام اے ڈکشنری آف انگلش اینڈ ہندوستانی تھا۔ گلکرسٹ نے بھی اس لغت سے ضمیمے کے لیے استفادہ کیا تھا۔ گلکرسٹ کی ۱۷۶۱ صفحات پر مشتمل ہندوستانی انگریزی ڈکشنری بھی مرتب کی۔ ۱۷۹۸ء میں ایک ضمیمہ شائع کیا جس میں گلکرسٹ کی دونوں لغات کے الگ الگ ضمیمے شامل تھے۔ ۱۷۹۷ء میں جارج ہیڈلے کی ایک لغت لندن سے شائع ہوئی۔ ۱۷۹۷ء ہی میں گلیڈون کی لغت ڈکشنری آف محمڈن لا اینڈ بنگال ریونیوٹرمز کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ۱۸۰۲ء میں شرع اسلامی، اصطلاحات اور مال گزاری پر ایس روسو کی لغت لندن سے شائع ہوئی۔ کپتان جوزف ٹیلر کا ۱۸۰۵ء میں مرتب کیا گیا۔ مشہور لغت اسی سال کارمیکال سمتھ نے شائع کیا چونکہ یہ لغت ذاتی استعمال کے لیے تیار کیگئی تھی اس لیے ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے باضابطہ طور پر ۱۸۰۸ء ڈکشنری ہندوستانی اینڈ انگلش کے نام سے شائع کیا۔ بعد میں مرتب کی جانے والی بہت سی لغات کی بنیاد اسی پر رکھی گئی تھی۔ تھامس روبک نے ایک عسکری ڈکشنری مرتب کی جو ۱۸۱۱ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ۱۸۱۷ء میں جان شیکسپیئر نے ہندوستانی ڈکشنری شائع کی۔ کارمیکال سمتھ نے جوزف ٹیلر اور ولیم ہنٹر کی لغت پر مبنی ایک اردو انگریزی لغت ۱۸۲۰ء میں لندن سے شائع کی۔

۱۸۲۷ء میں جے ٹی تھامیسن کی ڈکشنری آف اردو اینڈ انگلش شائع ہوئی۔ اس میں پہلی بار ہندوستانی کی جگہ اردو کا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ ۱۸۲۷ء میں ولیم ییٹس نے کلکتہ سے اپنی کتاب مقدمہ زبان ہندوستانی شائع کروائی۔ اس کتاب کا ایک حصہ لغت پر مشتمل تھا۔ ڈی روزیو کی لغت انگریزی بنگلہ ہندوستانی ڈکشنری ۱۸۳۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ ۱۸۴۵ء میں آگرہ سے ہنری ایم ایلیٹ نے ہندوستانی اصطلاحات کا ایک لغت گلاسری کے نام سے شائع کی۔ ۱۸۴۶ء میں رابرٹ شیڈون ڈوبی کی لغت انگریزی ہندوستانی لغت کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۸۴۷ء میں ولیم ییٹس کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اسی سال ناتھے برائیس کی ہندوستانی اور انگلش ڈکشنری کلکتہ سے شائع ہوئی اور جے ۔ایچ سٹاک کیولر کی اورینٹل انٹرپریٹر لندن سے شائع ہوئی۔ اسی عرصہ میں بمبئی سے سی۔کے اوگڈن کی دی بیسک ورڈز بھی شائع ہوئی۔ ڈنکن فاربس کی مشہور زمانہ اردو انگریزی اور انگریزی اردو لغت ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی۔ ۱۸۵۰ء میں ہنری گرانٹ کی مرتب کردہ اینگلو اینڈین دوکیبلری کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ایچ۔ ایچ۔ ولسن کی عدالتی اور مالگزاری کی اصطلاحات پر مشتمل اے گلاسری آف جوڈیشل اینڈ ریونیوٹرمز ۱۸۵۵ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ آنون کی چار لغات ۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۷ء کے عرصہ میں شائع ہوئے۔ اے ڈکشنری آف انگلش ہندوستانی اینڈ پرشین مدراس سے ۱۸۵۱ء میں ہندوستانی و وکیبلری مدراس سے اور ۱۸۹۷ء میں ہندوستانی سول ڈکشنری ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے، اسی سال انگلش اینڈ ہندوستانی ووکیبلری مدراس سے اور ۱۸۵۷ء میں دی سٹوڈنٹس پریکٹیکل ڈکشنری الہٰ آباد سے شائع ہوئیں۔ ۱۸۵۸ء ریڈ ہنری اسٹیوار کی تثلیث الغات الہٰ آباد سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن کی مشہور زمانہ لغت انگریزی ہندوستانی ڈکشنری کے نام سے ۱۸۵۸ء میں کراسوں کی صورت میں شائع ہوئی۔ اپنی مکمل صورت میں یہ ۱۸۷۹ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ ۱۸۶۱ء میں رابرٹ کاٹن ماتھر نے گلاسری ہندوستانی اینڈ انگلش کے نام سے عہد نامہ جدید میں موجود الفاظ پر مبنی فرہنگ شائع کروائی۔ ہیزل گرود کی انگلش ہندوستانی ڈکشنری ۱۸۶۵ء میں بمبئی سے شائع ہوئی۔ ۱۸۶۸ء میں کپتان جی۔ای۔بورڈ کی انگلشہندوستانی ڈکشنری مدراس سے شائع ہوئی۔ ۱۸۶۹ء میں ایچ۔انڈرس کی لغت اردو انگلش ڈکشنری کے نام سے کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ۱۸۷۵ء میں جے۔ڈی۔بیٹ کی ڈکشنری آف ہندی لینگویج بنارس سے شائع ہوئی۔ کلکتہ سے ایچ بلوک مین کی ایک انگلش ہندوستانی سکول ڈکشنری ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔ ۱۸۷۹ء میں ڈی۔ایف۔ڈائس کی ایک لغت شائع ہوئی۔ اس کا نام انگریزی، پرتگالی،

گووی، مرہٹی اور ہندوستانی تھا۔ چارلس جیمز کی نیو ہندوستانی ڈکشنری بھی اسی سال بنارس اور لندن سے شائع ہوئی۔ رومن کیتھولک آرفن پریس سردھنہ سے ڈی ڈبلیو کیگن کی ایک لغت ووکیبلری ان اردو لیٹن انگلش ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی۔ جان۔ ٹی۔ پلیٹس کا اہم لغت اردو کلاسیکل ہندی انگلش ڈکشنری ۱۸۸۴ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ ۱۸۸۵ء میں جارج کلیفورڈ وائٹ ورتھ کی اینگلو انڈین ڈکشنری لندن سے شائع ہوئی۔ ۱۱؎ اس لغت کا سنگِ میل پبلشرز سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہونے والا نسخہ راقمہ نے ادارۂ فروغِ اردو کے کتب خانے میں دیکھا ہے جس پر ۱۸۴۲ء کو اشاعت اول کا سنہ لکھا گیا ہے۔

۱۸۸۸ء میں لکھنو سے باڈے کی لغت پاپولر انگلش ڈکشنری کے نام سے شائع ہوئی۔ ۱۸۹۰ء میں کیمیسن کی کتاب علم نحو وروزمرہ سے ہندوستانی لندن سے شائع ہوئی۔ اس کا ایک حصہ لغت پر مشتمل تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اے۔ این۔ فلپس کی کتاب ہندوستانی محاورے لندن سے شائع ہوئی۔ ۱۸۹۳ء میں پادری تھامس کریون ایم۔ اے۔ بی۔ ڈی نے دی رائل ڈکشنری ہندوستانی کے نام سے شائع ہوئی۔ پولاک کی مرتبہ لغت ہندوستانی انگلش ڈکشنری کے نام سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔ میجر ایف۔ آر۔ ایچ۔ چیپ مین کی لغت انگریزی ہندوستانی جیبی ذخیرہ الفاظ کے نام سے ۱۹۰۴ء میں یادک ٹاؤن سے شائع ہوئی۔ جارج رانکنگ کی جامع لغت انگلش ہندوستانی ڈکشنری کے نام سے ۱۹۰۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں ہندوستانی انگلش ووکیبلری آف انڈین برڈز کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کے مولف ڈی۔ سی۔ فلوٹ اور گوبن لال تھے۔ ۱۹۱۱ء میں کلکتہ سے ڈی۔ سی فلوٹ کی ایک اور لغت انگریزی ہندی ذخیرۂ الفاظ شائع ہوئی۔ ۱۹۱۲ء میں جے۔ این سین کی ٹوینٹیتھ سنچری انگلش اردو ڈکشنری الہٰ آباد سے شائع ہوئی۔ ۱۲؎

جان شیکسپیر: (۱۷۷۴ء۔۱۸۵۸ء)

شیکسپیر نے ۱۸۰۵ء میں رائل ملٹری کالج مار بو میں مشرقی علوم پڑھانے سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۰۹ء میں افسران کی تربیت کے لیے ایک کالج ایڈس کومب میں قائم کیا تو شیکسپیر یہاں ہندوستانی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۸۲۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد تمام توجہ تحقیقی کاموں پر مرکوز کی۔

شیکسپیر کی کتب حسبِ ذیل ہیں۔

- *Hindustani Grammar*, 1813.
- *Dictionary of Hindustani and English*, 1817.

- *Muntakhbat-e-Hindi or selection in Hindustani with verbal Translations or particular vocabularies and a grammatical analysis of some parts for the use of student of that language*, 1817-1818.
- *Introduction to the Hindustani language*, 1845.
- *Hindu and Hindustani, selection to which are prefiaed the requirement of Hindustani and Birj Basha grammar*, 1827.

[۱۳]

A) انگریزی لغت Dictionary, Hindustani and English) اس ڈکشنری کی بنیاد کیپٹن جوزف کی ذاتی استعمال کی غرض سے مرتب کی گئی ہندوستانی انگریزی لغت پر رکھی گئی۔ پہلی بار یہ لغت ۱۸۱۷ء میں لندن سے چھپی۔ اس کے ہر ایڈیشن میں اہم ترمیمات اور مفید اضافے کیے گئے بالخصوص اس کے چوتھے ایڈیشن میں، جو لندن سے ۱۸۴۹ء میں چھپا، کیے گئے اضافوں اور اشاریے کے بجائے انگریزی اردو لغت کی شمولیت نے اسے ایک جامع اردو انگریزی۔ انگریزی اردو لغت کی شکل دے دی۔[۱۴] سنگِ میل پبلشرز، لاہور سے ۲۰۰۲ء میں اس لغت کا ایک ضخیم ایڈیشن شائع ہوا ہے جس پر ناشر نے تو کوئی دیباچہ تحریر نہیں کیا مگر مولف کا مختصر مقدمہ اور فہرست مخففات موجود ہے۔ اس فہرست مخففات کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ہوبسن جوبسن کے آغاز میں کوئی بھی فہرست مخففات درج نہیں ہے البتہ ہنری یول کے مقدمے میں وضاحت کی ہے کہ جان شیکسپیئر ہی کی فہرست ہوبسن جوبسن کے مطالعے میں معاون ثابت ہو گی۔ یہاں وہ تمام حروف مع انگریزی متبادل حروف دے دیے گئے ہیں جنہیں بدیسی ہونے کے باعث انگریزوں کے لیے سمجھنا اور ادا کرنا مشکل ہے مثلاً ج، جھ، ک، کھ، ق، ل، م، پ، پھ، ڑ، ڑھ، ژ، ت، تھ، ٹ، ٹھ، ط، ظ، و، ی، ز، ض، ظ، ذ، ع، بھ وغیرہ نیز غنہ کی آوازوں کی صوتی وضاحت بھی انگریزی الفاظ کی مثالوں سے کی گئی ہیں۔ صرف و نحو کے قواعد کے استعمال کے حوالے سے ہدایات درج ہیں۔ مخففات کی وضاحت بھی موجود ہے۔ اس ایڈیشن کے اندراجات ۱۰۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ دو کالمی ہے۔ ہر کالم کو الگ نمبر دیا گیا ہے یوں لغت میں صفحہ نمبر کی جگہ کالم نمبر ہی لکھے گئے ہیں۔ اس حساب سے اندراجات ۲۰۵۲ کالموں پر مشتمل ہے۔ لغت کے آخر میں ۱۵۰ صفحات پر مشتمل انڈکس موجود ہے۔ لغت میں ٹ کو "ٿ" سے اور ڑ کو "ڑ" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ وضاحت میں لکھے گئے دکنی اور فارسی کے الفاظ کو بھی اردو رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ یہ اس لغت کی منفرد خصوصیت ہے۔ تمام اندراجات کو اردو رسم الخط میں لکھنے کے بعد آگے رومن میں بھی لکھا گیا ہے۔ سنسکرت الفاظ کو دیوناگری میں

بھی لکھا گیا ہے۔ اس لغت کی اہمیت اس بات میں بھی مضمر ہے کہ اس نے اپنے بعد تالیف ہونے والی تمام لغات کے لیے بنیاد کا کام کیا۔ وارث سرہندی نے بھی مجموعی طور پر اس لغت کی تعریف کی ہے۔ خصوصاً الفاظ کی اصل کے حوالے سے تلاش کو سراہا ہے اور فیلن کے مقابلے میں ان کی تحقیقی کاوشوں کو اولیت دی ہے۔ ایک لفظ کے زیادہ سے زیادہ معانی لکھنے کو بھی اس لغت کی منفرد خاصیت کہا۔ دکنی الفاظ اور لہجوں کو ترجیح دینے کو اردو زبان کی تدریجی ترقی کے مطالعے کے لیے معاون قرار دیا ہے۔ چند ایک اعتراضات کے علاوہ مولف کے کام کو اطمینان بخش کہا ہے نیز استفادہ کرنے والوں کی تعداد میں اضافے کی غرض سے لغت کے اردو ترجمے کی تجویز پیش کی ہے۔ ۱۵

ڈنکن فاربس (۱۷۹۸ء۔۱۸۶۸ء):

فاربس نے ۱۸۲۳ء میں سینٹ اینڈر یوز یونیورسٹی سے ایم۔اے کرنے کے بعد کلکتہ اکیڈمی میں ملازمت اختیار کر لی۔ خرابی صحت کے باعث فاربس ۱۸۲۶ء تک ہی کلکتہ میں رہ پایا۔ واپس لندن جا کے گلکرسٹ اور پھر آرنوٹ کا مددگار پروفیسر بن گیا۔ ۱۸۳۷ء میں کنگز کالج لندن میں مشرقی علوم کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۸۶۱ء تک اسی عہدے پر خدمات انجام دیتا رہا۔

آغا افتخار حسین نے فاربس کی درج ذیل کتب بتائی ہے۔

- *An Essay on the origin and structure of the Hindustani Tongue London*, 1828.
- قصہ حاتم طائی کا ترجمہ، ۱۸۳۰ء۔
- *The Hindustani Manual, London* 1845, 1850, 1874.
- *A Grammar of Hindustan language in the Oriental and Roman Character*, London 1846.
- باغ و بہار بمعہ فرہنگ بالترتیب حروف ابجد، ۱۸۴۶ء۔
- *A Dictionary, Hindustani-English, English Hindustani* 2 Vol. London 1848.
- *Oriental pen manship*, London, 1849.
- *A smaller Hindustani and English Dictionary*, London 1861.
- پلیٹس کی معاونت سے بیتال پچیسی کا انگریزی ترجمہ، ۱۸۷۱ء۔ ۱۶

ڈکشنری: ہندوستانی۔ انگریزی، انگریزی ہندوستانی:

ڈنکن فاربس کی یہ لغت پہلی بار ۱۸۴۸ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ ترمیم و اضافے کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن WmH.Allen& Co نے لندن سے ۱۸۶۶ء میں شائع کیا جس کے سرورق پر Greatly enlarged and much improved کے الفاظ لکھ دیے گئے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں اترپردیش اردو اکادمی، لکھنو نے اسی نسخے کی عکسی طباعت کی جس میں اصل نسخے کے سرورق کا عکس بھی موجود تھا۔ فاربس کی یہ لغت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ہندوستانی الفاظ کے انگریزی معنی اور دوسرے حصے میں انگریزی الفاظ کے ہندوستانی معنی دیے گئے ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں سنگِ میل پبلشرز، لاہور سے بھی ڈنکن فاربس کی لغت کا ایک ایڈیشن شائع ہوا ہے مگر یہ ایڈیشن صرف پہلے حصے پر مشتمل ہے یعنی ہندوستانی (اردو)۔ انگریزی۔ نیز اس ایڈیشن میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس میں ڈنکن فاربس کا لکھا ہوا مقدمہ شامل نہیں ہے۔ اس لیے اس نسخے کے حصول کے بعد بھی تشنگی کا احساس بدستور محسوس ہوا۔ راقمہ کو تلاش سے ادارہ برائے فروغ اردو کے کتب خانے سے اترپردیش اردو اکادمی، لکھنو سے شائع ہونے والا ایڈیشن دستیاب ہوا۔ اس تصنیف کی بنیاد ولیم ہنٹر کی ہندوستانی انگریزی لغت ہے مگر محض یہی ایک لغت استعمال نہیں کی گئی بلکہ ایلیٹ کی ہندوستانی اصطلاحات کی فرہنگ *(A Glossary of Indian term)*، رچرڈسن کی فارسی اور عربی لغت، ڈاکٹر آدم کی ہندی لغت، گلیڈون کی *Dictionary of Mahomedan Law and Bengal revenue terms*، ڈاکٹر گلکرسٹ کی *Hindee Moral Preceptoe*، پریم ساگر کے ذخیرہ الفاظ، تھومپسن کی ہندی انگریزی لغت *(Hindi and English Dictionary)* اور ڈاکٹر ہرکلاٹس (Herklots) کی قانونِ اسلام سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مولف نے یہ دعوی بھی کیا ہے کہ انھوں نے گلستانِ سعدی میں استعمال ہونے والے تمام فارسی الفاظ کو بھی اپنی لغت میں جگہ دی ہے۔ ان تمام کتب لغات کی مدد سے مذکورہ لغت تیار کی گئی ہے۔ نیز مولف نے اردو کتب اخلاق ہندی، خرد افروز، گل بکاؤلی، آرائش محفل، اخوان الصفا اور ہندی کی بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی اور پریم ساگر کا مطالعہ الفاظ کے درست تلفظ جاننے کی غرض سے کیا۔ عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی سبھی زبانوں کے الفاظ کو شامل کرنے کی کوشش میں لغت بہت ضخیم ہو گئی ہے اور پھر انگریزی ہندی کے دوسرے حصے نے اس کی ضخامت میں مزید اضافہ کیا ہے مگر مخصوص ٹشو کاغذ پر اشاعت اور چھوٹے سائز نے اس کے حجم کو کم کرنے میں اعانت فراہم کی ہے۔ لغت کے پہلے حصے میں سنسکرت اور ہندی الفاظ فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں درج کیے ہیں لیکن فارسی عربی کے الفاظ کو صرف اردو رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ انگریزی معنی کے ساتھ اگر وضاحت کے لیے کسی ہندوستانی

لفظ کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسے رومن میں ہی لکھا گیا ہے۔ ڑ کو "ڑ" سے اور ٹ کو "ٹ" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لغت کا ہر صفحہ دو کالمی ہے۔ حصہ اول ہندوستانی انگریزی الفاظ ۸۰۲ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ حصہ دوم انگریزی۔ ہندوستانی الفاظ ۳۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں تمام انگریزی الفاظ کا ہندوستانی (اردو) ترجمہ رومن رسم الخط میں درج کیا گیا ہے۔ اردو رسم الخط میں نہ لکھنے کی وجہ فاربس نے مقدمے میں ضخامت کو بتایا ہے۔ لغت کے پہلے حصے میں تقریباً ہر لفظ کے ماخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اکثر ماخذ درست درج کیے ہیں۔ ۱۷ فاربس نے اپنی یہ لغت ہندوستان آنے والے ان انگریزوں کے لیے خاص طور پر لکھی تھی جنہیں ملازمت کے حصول کے لیے زبان کا پرچہ پاس کرنا ہوتا تھا۔ مستشرقین کی لغات میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

ایس۔ڈبلیو۔فیلن (S.W.Fallon) (۱۸۱۷ء۔۱۸۸۰ء)

ہندوستانی (اردو) زبان کے حوالے سے فیلن کو معروف علمی حیثیت حاصل ہے۔ فیلن ۱۸۱۷ء میں کلکتہ میں پیدا ہوا اور ۱۸۳۷ء میں بنگال کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گیا۔ اپنی قابلیت اور محنت سے انسپکٹر آف سکول کا عہدہ حاصل کیا۔ جرمنی کی یونیورسٹی Hulle سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۷۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر بمبئی منتقل ہو گیا۔ بعد ازاں برطانیہ لوٹ گیا اور ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو وہی وفات پائی۔ ۱۸

فیلن کی تالیفات معہ سنین درج ذیل ہیں۔

- *An English-Hindustani Law and Commercial Dictionary of words and phrases used in civil, criminal, revenue and mercantile affairs to assist translators of law paper*, calcuta 1859.
- *A Hindustani-English Law and Commerical Dictionary*, 1879.
- *A Dictionary of Hindustani Proverbs, including many Marvari, Punjabi, Maggah, Bhojpuri and Tirhuti Proverbs, Saying, Embles, Aphorisoms, Maxims and Similies* 1886.
- *A New Hindustani-English Dictionary with illustration from Hindustani literature and folk lore*, 1879.
- *A New English-Hindustani Dictionary*, 1883 ۱۹

محمد اکرام چغتائی نے ان کتب کے علاوہ فیلن کو اخباء الحقائق، خیر خواہ خلق اور تاریخ بغاوت کا مدیر بھی بتایا ہے نیز طبقاتِ شعرائے ہند کو بھی فیلن کی تالیف لکھا ہے۔ مگر ڈاکٹر رضیہ نور محمد اور آغا افتخار حسین کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علمی کارنامے ایک اور مستشرق ایف فیلن کے ہیں۔ ۲۰ یوں فیلن کی انگریزی اردو ڈکشنری سب سے پہلے ۱۸۸۳ء میں لندن سے شائع ہوئی پھر ۱۹۲۷ء میں پائی صاحب اینڈ گلاب سنگھ نے اسے لاہور سے شائع کیا۔ اردو سائنس بورڈ نے اضافے کے ساتھ اسے ۱۹۷۶ء میں چھاپا جس کا ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والا دوسرا ایڈیشن مقتدرہ قومی زبان کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے عملہ ادارت کے رکن محمد اکرام چغتائی، فضل قادر فضلی اور اشفاق انور تھے۔

اس لغت کی تکمیل سے قبل ہی فیلن کا انتقال ہو گیا تھا چنانچہ ان کی قابل ٹیم نے جے۔ڈی۔بیٹ (J.D.Bate) کی رہنمائی میں لغت کا کام مکمل کیا۔ لغت کا دیباچہ محمد اکرام چغتائی نے لکھا ہے جس میں فیلن کا تعارف بمعہ مختصر حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کا تعارف موجود ہے۔ اس ایڈیشن میں ۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہونے والے ایڈیشن کے سرورق کا عکس بھی موجود ہے۔ ۱۱۰۶ صفحات پر مشتمل لغت کے آغاز میں مخففات کی فہرست دے دی گئی ہے۔ ہر انگریزی لفظ کے ساتھ قواعد کی رو سے اس کی حیثیت بھی متعین کی گئی ہے۔ ہر انگریزی لفظ کے ساتھ اس کے مترادفات بھی دیے گئے ہیں۔ ہر لفظ کے ایک سے زائد اردو معنی دیے گئے ہیں۔ ہر نئے لفظ کے ساتھ سمبل لگایا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس سے متعلقہ اندراجات (مترادفات) کی فہرست کتنی طویل ہے نیز کتاب کے استعمال میں ابہام نہ رہے۔ ضرورت کے مطابق الفاظ کے استعمال کی جملوں کی صورت میں مثالیں درج ہے۔ مثلاً Bewitch کے معانی جادو کرنا، منتر کرنا، موٹھ چلانا وغیرہ لکھے ہیں اور ڈرائیڈن کا جملہ نقل کیا ہے۔

The Charm of beauty bewitch our souls

ترجمہ: شاعری دلفریبی ہے۔ ۲۱

لفظ کے معنی کے ساتھ بعض جگہ ضرورت کے مطابق لفظ کی اردو میں تشریح بھی لکھی گئی ہے۔

اردو (ہندوستانی)۔ انگریزی ڈکشنری:

فیلن کی یہ مشہور لغت میڈیکل ہال پریس ۱۸۷۹ء بنارس سے شائع ہوئی۔ ۱۹۷۶ء میں مرکزی اردو بورڈ، لاہور سے اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا۔ یہ اشاعت فیلن کے پہلے ایڈیشن کی عکسی طباعت ہی ہے۔ اس میں اشفاق احمد نے دو صفحے کا ابتدائیہ لکھا ہے مگر اس فیلن کی زندگی یا لغت کے متعلق کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔ البتہ فیلن کا ۲۴ صفحے کا تفصیلی مقدمہ لغت کے متعلق خوب رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ نیز مولف کی ترجیحات سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اس لغت

کے اندراجات ۱۲۱۵ صفحات پر مشتمل جن میں علاقائی الفاظ اچھی خاصی تعداد میں موجود ہے۔ لغت کی ترتیب بائیں سے دائیں جانب ہے۔ ہر صفحہ دو کالمی ہے۔ مرکزی لفظ اردو میں لکھا گیا ہے، اگر لفظ کا اصل یا ماخذ سنسکرت لفظ ہے تو اسے دیوناگری رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ الفاظ کے معانی انگریزی میں لکھے گئے ہیں۔ ٹ کو "ṭ" سے اور ڑ کو "ṛ" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ مقامی زبان کی ضرب الامثال، کہاوتوں، اشعار اور لوک گیتوں کو بھی رومن رسم الخط میں لکھا گیا ہے مگر ساتھ انگریزی ترجمہ بھی درج ہے۔ لہجوں کے فرق کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ ایسے الفاظ جو ہندوستان کے اکثر علاقوں میں ایک ہی معنی میں بولے جاتے مگر ادائیگی میں فرق ہے ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ الفاظ کے معنی اور استعمال کی وضاحت کے لیے محاورے، ضرب الامثال، کہاوتیں، مقامی شعراء کے اشعار، لوک گیت اور عام بول چال کے جملے نقل کیے گئے ہیں۔

وارث سرہندی نے مجموعی طور پر فیلن کی لغت کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے اس پر چند اعتراضات اٹھائے ہیں جو درج ذیل ہے۔

۱۔ بعض مشہور اور عام مستعمل الفاظ کو لغت میں جگہ نہیں دی گئی جب کہ بعض کم مستعمل الفاظ لغت کا حصہ ہے۔

۲۔ عربی اور فارسی کے مقابلے میں ہندی الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳۔ معانی کے اندراج میں غیر ضروری اختصار برتا گیا ہے۔

۴۔ عربی اور فارسی الفاظ کا تلفظ غلط درج ہے۔

۵۔ عامیانہ تلفظ درج ہے جب کہ معیاری تلفظ بیان نہیں کیا گیا۔ ۲۲

یہ اعتراضات کسی حد تک رفع ہو جاتے ہیں جب ہم پڑھتے ہیں کہ فیلن نے مقدمے میں وضاحت کر دی ہے کہ اس کی ترجیح عوامی بولی ہے کیوں کہ فیلن کے مشاہدے کے مطابق عوامی بولیاں لغات کا حصہ نہیں ہیں۔ جب کہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے ثقیل الفاظ سے لغات بھری پڑی ہیں۔ عوامی زبان ہی دراصل قومی زبان ہے۔ اس سلسلے میں عورتوں کی بولیوں کو اولیت حاصل ہے۔ فیلن نے آرٹ، فلسفے اور سائنس کی کچھ اصطلاحات کو عام ہندی الفاظ میں ادا کیا ہے۔ چار کالم بنا کر انگریزی، مقامی بولی، عربی اور سنسکرت میں یہ اصطلاحات لکھی ہیں تا کہ موازنہ ہو سکے کہ عربی اور سنسکرت کی ثقیل اصطلاحات کی بجائے مقامی اصطلاحات قابل قبول ہے نیز مقامی زبان کی اہلیت بھی سامنے آ سکے۔ ۲۳

لغت میں لفظ کے اصل ماخذ کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقامی شعراء میں سب سے زیادہ نظیر اکبر آبادی کے اشعار نظر آتے ہیں۔ فیلن کی لغت ہی فرہنگِ آصفیہ کی بنیاد بنی۔ اردو لغت نویسی میں اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ تمام الفاظ کا احاطہ کرنا شائد کسی بھی لغت کے بس کی بات نہیں مگر اس لغت کا انداز برصغیر کی زبانوں کے ساتھ تہذیب و کلچر سے بھی بحث کرتا ہے۔ عام بول چال سے دی گئی مثالیں یا لوک گیتوں کے اشعار معاشرت کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر ایک لفظ پیش کیا جارہا ہے۔

لفظ برخوردار کے ضمن میں ایک نظم اور ایک پہیلی نقل کی گئی ہے۔ اس کے معنی ایک ایسے بچے کے لکھے گئے ہیں جسے لمبی زندگی، خوشیوں اور خوشحالی کی دعا دی جائے (خصوصاً لڑکا)۔

لوک گیت کا شعر: ۔چاچا تیرا ہفت ہزاری، بابا منصب دار

اماں تری صدا سہاگن، بچے برخوردار

پہیلی: اک گھوڑا، تیس سوار، دیکھنے والا برخوردار

پہیلی کا جواب: کتابوں کی الماری، قرآن حکیم (تیس پاروں والی کتاب)، جو اسے پڑھے وہ فلاح پائے۔ ۲۴ے

اس گیت اور پہیلی میں ہندوستان کے مذہبی شعار اور تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔

اس لغت کی متمیز خصوصیت مقامی بولیوں کے الفاظ اور حوالے ہیں اس کے متعلق ڈاکٹر رؤف پاریکھ رقم طراز ہے۔

> علاقائی بولیوں، عوامی گیتوں، عوامی کہاوتوں، اردو کے علاقائی یا دیہاتی تلفظ اور علاقائی رنگ کو ہمارے اکثر لغت نویسوں نے نظر انداز کر دیا ہے جس سے اردو کا بڑا نقصان ہو گیا اور ایسے کئی الفاظ جو اردو کا حصہ تھے اسی تعصب اور تنگ نظری کی بھینٹ چڑھ گئے۔ عوامی الفاظ، کہاوتیں اور محاورے چونکہ بجا طور پر "غیر معیاری" اور "غیر ضروری" سمجھے گئے لہٰذا کسی لغت میں بار نہ پا سکے اور رفتہ رفتہ فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ ۲۵ے

رؤف پاریکھ صاحب تحتی یا ذیلی اندراجات میں حروفِ تہجی کی ترتیب کو مدِ نظر نہ رکھنے کو اس لغت کی خامی بتاتے ہیں۔ البتہ انھوں نے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر رومن میں لکھی گئی کہاوتوں اور مثالوں کو اردو رسم الخط میں لکھ کر شائع کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔

جان تھامس پلیٹس (۱۸۳۰ء۔۱۹۰۴ء):

پلیٹس نے آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ ہندوستان آنے کے بعد بنارس کالج کا ہیڈ ماسٹر مقرر ہوا اور اسکولوں کے انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہوا۔ ۱۸۷۲ء میں ریٹائر ہو کر خرابی صحت کے باعث انگلستان واپس چلا گیا۔ آکسفورڈ کچھ عرصہ مزید تعلیم حاصل کی اور آکسفورڈ ہی میں آئی۔ سی۔ ایس کے زیر تربیت افسروں کو فارسی اور ہندی زبان کی تعلیم دینے پر معمور ہوا۔

پلیٹس کی مندرجہ ذیل کتابیں آکسفورڈ یونیورسٹی پبلشرز سے شائع ہوئی۔

- *A Companion to Wirglay's collection of Examples and Problems*, 1861.
- *A Grammar of the Hindustani and or Urdu Language*, 1874.
- *A Hindustani-English Dictionary*, 1881.
- *A Dictionary of Urdu, Classical Hindu and English*, 1884.
- *A Grammar of the Perisan Language*, 1894ء[۲۶]

پلیٹس کی یہ ڈکشنری پہلی دفعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن سے ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ بعد میں اس کے ایڈیشن شائع ہوتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر رضیہ نور محمد نے اس کے ۱۹۶۵ء میں چھپنے والے پانچوے ایڈیشن کا ذکر کیا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز نے اس کے ۱۹۱۱ء میں لندن سے شائع ہونے والے چوتھے ایڈیشن کی عکسی نقل شائع کی۔ اس ایڈیشن میں پلیٹس کا لکھا ہوا چھ صفحوں کا پیش لفظ بھی شامل ہے۔ اس دو کالمی لغت کے تمام مندرجات ۱۲۵۴ صفحات پر مشتمل ہیں۔ پلیٹس نے گلکرسٹ کی انگریزی ہندوستانیلغت ولیم کرک پیٹر کی ہندوستانی انگریزی لغت ہنری ہیرس کی فرہنگ ، جوزف ٹیلر کی ذاتی استعمال کی غرض سے لکھی گئی ہندوستانی انگریزی لغت، ولیم ہنٹر کی لغت، جان شیکسپئر کی لغت، ڈنکن فاربس اور فیلن کی لغت ہندوستانی سے استفادہ کیا۔ اس لغت میں اردو، ہندی، فارسی، عربی، سنسکرت الفاظ کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اسی لیے لغت کافی ضخیم ہو گئی ہے۔ الفاظ کے معانی بھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ جن میں سے اکثریت کے ماخذ کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ ہر اصل مندرجہ لفظ سے پہلے ہی اس کے ماخذ کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ H, A, P وغیرہ کے اختصارات اس نشاندہی کے لیے استعمال کیے گئے ہیں، جن کی وضاحت پہلے سے مقدمے میں کر دی گئی ہے۔ ہر اصل لفظ پہلے اردو رسم الخط

میں لکھا گیا ہے اس کے آگے ناگری رسم الخط میں اور اس کے بعد رومن حروف میں تلفظ واضح کیا گیا ہے۔ اس لغت میں بھی ٹ کو ٹ سے اور ڑ کو ڑ سے ظاہر کیا گیا ہے جیسے لفظ مکوڑا کو "مکوڑا" لکھا ہے اور تڑپنا کو "تڑپنا" لکھا ہے۔

دیکھا جائے تو یہ ڈکشنری پہلے کی تمام لغات کا تکملہ (Perfection) ہے۔ پلیٹس نے پہلے کی تمام قابل ذکر لغت کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان سے استفادہ بھی کیا ہے اور ان پر اضافہ (Improvement) بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں اپنے طویل قیام اور عوام سے رابطے کے ذریعے ان کی بول چال کی زبان سے واقفیت نے بڑی مدد پہنچائی، جن کی وجہ سے اس کی لغت جامع اور معتبر بن گئی۔ ۲۷

لغت کا پیش لفظ مختصر ہے مگر لغت کے مطالعے کے حوالے سے تمام ضروری معلومات موجود ہیں۔ جن لغات سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے ذکر کے ساتھ چند لغات پر ایک جملے کا تبصرہ بھی مل جاتا ہے۔ صرف و نحو کے قواعد اور ان کے لیے مستعمل مخففات کے ساتھ زبانوں کے لیے استعمال ہونے والے اختصارات بھی واضح کر دیے گئے ہیں۔ فارسی، رومن اور دیوناگری کے متبادل مصوتوں اور مصمتوں کا الگ الگ جدول بھی موجود ہے۔ جابر علی سید نے اپنی وسعت ضخامت اور صحت طباعت کے اعتبار سے اسے ایک مثالی چیز قرار دیا ہے۔ ۲۸

لغت میں مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں مگر مولف کی محنت اور بہتر ترتیب ابہام پیدا ہونے نہیں دیتی۔ مادہ بتانے کے ساتھ اشتقاق پر بھی کسی حد تک روشنی ڈالی گئی ہے۔ ابہام سے بچانے کے لیے یکساں املاء مگر مختلف تلفظ والے الفاظ کا الگ الگ اندراج کیا ہے جیسے کہ لفظ مہر کے آٹھ مختلف اندراج ملتے ہیں۔ لغت میں پرندوں، جانوروں، کھانے کی چیزوں غرض یہ کہ زیادہ سے زیادہ الفاظ کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یوں ضخامت کے ساتھ اس کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ البتہ مقدمے میں پلیٹس نے ڈنکن فاربس کی لغت کو اس دور کے طالب علموں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی قرار دیا ہے جب کہ راقمہ کے خیال میں بلاشبہ پلیٹس کی لغت فاربس کی لغت سے زیادہ اہم اور مفید ہے مگر اکثر پلیٹس اور فاربس کے اکثر اندراجات اور ان کے معانی بالکل ایک جیسے ہیں مگر ایک جیسی وضاحت کے حامل اندراجات میں بھی کچھ جگہ پلیٹس کے ہاں فاربس سے زیادہ تفصیل ملتی ہے۔ یوں فاربس کی لغت کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا مگر مجموعی طور پر پلیٹس کی لغت کو اولیت حاصل ہے۔

مصنفین کا تعارف:

ہنری یول (مئی ۱۸۲۰ء۔ دسمبر ۱۸۸۹ء):

ہنری یول کے والد میجر ولیم یول (۱۷۶۲ء۔۱۸۳۹ء) بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے۔ ان کی والدہ کا نام ایزے پیٹرسن تھا۔ میجر یول مشرقی زبانوں میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۸۰۹ء میں ریٹائر ہو کر ہندوستان سے وطن واپس لوٹے تو کئی عربی اور فارسی زبان کے مخطوطات اپنے ساتھ لے گئے جو اب برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ انھوں نے ۱۸۳۲ء میں Apophthegms of Ali the sun of Abu Talib کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں عربی متن، اس کا قدیم فارسی ترجمہ اور خود میجر یول کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ شامل ہے۔ ۲۹

ہنری یول نے اپنی ابتدائی تعلیم ایڈنبرا کے ہائی سکول اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج سے حاصل کی۔ ۱۸۳۸ء میں بحیثیت لیفٹیننٹ کمیشن حاصل کیا اور بنگال انجینئر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۳ء تک شمالی مشرقی سرحدوں پر کاشیہ کی پہاڑیوں پر تعینات رہے۔ ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۹ء تک شمالی مغربی صوبوں میں مغلوں کے بنائے گئے نظام آب پاشی کو از سر نو فعال بنانے کے منصوبے کا حصہ رہے۔ ۱۸۴۵ء سے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۸ء سے ۱۸۴۹ء کے دوران سکھوں کے خلاف لڑی جانے والی دونوں جنگوں میں بھی شریک ہوئے۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۱ء تک ملٹری اکیڈمی میں پڑھاتے رہے۔ پھر ۱۸۵۵ء میں کولونل ارتھر فیئر مشن (Colonel Arthur Mission) میں سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے وقت وہ الہٰ آباد میں موجود تھے۔ ہندوستان میں نو آبادیاتی نظام کے قیام کے بعد انھیں حکومت میں سیکٹری پی۔ڈبلیو۔ڈی (P.W.D) مقرر کیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۹ء تک "ہندوستانی کونسل" کے رکن رہے۔ ۱۸۸۵ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر بھی رہے۔ ۱۸۸۹ء میں ہنری یول کو اس کی خدمات کے اعتراف میں حکومت برطانیہ نے "سر" کے خطاب" اور "ستارہ ہند" کے اعزاز سے نوازا۔

ہنری یول کی تصانیف بمعہ سنین درج ذیل ہے۔

- *The African Squardon vindicated*, 1850.
- *Fortification for officers of the army*, 1851.
- *A Narrative of the Mission to the Court of Ava*, 1858.
- *Mirabilia Descripta*, 1863.

- *Cathay and the way Thither*, 1866.
- *Morco Polo's Account of Japan and Jaa*, 1871.
- *Hobson-Jobson, A Glossary of Colloquial anglo-Indian words and phrases and of kinderd terms, Etymological, Historical, Geographical and discursive*, 1886.
- *The Diary of William Hedges*, 1887-1889ء۳۰

ان کتب کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور مختلف علمی جرائد میں جغرافیہ اور سوانح کے موضوعات پر تحقیقی مضامین بھی لکھے۔ ان موضوعات کے علاوہ مشرقی تبت اور برما کے دریاؤں کے بارے میں بھی نہایت دلچسپ مضامین شائع کیے۔

ارتھر کوک برنل (جولائی ۱۸۴۰ء۔ اکتوبر ۱۸۸۲ء):

ارتھر کوک برنل کے والد ارتھر برنل بھی ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھے۔ برنل صاحب نے بڈفورڈ (Bedford) اور کنگ کالج سے تعلیم حاصل کی۔ مقابلے کا امتحان پاس کر کے ۱۸۶۰ء میں مدراس آ گئے۔ ۱۸۷۰ء کے بعد انھیں ضلعی منصف کا عہدہ مل گیا۔ ضلعی منصف کی حیثیت سے مختلف ضلعوں میں اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ سب سے زیادہ عرصہ تجور کے ضلع میں گزارا۔ خرابی صحت کے باعث ۱۸۸۰ء میں ریٹائرمنٹ لے لی۔ ان کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ پر مدراس گورنمنٹ نے شدید افسوس کا اظہار کیا۔

برنل صاحب نے اپنی زندگی میں سنسکرت کتابوں کو جمع کیا جسے انھوں نے بعد میں انڈیا آفس لائبریری میں رکھوایا۔ سنسکرت زبان سے ان کو گہری آگہی حاصل تھی چنانچہ انھوں نے سنسکرت سے تراجم بھی کیے۔ تبتی، عربی، جاپانی اور پالی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ کتب خانوں کے حوالے سے ان کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ انھوں نے تجور لائبریری کا کیٹلاگ تیار کیا تھا۔

برنل صاحب کی شائع شدہ کتب درج ذیل ہیں۔

- *Elements of South India Palaegraphy*, 1874.
- *On the aindra school of Sanskrit Grammarians*, 1875.
- *A classified Index to the Sanskril MSS in the place at Tanjore*, 1880.

- *A Tentative List of Books and some MSS relating to the History of the Portuguese in India*, 1880.
- *Hobson-Jobson, A Glassory of a Colloquial Anglo-Indian words and phrases and of kindered terms, Etymological, Historical, Geographical and discursive*, 1886[۳۱]

ولیم کرک (اکتوبر ۱۹۲۷ء۔اگست ۱۸۴۸ء):

ولیم کرک نے ٹپرارے (Tipperary) کے گرائمر سکول سے اور ڈوبلن (Dublin) کے ٹرنٹی کالج سے تعلیم حاصل کی۔ سول سروس کا امتحان پاس کر کے ۱۸۷۱ء میں ہندوستان آئے۔ شمالی مغربی صوبے اور اودھ میں مجسٹریٹ اور کلکٹر کے عہدے پر فائض رہے۔ ولیم کرک نے ہوبسن جوبسن کی تدوین کی اور اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ولیم کرک درج ذیل کتب کے مصنف بھی ہیں۔

- *An Introduction to the Popular Religions and Folklore of Northern India*, 1894.
- *The Tribes and Castes of the North-Western provinces*, 1896.
- *The North-Western Provinces of India*, 1897.
- *Things Indian*, 1906.
- *Natives of Northern India*, 1907.
- *Islam in India*, 1912[۳۲]

فرہنگِ ہوبسن جوبسن کا تعارف:

فرہنگ ہوبسن جوبسن پہلی مرتبہ ۱۸۸٦ء میں *Hobson Jobson A Glossary of Anglo Indian words and phrases of kindered terms, Etymlogical, Historical, Geographical and discursive* کے عنوان سے لندن میں شائع ہوئی۔ اس عنوان کا ترجمہ فرہنگ ہوبسن جوبسن: اینگلو انڈین الفاظ و تراکیب اور متعلقات مع اشتقاق، تاریخی، جغرافیائی معلومات، لسانی تغیرات مع استدلال ہے۔ آغا افتخار حسین[۳۳]، ڈاکٹر عطش درانی[۳۴] اور صفدر رشید[۳۵] نے ہوبسن جوبسن کا سنہ اشاعت ۱۸٦٦ء بتایا ہے جو کسی صورت ممکن

نہیں ہے۔ ہو بسن جو بسن کے جتنے بھی نسخے راقمہ کی نظر سے گزرے ہیں ان میں پہلی اشاعت کا سنہ ۱۸۸۶ء ہی درج ہے۔ ہنری یول کے لکھے گئے دیباچہ کے نیچے ۵ جنوری ۱۸۸۶ء کی تاریخ درج ہے۔

دیباچے میں اشاعت سے قبل ہی اے۔ سی۔ برنل کی وفات پر دکھ کا اظہار کیا گیا ہے۔ برنل صاحب کا سنہ وفات ۱۸۸۲ء ہے۔ ہنری یول کا لکھا گیا یہ دیباچہ کتاب کے سب ایڈیشنوں میں شامل ہے نیز کتاب کے متن سے بھی ۱۸۶۶ء میں اشاعت کے خیال کی تردید ہوتی ہے۔ فرہنگ میں کچھ جگہ پر ایس۔ ڈبلیو۔ فیلن اور جان پلیٹس کی لغات کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ فیلن کی لغت کا سنہ اشاعت ۱۸۷۹ء جب کہ پلیٹس کی لغت کا سنہ اشاعت ۱۸۸۴ء ہے۔ ۱۸۶۶ء کو اس کا درست اشاعت تصور کرنا ناممکن ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ صفدر رشید نے بھی لکھا ہے کہ ۱۸۸۲ء میں برنل کی وفات کے بعد یول نے فرہنگ کی تدوین کا سلسلہ تنہا جاری رکھا مگر سنہ اشاعت ۱۸۶۶ء ہی بتایا ہے۔ ۳۶ راقمہ نے ۱۹۰۳ء میں جان مرلے پبلشرز لندن سے ۱۹۸۶ء میں رتلیج اور کگن پال، لندن سے شائع شدہ اور ۲۰۰۷ء میں نئی دہلی سے شائع ہونے والا پہلا ایڈیشن بھی دیکھا ہے۔ ان تمام پر پہلی اشاعت کا سنہ ۱۸۸۶ء ہی درج ہے۔ دیباچوں کی تعداد اور عرض ناشر کے فرق کے سوا فرہنگ کے متن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ موخر الذکر دونوں ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن کی عکسی طباعتیں ہیں۔

ہو بسن جو بسن کا منفرد عنوان حضرت حسن اور حضرت حسین کے ناموں سے اخذ کیا گیا ہے۔ مصنف کتاب کو کوئی دلچسپ اور پر کشش عنوان دینا چاہتے تھے۔ ان کے تجربے کے مطابق بہت سی بہترین کتب بعض اوقات سنجیدہ اور عام عنوان کی حامل ہونے کے باعث قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ اس لیے فرہنگ کو کوئی ایسا عنوان دینا چاہیے جو پُر کشش ہو اور قاری میں فرہنگ خریدنے اور پڑھنے کی تحریک پیدا کرے۔ ہنری یول نے دیباچے میں بتایا ہے کہ محرم کے ماتمی جلوسوں میں مسلمان سینہ کوبی کرتے ہوئے یا حسن اور یا حسین کے الفاظ بولتے ہیں۔ انگریز سپاہیوں میں ان ناموں نے بگڑ کر ہو بسن جو بسن کی شکل اختیار کر لی۔ ہنری یول نے اس نام کی اس کتاب کے ساتھ ایک اور مماثلت بھی قائم کی ہے۔ حسن اور حسین دونوں بھائی تھے۔ اس کتاب کے بھی دو مصنفین ہیں۔ یوں انھوں نے ہو بسن جو بسن کو علامتی طور پر اپنے اور اے سی برنل کے لیے استعمال کیا ہے۔

آغا افتخار حسین نے فرہنگ کے اس عنوان کی ایک قیاسی وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ مصنف کو حضرت حسن اور حضرت حسین سے عقیدت ہو گی۔ اس خیال کو مضبوط کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ہنری یول کے والد میجر

ولیم یول عربی اور فارسی زبان کے عالم تھے اور انھوں نے حضرت علی کی کتاب "نہج البلاغت" کا انگریزی ترجمہ کر کے شائع کیا تھا۔ والد کے خیالات کے اثرات نے ہنری یول کے دل میں حضرت علی اور ان کے بیٹوں کے لیے عقیدت پیدا کر دی ہوگی۔ یہاں تک کہ یہ عقیدت یول کی اس اہم تصنیف کا عنوان بن گئی۔ ۳۷ البتہ ہنری یول نے ایسے کسی جذبے کا ذکر نہیں کیا۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو فرہنگ اور عنوان میں کسی حد تک مطابقت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ فرہنگ الفاظ کے سفر کی روداد ہے۔ ایک لفظ کتنی شکلیں یا معانی بدل کر مختلف دیسوں کا سفر کرتا ہے۔ فرہنگ کا موضوع ہندوستان کے راستے انگریزی میں جانے والے مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں۔ فرہنگ کے اس زاویے کو سامنے رکھے تو ہوبسن جوبسن کا عنوان درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے دو ایسے اہم نام جو باقاعدہ ایک تاریخ اور ممیز شناخت رکھتے ہیں۔ ان ناموں کا اسلام سے گہرا تعلق ہے۔ انگریزوں سے مذہبی اختلاف کے باوجود ان کا تبدیل شدہ شکل میں وہاں رائج ہو جانا کتاب کے مدعا کی تصدیق کرتا ہے۔

انتھنی برگس (Anthony Burgess) نے فرہنگ کے دلچسپ عنوان کی ایک بہت خوبصورت وضاحت دی ہے کہ یہ منفرد عنوان دراصل قاری کو گھیر کر ایک ایسے کمرے میں لے جاتا ہے جہاں دو انتہائی قابل مصنف قاری کو ہندوستان کے ذائقوں، خوشبوؤں اور رنگوں سے آشنا کرتے ہیں۔ ۳۸ اس کتاب کا دیباچہ اور مقدمہ دونوں ہنری یول نے لکھے ہیں۔ ۱۹۰۳ء کے بعد شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں ولیم کرک کا لکھا ہوا مقدمہ بھی شامل ہے۔ ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء کے رتلیج اینڈ کیگن پال لمیٹڈ سے شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں انتھنی برگس (Anthony Burgess) کا لکھا ہوا ابتدائیہ بھی موجود ہے۔ فرہنگ میں ہنری یول کے لکھے گئے دیباچے کے ساتھ ان کا لکھا گیا مقدمہ بھی شامل ہے۔ دیباچے میں ہنری یول نے اس موضوع سے اپنی دلچسپی اور انڈین آفس لائبریری میں اے۔ سی۔ برنل سے ہونے والی واحد ملاقات کا ذکر بھی کیا ہے جس میں یول کو برنل کی اس موضوع میں دلچسپی کا علم ہوا تھا۔ اس کے بعد یول اور برنل کی کبھی ملاقات نہ ہوئی مگر دونوں کے مابین خط و کتابت ہی کے ذریعے اس فرہنگ نے جنم لیا۔ گو کہ برنل صاحب کا انتقال کتاب کی اشاعت سے ۴ سال قبل ہو گیا تھا مگر یول صاحب نے دیباچے میں ان کی خدمات کا اعتراف کھلے دل سے کیا ہے۔ اندراجات کے استعمال کے ذیل میں دیے گئے اقتباسات میں سے زیادہ تر برنل صاحب ہی کی عطا ہے۔ یول صاحب نے نشاندہی کی ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے برنل صاحب نے کتب خانوں میں تلاش کے ساتھ مہنگی کتابیں خریدنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ مصنف کو اپنی ذاتی دلچسپی کی بنا پر اور موضوع کی گہرائی کے باعث کام کو مکمل کرنے میں دشواری کا سامنا تھا۔ مندرجات کے متعلق تفصیلی معلومات اور کتب سے استعمال کی مثالوں نے موضوع کے دائرہ کار کو بہت وسیع کر دیا تھا۔ طوالت کے خوف اور فرہنگ کی

ضخامت کے پیش نظر با مشکل کام کو اختتام تک پہنچایا گیا۔ ہنری یول نے اپنے چند احباب کی مدد سے اس موضوع پر بہت محنت کی۔ یہاں تک کہ فرہنگ کا نسخہ کم از کم ۴ دفعہ ہاتھ سے لکھا۔ دیباچے میں یول صاحب نے جان کیرل، جوزف ہوکر، روبرٹسن سمتھ، جارج مول، ڈاکٹر رین ہولڈ روسٹ، جرنل روبرٹ میکلاگن، سر جارج برڈوڈ، میجر جرنل آر۔ ایچ۔ کیٹنگ، پروفیسر ٹیرن دی لاکو پییرَ اور ڈاکٹر جے۔ اے۔ ایچ۔ مُرلے کے تعاون کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔

ہنری یول نے مقدمے مثالوں کی مدد سے الفاظ کے سفر پر جامع بحث کی ہے۔ پرتگالی، فارسی، عربی، بنگالی، جنوبی ہندوستان کی بولیاں، فرانسیسی، ڈچ سبھی کے اختلاط کے نتیجے میں آنے والی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

> ہوبسن جوبسن کا مقدمہ نہایت اہم دستاویز ہے جس میں ہنری یول نے نہایت ہی مدلل انداز میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو زبان میں دیگر زبانوں کا ذخیرہ الفاظ موجود ہے مگر اردو زبان کے اثرات بھی دیگر زبانوں پر ہیں۔ خصوصاً وہ اثرات جو عربی، فارسی اور سنسکرت کے اردو پر ہیں۔ وہ یورپ کی دیگر زبانوں پر بھی ہیں مگر اس کی تحقیق اس سے پہلے نہیں کی گئی۔ ۳۹

یہ مقدمہ کسی بھی لغت کے حوالے سے کی گئی عمومی گفتگو سے مختلف ہے۔ فرہنگ کے متعلق بنیادی معلومات دیباچے میں تحریر کر کے یول نے مقدمہ ایک لسانی مقالے کے انداز میں تحریر کیا ہے۔ ایک زبان پر دوسری زبان کے پائے جانے والے اثرات زبانوں کے خاندان کے متعلق توجہ مبذول کراتے ہیں۔ تہذیبوں کا ملاپ اور زبانوں میں واقع ہونے والی تبدیلیاں ایک ناگزیر عمل کی حیثیت سے قاری کے سامنے آتی ہیں۔ یول کے مطابق انگریزی میں ہندوستانی الاصل الفاظ کا دخول ملکہ الزبتھ اول اور شاہ جیمز کے زمانے سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ ہندی (اردو) کے علاوہ بہت سی زبانوں کے الفاظ بھی ہندوستان کے توسط سے انگریزی میں شامل ہوئے۔ اسی طرح ہندوستان کی مختلف زبانوں کے الفاظ ہندوستان آنے والے عرب تاجروں کے توسط سے انگریزی میں شامل ہوئے یعنی بدیسی زبانوں کے الفاظ کے دخول کا سلسلہ بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریقوں سے ہوا جیسے کہ پرتگالی کے الفاظ ہندوستان کے راستے سے منتقل ہوئے ہیں۔

مقدمے میں تیئس فرہنگوں کی فہرست دی گئی ہے جن سے فرہنگ کے لیے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس فہرست میں زبان کی عمومی لغات کے علاوہ قانونی، مالی اور انتظامی اصطلاحات کی فرہنگیں بھی موجود ہیں اور کتابوں میں ضمیمے کی حیثیت سے شامل فرہنگیں بھی ہیں۔ ۱۰۷ کتابوں کے ناموں کی فہرست بھی موجود ہے۔ متعدد کتابوں سے استفادے کے باعث سلیم اختر نے منیچر انسائیکلوپیڈیا کہا ہے۔ ۴۰ ان کتابوں کے اقتباسات اندراجات کی تفصیل کے بعد درج کیے گئے ہیں۔ تمام اقتباسات سے پہلے سنہ درج ہے۔ آغا افتخار حسین نے اسے کتابوں کا سنہ اشاعت کہا

ہے۔ مگر مقدمے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ کتابوں کا سنہ اشاعت نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ کتاب لکھی پہلے جاتی ہے اور شائع بہت بعد میں ہوتی ہے اور اگر کتاب مکمل ہونے کے فوراً بعد شائع ہو بھی جائے تو ضروری نہیں کہ وہ اسی عہد کی زبان یا کہانی سنا رہی ہو۔ چنانچہ کوشش کی گئی کہ اقتباس تو کتاب سے دیا جائے مگر سنہ لفظ کے استعمال کا درج کیا جائے۔ ۱۰۷ کتابوں کی طویل فہرست مصنفین کی انتھک محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کتابوں کی اس طویل فہرست سے آغا افتخار حسین نے ایک نکتہ پیش کیا ہے کہ یہ فہرست اس حیرت میں مبتلا کرتی ہے کہ ہندوستان اور اس کی زبانوں کے متعلق دنیا کی اتنی کتابوں میں مواد موجود ہے۔ ۴۱ یقیناً ان کی مراد خوشگوار حیرت سے ہے۔ مصنف نے جو کتابیں استعمال کی ہیں وہ سب انگریزی کی نہیں ہے بلکہ سنسکرت، یونانی، لاطینی، پرتگالی، فرانسیسی اقتباسات بھی مل جاتے ہیں۔

مقدمے میں ایک کمی یہ ہے کہ اس میں نقل حرفی (Translitration) کا کوئی جدول نہیں دیا گیا۔ یہ کمی مصنف نے کچھ اس طرح پوری کی ہے کہ اس امر کی نشاندہی کر دی ہے کہ کس لغت کی نقل حرفیاستعمال کی گئی ہے۔ جان شیکسپئر کی لغت کی نقل حرفیاستعمال کی گئی مگر کچھ متنازعہ مسائل سے نبٹنے کے لیے چند سطروں میں ایک مختصر وضاحت بھی دے دی گئی ہے۔

کھ، خ، ٹ، ط، س، ث، ڑ، ر کی اصوات کے استعمال کے متعلق مختصر وضاحت مل جاتی ہے۔ مقدمے میں مخففات واختصارات کے متعلق بھی کوئی ہدایت نہیں دی گئی۔

کتاب بائیں سے دائیں جانب لکھی گئی ہے۔ اندراجات اور ان کی تفصیل رومن رسم الخط ہی میں لکھی گئی ہے۔ تمام اندراجات کے صفحے دو کالمی ہے۔ بعض جگہ لاطینی الفاظ لاطینی رسم الخط میں بھی ملتے ہیں۔ مگر کہیں بھی کوئی بھی لفظ اردو ٹائپ میں نہیں لکھا گیا۔ تلفظ کی وضاحت صرف نقل حرفیہی سے ہوتی ہے۔ ہر مندرجہ لفظ کے سامنے صرف و نحو کے قواعد کی رو سے ایک یا دو حرفی وضاحت موجود ہے۔ اس کے بعد ماخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اکثر مندرجات کا اصل ماخذ معلوم کرنے کے لیے تفصیلی معلومات درج کی گئیں ہیں۔ الفاظ کے معانی واضح کرنے کے بعد استعمال کی مثالوں کے لیے مختلف کتب سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔

فرہنگ کے تقریباً ۲۴۵۶ اندراجات ۹۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ آغا افتخار، بادشاہ منیر نیازی اور صفدر رشید نے فرہنگ کے تعداد و صفحات ۸۷۰ بتائے ہیں۔ جب کہ عطش درانی نے ۸۷ صفحات لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ آغا افتخار اور دیگر محققین نے فرہنگ کا پہلا نسخہ دیکھا ہو اور اس کے صفحات کی تعداد صفحات ۸۷۰ ہی ہو مگر یہ نسخہ راقمہ کو

دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ عطش درانی کے بتائے گئے ۸۷ صفحات بعید از قیاس معلوم ہوتے ہیں۔ سبھی محققین نے اندراجات کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی ہے جو اصل تعداد سے بہت کم ہے۔

اندراجات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حروف	تعداد اندراجات	حروف	تعداد اندراجات
اے	۹۴	بی	۲۶۷
سی	۳۷۶	ڈی	۱۳۸
ای	۱۹	ایف	۳۹
جی	۱۳۲	ایچ	۸۰
آئی	۱۸	جے	۹۰
کے	۷۹	ایل	۷۰
ایم	۲۱۳	این	۶۳
او	۳۵	پی	۲۱۱
کیو	۷	آر	۷۳
ایس	۲۴۰	ٹی	۱۴۲
یو	۸	وی	۱۹
ڈبلیو	۲۲	ایکس	۲
وائے	۳	زیڈ	۱۶

جب بھی دو مختلف قومیں تاریخ کے کسی بھی مقام پر اکٹھی ہوتی ہے تو ان کی زندگی کے تمام شعبہ جات پر ان کے تعلقات کے اثرات مرتسم ہونا عین فطری ہے، جہاں اقوام سماجی حوالوں سے متاثر ہوتی ہے وہی لسانی تبدیلی کے عمل سے بھی گزرتی ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں ایک سے زیادہ اقوام فاتحین کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ آریاء، عرب اور پھر اٹھارہویں صدی میں پرتگالی، ولندیزی، فرانسیسی اور برطانوی انگریز آئے۔ چنانچہ زبان نے سنسکرت کا بھاشا اور اپ بھرنش میں بدلنے کا سفر دیکھا تو کبھی سندھ کے ساحلوں پر آنے والے محمد بن قاسم نے عربی الفاظ کو مقامی زبانوں میں ضم کرنے کا کام کیا۔ فارسی بولنے والے حکمرانوں نے ہندوستان کی زبان کو فارسی رنگ چڑھایا تو یورپ سے آنے والی اقوام نے بھی یہاں کی زبان میں الفاظ کے اضافے کیے۔ دکن میں اردو کے نظریے کے حامی نصیر

الدین ہاشمی نے سندھ میں محمد بن قاسم کی بحیثیت فاتح آمد سے بہت پہلے جنوبی ساحلوں پر عرب تاجروں کی آمد کا پتہ دیا ہے اور لسانی تبدیلی کا ذکر بھی کیا ہے۔ پس تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اقوام فاتح مفتوح کی حیثیت سے ملے یا کسی اور وجہ سے تعلقات قائم ہو، لسانی تبدیلی باقی سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ایک ناگزیر عمل کی طرح واقع ہوتی ہے۔ ہوبسن جوبسن ہندی (اردو) زبان کے اسی لسانی سفر کی داستان سناتی ہے۔ الفاظ کے اشتقاقات اور ماخذات پر بحث کر کے، اصل لفظ کا پتہ معلوم کر کے دراصل فرہنگ کی صورت میں ان اقوام سے ارتباط کی ایک کہانی لکھی گئی ہے۔ الفاظ کی تبدیلی شکل اور تبدیلی معانی کے اس سفر کو باخوبی بیان کیا گیا ہے۔

زبان کے اس طویل سفر کی کہانی لکھنے کے لیے مصنفین نے انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت، فرانسیسی، جرمن، پرتگالی، ولندیزی اور متعدد دیگر زبانوں کی کتابوں اور رسائل سے استفادہ کیا ہے۔

یہ اینگلو انڈین الفاظ اور محاوروں پر مشتمل ایسی فرہنگ ہے جس میں الفاظ کے معانی،، تاریخ اور علم الاشتقاق کے تحت زبان کے استعمال کی مثالیں دی گئی ہیں۔ فرہنگ میں برطانوی عہد میں مستعمل اینگلو انڈین الفاظ و محاورات شامل ہیں۔ یہ الفاظ انگریزی زبان میں ہندوستانی مقامی زبانوں کے توسط سے داخل ہوئے۔

> ہوبسن جوبسن اشتقاق کے نقطہ نظر سے غالباً اپنی طرز کی پہلی کتاب سے شاید یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ الفاظ کے ماخذ اور معانی کے ارتقاء کے حوالے سے جس انداز سے اس کتاب میں مواد جمع کیا گیا ہے اس کی مثال اردو زبان میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس فرہنگ میں اردو (یاہندی) کے وہ الفاظ شامل ہیں جو انگریزوں اور دوسری مغربی قوموں کے ہندوستان کے ساتھ تجارتی اور سیاسی روابط کی وجہ سے بعض مغربی زبانوں میں داخل ہو گئے ہیں یا مغربی زبانوں سے اردو (یاہندی) زبانوں میں آگئے۔ ۸۷۰ صفحات کی اس فرہنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے نہ صرف ان الفاظ کے اشتقاق پر اظہار رائے کیا ہے بلکہ مجموعی طور پر مغربی اور مشرقی زبانوں کی تحریروں کے حوالے دیے ہیں۔ [۴۲]

ہندوستان کی زبانوں کے اشتقاق پر اس قدر مفصل بحث کسی اور کتاب میں نہیں ملتی۔ ماخذ یا اصل مادے کی نشاندہی کی کوشش تو بہت سی لغات کرتی ہیں مگر جس انداز سے اس فرہنگ میں اس موضوع کو نبھایا گیا وہ اردو میں کہیں اور نظر نہیں آتا۔ فرہنگ میں زیر بحث لفظ کے تمام مستعمل تلفظ دیے گئے ہیں نیز مختلف تلفظوں کے مابین فرق کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ فرہنگ کے اندراجات صرف اشیاء کے ناموں تک محدود نہیں ہے بلکہ پرندوں، جانوروں، قبائلوں، علاقوں، شہروں، پہاڑوں، بادشاہوں کے اعزازی خطابوں کو بھی اندراجات میں شامل کیا گیا ہے۔ اس وسعت کی وجہ سے فرہنگ کی معنویت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ خشک لسانی معلومات سے ایک دلچسپ اور تاریخی کتاب میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس فرہنگ کے توسط سے جہاں مختلف لغات کا تعارف حاصل ہوتا ہے وہی

قاری کو دنیا کی بہت سے مصنفین کے اسلوب سے شناسائی بھی حاصل ہوتی ہے۔ لسانیات کے طالب علموں کو لفظ کی تحقیق کے لیے بنیادی ماخذات کی طرف رجوع کرنے کی تحریک بھی ملتی ہے۔

الفاظ کے معانی و مفہوم سے آگے اس کے اشتقاق پر بحث فرہنگ کی نمایاں خاصیت ہے۔ اشتقاق کے حوالے سے مختلف ماہرینِ لسانیات کی رائے دینے کے بعد مصنف نے ماہرین کے تصورات کی مخالفت یا حق میں دلائل دیتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور پھر اپنے پیش کردہ اشتقاق کی تائید میں اقتباسات نقل کیے ہیں۔ یوں لفظ کے سفر کے ساتھ معانی کی تبدیلی اور لہجوں کے فرق کو باخوبی واضح کیا ہے۔ اسے لفظوں کی ارتقائی تاریخ کی فرہنگ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

محمد سلیم الرحمن اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> ترقی یافتہ زبانوں میں اشتقاقیات پر خاصا کام ہوا ہے۔ اردو میں زبان کے اس پہلو پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ لغات میں عام طور پر لفظوں کے بارے میں صرف اتنا لکھ دیا جاتا ہے کہ ہندی، فارسی، عربی، ترکی، انگریزی وغیرہ سے اردو میں آئے ہیں۔ ان کا شجرہ نسب مرتب کرنے پر کوئی لغت نگار توجہ نہیں دیتا۔[۴۳]

بلاشبہ ہنری یول نے اس فرہنگ میں الفاظ کا شجرہ نسب ہی مرتب کیا ہے۔ راقمہ نے الفاظ کے اشتقاق پر اردو میں خالد احمد کی کتاب لفظوں کی کہانی لفظوں کی زبانی دیکھی ہے۔ اس کتاب میں ایک لفظ کی کھوج میں مختلف زبانوں کے ملتے جلتے الفاظ پیش کیے گئے ہیں مگر اسے باقاعدہ طور پر شکل میں تحریر نہیں کیا گیا تھا اس لیے اندراجات کی تعداد اور ترتیب فرہنگ کے مطابق نہیں ہے۔ یہ خالد احمد کے انگریزی اخبارات میں چھپنے والے کالم ہیں جنھیں شیر از راج نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔ کالموں میں لفظ کے معنی سے تو بحث کی ہے مگر استعمال کی مثالیں درج نہیں ہیں۔ بلاشبہ اردو میں موضوع اور تحقیق کے اعتبار سے ہوبسن جوبسن کی حیثیت منفرد ہے۔

ہنری یول نے اس کتاب میں مشرقی زبانوں کے یورپی زبانوں میں دخیل الفاظ کے ارتقاء کو قلم بند کیا ہے۔ فرہنگ کے زیادہ تر اندراجات اردو زبان کا حصہ ہے۔ انگریزی میں ہونے کے باعث تمام اردو دان طبقہ اس سے مستفید نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس اہم فرہنگ کے مختلف ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ بعد میں شائع ہونے والے ایڈیشن ۱۹۰۳ء میں ولیم کرک کے اضافہ شدہ ایڈیشن کی عکسی طباعتیں تھی۔ فرہنگ کی بار بار اشاعت نے اس کی دستیابی کو تو ممکن بنا دیا مگر انگریزی زبان سے ناواقف اس سے فائدہ اٹھانے سے قاصر رہے۔ علم الاشتقاق پر بحث کرتی یہ فرہنگ محققین کی توجہ کی حقدار تھی۔

آغا افتخار حسین ۱۹۶۸ء میں ہوبسن جوبسن پر ایک مبسوط تحقیقی مضمون لکھ کر اسے اردو دان طبقے میں متعارف کروایا۔ بعد کے محققین نے اسی مضمون کو بنیاد بناتے ہوئے اپنی کتابوں میں فرہنگ کا ذکر کیا ہے۔ یہ تحقیقی

مقالہ اس خلا کو پُر کرے گا۔ مقالے کے لیے اس موضوع کے انتخاب کی ایک وجہ اردو لغات کا عمومی انداز بھی ہے جس میں صرف لفظ کے مترادفات لکھ دینے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ جب کہ جدید لغت نویسی میں الفاظ کی تشریح لازمی امر ہے جب کہ مترادفات ضمنی اہمیت رکھتے ہیں۔ ضروری تھا کہ اردو میں ایک ایسی لغت کا نمونہ پیش کیا جائے جو لفظ کے معانی، تشریح، ماخذ، قدامت اور استعمال کو پیشِ نظر رکھے۔ فرہنگ ہوبسن جوبسن میں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں۔ راقمہ نے اپنی انفرادی خصوصیات اور وجوہات کے پیش نظر فرہنگ ہوبس جوبسن کو مقالے کے لیے منتخب کیا ہے تاکہ اردو زبان کے ناواقف قارئین کو اس سے متعارف کروایا جا سکا نیز اردو ترجمہ اردو دان طبقے کو فرہنگ سے استفادے میں آسانی فراہم کرے گا۔

مقالے کے لیے فرہنگ کے تین ایڈیشن مد نظر رکھے گئے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں شائع ہونے والا ولیم کرک کا اضافہ شدہ ایڈیشن انٹرنیٹ سے دستیاب ہوا۔ رتلیج اینڈ کگن پال لندن پریس سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والا ادارۂ فروغ اردو کے کتب خانے سے اور نئی دہلی سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہونے والا ایڈیشن انتہائی شفیق استاد ڈاکٹر نجیبہ عارف کے ذاتی کتب خانے سے حاصل کیا۔ فرہنگ کے متن کی تفہیم کے لیے انیسویں صدی میں شائع ہونے والی ہندی زبان کی لغات تک بھی رسائی حاصل کی۔ اس ضمن میں ان لغات کو بنیادی اہمیت دی گئی جن کے حوالے ہنری یول نے فرہنگ میں دیے ہیں۔ مثلاً پلیٹس، ولسن، فاربس، جارج کلفورڈ وائٹ ورڈ، فیلن، شیکسپیئر کی لغات تفہیم متن میں مددگار ثابت ہوئی ہے۔

مقالے میں فرہنگ کے اندراجات کی ترتیب ہی کی پیروی کی گئی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے یہ سوال اہم تھا کہ مقالے کو اردو کے مطابق دائیں سے بائیں جانب لکھا جائے یا انگریزی کے مطابق بائیں سے دائیں جانب لکھا جائے۔ اس تکنیکی سوال کا جواب بہت سی لغات نے دیا۔ پلٹس، شیکسپیئر اور فاربس کی لغات نے اردو کے مطابق یعنی دائیں سے بائیں جانب لکھنے کا جواز فراہم کیا۔ ان لغات میں اندراج کو اردو ٹائپ میں لکھا گیا ہے جب کہ اندراج کی تفصیل انگریزی زبان میں درج ہے۔ تفصیل کو اولیت دیتے ہوئے انگریزی ترتیب کو اپنایا گیا ہے۔ دوران مطالعہ یہ ترتیب فطری معلوم ہوتی ہے۔

سید راشد اشرف کی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی سے شائع ہونے والی انگریزی اصطلاحوں اور محاوروں کی جدید صحافتی فرہنگ میں اندراج انگریزی میں جب کہ تفصیل اردو میں لکھی گئی ہے مگر مولف نے اندراج کو اولیت دیتے ہوئے فرہنگ کو بائیں سے دائیں جانب لکھا ہے۔ یہ طریقہ فرہنگ کے بحیثیت قاری مطالعے میں موزوں محسوس نہیں ہوتا۔ خصوصاً مقدمے کا مطالعہ قاری کو ذہنی کشمکش سے

دوچار کرتا ہے۔ ان تکنیکی مسائل کے باعث مقالے کو اردو طرزِ تحریر کے عین مطابق دائیں سے بائیں جانب لکھا گیا ہے۔

فرہنگ کی ضخامت کے پیشِ نظر اندراجات کو پانچ طالبات میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس مقالے میں ہوبسن جوبسن کے ایم تا کیو کے تمام اندراجات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مقررہ مدت میں مقالے کی تکمیل کے پیش نظر فرہنگ کے ایک حصے کو منتخب کیا گیا۔ مقالے کو اندراجات پر ہنری یول کی کی گئی بحث تک محدود کیا گیا ہے۔ اندراجات کے ذیل میں دیے گئے اقتباسات کو مقالے میں حذف کر دیا گیا ہے۔ جس کی ایک بڑی وجہ بعض اقتباسات کا ناقابلِ ترجمہ ہونا تھا۔ مصنف نے بہت قدیم کتب کے حوالے بھی دیے ہیں۔ تمام اقتباسات انگریزی زبان کے نہیں ہیں۔ یونانی، لاطینی، پرتگالی، سنسکرت، فرانسیسی، زبان کے اقتباسات بھی فرہنگ میں من و عن درج کر دیے گئے ہیں۔ جن کا ترجمہ کرنا راقمہ کے لیے ممکن نہ تھا۔ موضوع کا خاکہ تیار کرتے ہوئے ہی یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ صرف انگریزی کے متن کو اردو ترجمہ میں منتقل کیا جائے گا۔ ہنری یول نے ان اقتباسات کے ساتھ ان کے انتہائی مختصر حوالے دیے ہیں۔ بیشتر حوالے ناقابل ترجمہ ہے۔ بعض انگریزی زبان کے اقتباسات اس قدر قدیم ہیں کہ انھیں سمجھنا بھی بہت مشکل تھا۔ ان مشکلات کے علاوہ وقت کی قید بھی ان اقتباسات کو حذف کرنے کی ایک وجہ تھی۔ اس مقالے میں ہنری یول کی لکھی ہوئی بنیادی معلومات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اس بنیادی متن سے لفظ کے معنی، تشریح، ماخذ اور قدامت کے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں۔

فرہنگ کو ایک مخصوص عہد کی لسانی دستاویز خیال کیا جاتا ہے۔ مگر مذکورہ فرہنگ کے تفصیلی بیانات لسانی اہمیت کے ساتھ ساتھ ثقافتی وسیاسی اہمیت کے حامل بھی ہے۔ اینگلو انڈین الفاظ کی یہ فرہنگ برطانوی ہند کی سیاست اور معیشت کا خاکہ بھی پیش کرتی ہے۔ یورپی اقوام نے ہندوستان سے جو تجارتی فوائد حاصل کئے ان پر بھی گواہی دیتی ہے۔ فرہنگ میں ساحلوں، بندرگاہوں اور تجارتی راستوں کے حوالے سے کئی اندراج شامل ہے۔ تقریباً ان سب بندرگاہوں کا ذکر ہوا ہے جن کے راستے یورپی اقوام نے ہندوستان سے تجارت کی۔ مخصوص ساحلوں اور راستوں کے ضمن میں تجارتی اشیا اور ان کی قیمتوں کے متعلق بھی بنیادی معلومات دے دی گئی ہے مثلاً میر وبلن، سلک، مدراس کے رومال، ہندوستانی کڑھائی والے کپڑے ہندوستان کی اہم برآمدات کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایسے بہت سے اندراجات کے ذیل میں دی گئی تفصیل ہندوستان کی تجارتی اہمیت کا پتہ بھی دیتی ہے۔ یورپ کی ہندوستان میں بڑھتی ہوئی تجارتی دلچسپی، ہندوستان کی مخصوص برآمدات اور یورپی بازاروں میں ان کی مانگ میں اضافہ اور ہندوستان کی سرزمین پر بیرون ملک سے آنے والے انگریزوں کی آمد کا سلسلہ ان کے زبان سیکھنے کے تجارتی و معاشی

مفاد کا آئینہ دار ہے۔ بین السطور یورپی اقوام کی ہندوستان میں دلچسپی کے اسباب اور ان کی حکمت عملیوں کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ فرہنگ انیسویں صدی کے ہندوستان کی زبانوں کے ساتھ اس کے ثقافتی و سماجی منظر نامے کی عکاسی بھی ہے۔

فرہنگ ہوبسن جوبسن میں متنوع موضوعات پر معلومات مل جاتی ہے۔ ہندوستان اور یہاں بسنے والے قدیم تہذیبوں کے نقوش بھی قاری کے ذہن میں واضح ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً اور ان کے متعلق بات کرتے ہوئے ہنری یول کسی ایک سکے یا وزن کے باٹ کی قدر مقرر کرتے ہوئے دیگر کئی قدیم وجدید سکوں اور اوزان کا ذکر کر دیتے ہیں۔ عام قاری کی معلومات میں تو اضافہ ہوتا ہی ہے مگر بحیثیت مترجم متن کے ایسے حصوں کے ترجمے کے لیے ان تہذیبوں کے متعلق بھی پڑھا۔ یوں بحیثیت ایم۔ ایس محقق یہ موضوع راقم کے علم میں اضافے کا باعث بھی بنا۔

فرہنگ سے حاصل ہونے والی معلومات، اعداد و شمار تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تہذیب و تمدن، اشخاص، مقامات، مذاہب اور افکار انسانی کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ خصوصاً انیسویں صدی کے منظر نامے کی عکاس ہے۔ یورپیوں کے ہندوستان میں قائم ہونے والے اقتدار اور ہندوستانی تہذیب میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کی داستان بھی سناتی ہے۔ مثلاً فرہنگ میں شامل اندراج مالا بار رائٹس (Malabar Rites) ہندوستان میں آنے والے عیسائی مبلغین کے افکار و خیالات کی تصویر پیش کرتا ہے کہ کیسے مسیحی کلیسا نے ہندوستان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے عیسائیت کو آسان اور پرکشش بنا کر پیش کیا۔ نیز بعد ازاں عیسائیت کی اصل روح کو محفوظ رکھنے کے لیے مختلف عیسائی مبلغین نے اصلاحات کا نفاذ کیا۔ اسی اندراج کے ذیل میں دی گئی تفصیل سے انگریزوں کے ہندوستانی زبانیں سیکھنے کے مذہبی محرک کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

فرہنگ میں شامل معلومات میں ایک بڑا حصہ تاریخی معلومات کا بھی ہے۔ تاریخی شخصیات، تاریخی کتب، واقعات اور جنگوں کا تذکرہ بھی کہیں فرہنگ کے مندرجات کی شکل میں ہوا ہے تو کہیں مندرجات کے ضمن میں لکھی گئی تفصیل نے ان موضوعات کا احاطہ بھی کر لیا ہے۔

فرہنگ کے اندراجات کا متمیز وصف تشریح نگاری ہے۔ ہر اندراج کی قواعد کی روح سے نشاندہی کی گئی ہے۔ اردو زبان کی عمومی لغات کی طرح لفظ کے مترادفات لکھ دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ پوری تحقیق سے لفظ کے ماخذ کے متعلق مختلف ماہرین کی آراء پیش کی گئی ہے۔ لفظ کی موجودہ مستعمل صورت کے ساتھ قدیم استعمالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ پیش کیے گئے ماخذات پر دلائل کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ مگر بعض اندراجات تشریح طلب رہ جاتے ہیں۔ ہنری یول نے کچھ اندراجات پر تفصیلی بحث کی ہے مگر بعض جگہ غیر ضروری اختصار سے کام لیا ہے۔ ایسے

اندراجات کی تفہیم میں تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔ بعض اندراجات کی تفصیل میں معلومات کی کثرت نظر آتی ہے۔ معلومات کی غیر مربوط کثرت کے باعث یہ احساس غالب ہونے لگتا ہے کہ مصنف نے تمام دستیاب معلومات کو متن کا حصہ بنا دیا ہے۔ ایسے میں مختلف اور متنازعہ افکار بھی تحریر کا حصہ بنا دیے گئے ہیں۔ بعض انتہائی مفصل اندراجات میں غیر ضروری حد تک طویل آراء تو نقل کر دی گئی ہے مگر ان آراء میں سے حتمی طور پر کسی ایک خیال کی حمایت نہیں کی۔ اسی طرح کچھ مقامات پر بے ربط نکات اور دلائل بھی نظر آتے ہیں۔ کچھ تفصیلی مباحث میں غیر متعلقہ مواد بھی نظر آتا ہے۔ جس کا اصل متن سے کسی طور پر کوئی ربط نہیں بن پاتا۔ ترجمہ شدہ متن سے قاری کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ عبارت کو مترجم نے بے ربط کر دیا ہے مگر یہ صفت فرہنگ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ فرہنگ ہوبسن جوبسن میں موجود ادھورے جملے، سوالیہ جملے مصنف کی ذہنی کشمکش کو ظاہر کرتے نظر آتے ہیں۔ اندراجات کی تصدیق یا تردید کے لیے نقل کیے گئے ماہرین اور ان کی آراء قابلِ تعریف ہے۔

فرہنگ میں الفاظ کی مختلف زبانوں میں منتقلی یا ایک ہی زبان میں تبدیلی معنی کے سفر کو احسن انداز میں تحریر کیا ہے۔ ہنری یول نے پوری کوشش کی ہے کہ مندرجہ لفظ کی جن بھی زبانوں میں مماثل شکلیں دستیاب ہو انھیں متن کا حصہ بنایا جائے۔ فرہنگ میں علاقوں کے فرق اور زمانے کے فرق سے آنے والی تبدیلیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ تلفظ اور معانی میں آنے والی تبدیلیوں کی الگ الگ وضاحت کی گئی ہے۔ بعض اوقات کوئی لفظ ایک ہی معنی اور تلفظ کے ساتھ باقی زبانوں اور آنے والے زمانوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ دوسری جانب کچھ الفاظ تلفظ اور شکل کی تبدیلی کے بغیر مگر تبدیل شدہ معنی میں مختلف زبانوں یا علاقوں میں مستعمل ہو جاتے ہیں۔ یوں بعض الفاظ ایک ہی معنی کے ساتھ منتقل ہو جاتے ہیں۔ یوں بعض اوقات ایک ہی معنی کے ساتھ منتقل ہونے والے الفاظ کے تلفظ میں جزوی تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ فرہنگ ہوبسن جوبسن الفاظ کا اسی نوعیت کا لسانی جائزہ پیش کرتی ہے۔

عموماً گلکرسٹ کی لغت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عوام کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اس نے ناشائستہ الفاظ استعمال کیے ہیں اور انگریزوں کو عوام سے رابطے کے لیے تحقیر آمیز لہجے کی ہدایات کی ہے۔ دیکھا جائے تو یہ سوچ مجموعی طور پر سب نوآبادکاروں کی ہوتی ہے۔ نوآبادیاتی تھیوری بھی نوآبادکار کی اسی سوچ و فکر کی نشاندہی کرتی ہے۔ نوآبادکار اپنی برتری کو ثابت کرنے کے لیے نوآبادیاتی باشندوں کو ان کی کم علمی اور بدتہذیبی کا احساس دلاتا ہے۔ خود کو مہذب اور ترقی یافتہ قوم کا نمائندہ ثابت کرتا ہے۔ یوں نوآبادیاتی باشندہ طبعی کے ساتھ ذہنی غلامی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔

اس فرہنگ کے کچھ اندراجات کے بیان میں بھی ہنری یول کے لہجے میں نسلی تفاخر کی جھلک نظر آتی ہے۔ گو کہ مصنف یہاں گلکرسٹ کی طرح براہِ راست ہندوستانیوں کی عزتِ نفس پر حملہ نہیں کرتا مگر بین السطور احساس تفاخر نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً لفظ پرایا (Pariah) جنوبی ہندوستان کی نچلی ذات کا نام ہے۔ مصنف نے پرایا ڈاگ (Pariah Dog) کی اصطلاح بھی پیش کی ہے۔ یورپی نچلے درجے کے کتوں کو حقارت سے یہ نام دیتے تھے۔ ذات کے لیے مختص نام کو کتوں کو دیے جانے سے انگریز نو آبادکاروں کی متعصب سوچ کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسری جانب عہد برطانیہ میں اعزازی لفظ نجیب (Nujeeb) حکومتِ برطانیہ کی وفادار فوج کو دیا جاتا تھا جو رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کرتی تھی۔ انگریزوں کے اس رویے کا مطالعہ فرہنگ کے مختلف مندرجات میں کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً جہاں ہنری یول نے ہندوستان میں تعینات برطانوی افسران کو نقل کیا وہاں عوام سے ان کا اندازِ خطاب، ان کی مخصوص سوچ کا غماز دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً اسے نان ریگولیشن اور پِگ سٹیکنگ کے ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مجموعی طور پر فرہنگ کا مضبوط لسانی و تحقیقی پہلو ہی اس کی اہمیت کا باعث ہے مگر تاریخی اور سماجی معلومات نے ان لسانی مباحث میں جان ڈال دی ہے اور اسے ایک خشک فرہنگ کی بجائے دلچسپ کتاب بنا دیا ہے۔ جس کا مطالعہ قاری پر بار نہیں گزرتا۔ نقل حرفی اور جابجا مختلف غیر واضح مخففات کے استعمال سے متن کے مطالعے میں رکاوٹ بھی آتی ہے۔ راقمہ نے ان مخففات کی تلاش کر کے ترجمہ شدہ متن میں اصل لفظ لکھا ہے۔ پوری محنت اور کوشش کے باوجود بھی کچھ مخففات کے جاننے میں ناکام رہی ہے مثلاً N.O، Sea-Hind۔ نقل حرفی کے اٹل قوانین نہ ہونے کے باعث املا اور تلفظ بھی بعض اوقات متنازعہ ہو جاتے ہیں۔ فرہنگ کے ان مسائل کو مقدمے میں آگے جا کر ترجمے کے مسائل میں تفصیل سے دیکھا جائے گا۔

بلاشبہ فرہنگ ہوبسن جوبسن کا امتیازی وصف علم اشتقاق کا حامل ہونا ہے۔ جتنی تفصیل اور دلیل سے ماخذات پر اس فرہنگ میں بحث ملتی ہے اتنی کسی اور مستشرق کے ہاں نہیں ملتی۔ ہنری یول کا اندازِ تحریر اور اینگلو انڈین الفاظ و محاورات کے بیان کا طریقہ کافی حد تک مختلف ہے۔ ہنری یول ہر اندراج کو ایک تحقیقی مضمون تصور کرتے ہوئے اسناد کے حوالوں کو بھی اہمیت دیتے ہیں اور ماہرین کی طرف بھی دیکھتے ہیں۔ یہی پہلو فرہنگ کو معتبر بناتا ہے۔

لفظ ترجمہ کے لغوی معنی "پار لے جانے" کے ہیں۔ ترجمہ ایک زبان کے متن کی دوسری زبان میں منتقلی کا نام ہے۔ ۴۴؎ اگر پوری توجہ دوسری بات پر مرکوز کر دی جائے تو ترجمہ ایک لسانی عمل کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

لیکن جب ترجمے کے عمل کا تجزیہ کیا جائے تو ایک تخلیقی اور سائنسی عمل کی صورت میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ترجمے کی ضرورت نوع انسانی کی تاریخ کے اولین ادوار ہی سے محسوس ہونے لگی تھی۔ چنانچہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں ضرورت کے پیش نظر تراجم کیے جاتے رہے ہیں۔ ہر زبان نے اپنے ذخیرہ علوم میں قدیم زبانوں کے تراجم سے اضافہ کیا ہے۔ کم ترقی یافتہ اقوام نے ترقی یافتہ اقوام کی کتب کے تراجم سے اپنی ترقی کی رفتار کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ تراجم اقوام کی مجموعی ضروریات کی پیش نظر رکھ کر کیے جاتے ہیں۔ دنیا میں ہر انسان اپنی زندگی کے معاملات میں دوسرے انسانوں کا مرہون منت ہے۔ بالکل اسی طرح آگے بڑھنے کے لیے اقوام بھی دوسری اقوام کو طرف دیکھتی ہے۔ یوں جب کوئی قوم کسی خاص قوم سے روابط کی خواہش رکھتی ہے تو نتیجے میں تراجم کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ یہ روابط مذہبی، علمی، ادبی، اور بعض اوقات معاشی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں۔ انسان کی ان گنت ضروریات کی تکمیل کے لیے تراجم کی اہمیت مسلم ہے۔ سب ہی اقوام ترجمہ کی اہمیت سے واقف ہیں۔ ہر شعبہ علم سے تعلق رکھنے والے افراد باخوبی آگاہ ہے کہ ان کے شعبہ نے تراجم کی بدولت کتنی ترقی کی ہے۔ ترجمے کی اہمیت اب دور حاضر میں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ البتہ مترجم اب بھی اس حیثیت سے محروم ہے جس کا وہ حقدار ہے۔

تاریخ عالم انسانی گواہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام کے علوم وفنون سے استفادے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ یہ استفادہ اکثر وبیشتر ترجمے ہی کے توسط سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یوں خاص علمی مقاصد کی تکمیل کے لیے کیے جانے والے تراجم زبانوں کی زندگی میں اضافہ کا باعث بھی بنتے ہیں کیونکہ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہوتا ہے۔ ترجمے کے توسط سے اسے نئے نئے اظہار، الفاظ اور سانچے میسر آتے ہیں۔ تراجم دو مختلف تہذیبوں کے درمیان فاصلے کم کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خیالات اور رسم ورواج سے ناواقفیت دراصل فاصلے بڑھاتی ہے۔ تراجم ہمیں اجنبی اقوام سے متعارف کرواکر ان فاصلوں کو پاٹنے کا کام کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ اقوام کے زوال سے قبل یا زوال کے بعد ان کے علوم کے کیے گئے تراجم انسانی ترقی کا پہیہ رکنے نہیں دیتے۔ تراجم کی کثیر تعداد مذہبی مقاصد کی تکمیل کے لیے بھی کی جاتی رہی ہے۔

متن کی نوعیت کے اعتبار سے تراجم کی چار اقسام ہیں۔

۱۔ علمی متون کے تراجم

۲۔ ادبی متون کے تراجم

۳۔ صحافتی متون کے تراجم

۴۔ مذہبی متون کے تراجم

طریق کار کی سطح پر ترجمے کی تین بنیادی اقسام ہے۔

۱۔ لفظی ترجمہ

۲۔ آزاد ترجمہ

۳۔ معتدل ترجمہ

ماہرینِ ترجمہ ان تین بنیادی طریقوں میں کچھ ردوبدل کر کے یا متن کی نوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھیں مختلف متون کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے نیز ان ہی طریقہ کار کو موثر بنانے کے لیے تجاویز اور سفارشات بھی پیش کی ہیں۔ ماہرین تراجم نے ترجمے کے حوالے سے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ مختلف طریقہ ہائے تراجم کی قباحتوں پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور مسائل سے نبٹنے کے لیے مفید تجاویز پیش کیں ہیں۔

علمی ترجمے کے حوالے سے بھی ماہرین کی رائے میں اختلاف ہے۔ کچھ ماہرین علمی ترجمے کو لفظی ترجمے اور کچھ ماہرین علمی ترجمے کے لیے آزاد ترجمے کا طریقہ تجویز کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین نے اس بحث کو سمیٹنے کے لیے ایک کنجی مہیا کر دی ہے۔ انھوں نے علوم کو مزید تین اقسام میں بانٹ دیا ہے۔

۱۔ قدرتی علوم (مثلاً طبعی و حیاتیاتی علوم)

۲۔ سماجی علوم (تاریخ، اقتصادیات، سیاسیات، لسانیات، جغرافیہ)

۳۔ انسانی علوم (فلسفہ، ادبیات اور فنون لطیفہ) ۴۵

علوم کے فرق سے ترجمہ کے طریقہ میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس مقالے میں علم لسانیات سے متعلقہ کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ترجمے کے لیے معتدل طریقہ ترجمہ اختیار کیا گیا ہے مگر کسی بھی متن میں کلی طور پر کسی ایک طریق ترجمہ پر کاربند رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ جملوں کی بنت اور بعض اوقات متن کا موضوع مترجم کے طریق ترجمہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ طریق ترجمہ کی تبدیلی مترجم کی تخلیقی صلاحیتوں کا پتہ دیتی ہے۔ ترجمے کے حوالے سے یہ بات سمجھ لینا لازم ہے کہ علم و ادب، جذبہ واحساس، تہذیب و تمدن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا یہ عمل محض لسانی عمل نہیں ہے۔ خیالات، احساسات، جذبات معلومات کی ایک لسانی پیکر کو ترک کر کے دوسرے لسانی پیکر میں سماتے ہیں تو ایسا تخلیقی عمل ہی کے ذریعے ہو پاتا ہے۔ یہ محض لفظوں کی دوسری زبان کے لفظوں میں منتقلی نہیں ہے۔ ہر لفظ روح رکھتا ہے۔ مترجم کو یہ روح بھی ساتھ منتقل کرنی ہوتی ہے۔ اگر ترجمہ محض لفظوں کی تبدیلی سے عبارت ہوتا تو بجا طور پر لسانی تبدیلی کہہ دینا کافی ہوتا۔ نیز مشینی ترجمہ بھی بہت پہلے مترجم کی جگہ لے چکا ہوتا۔ مگر ترجمہ بے روح عمل نہیں ہے۔ یہ مترجم سے زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ تخلیقی صلاحیت کا بھی متقاضی

ہوتا ہے۔ مصنف کہیں شاعرانہ انداز اپناتا ہے تو کہیں بیانیہ فقرے لکھتا ہے۔ کہیں بامحاورہ گفتگو نظر آتی ہے تو کہیں روزمرہ کا استعمال۔ استعاروں اور کنایوں کی متن میں موجودگی الگ ہی رنگ دکھاتی ہے۔ ان مختلف اسلوب کے رنگوں سے نپٹنے کے لیے مترجم کی تخلیقی صلاحیت ہی کام آتی ہے۔ اور وہ ہی یہ طے کرتی ہے کہ ترجمہ لفظی بامحاورہ یا آزاد ہوگا۔ سیاسی نظریات کے حامی یوجین ہنڈا(۱۹۱۴ء۔۲۰۱۱ء) کی مساوی اثر پزیری کا نظریہ کام آئے گا یا پیٹر نیومارک(۱۹۱۶ء۔۲۰۱۶ء) کا طریق ترجمہ راستہ دکھائے گا۔

مقالے میں دوران ترجمہ متن کے موضوع اور مفہوم کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے مگر اسلوب کو یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا۔ الفاظ اور خیال کی ترسیل میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو زبان کے مزاج اور ثقافت کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مفہوم کو اولیت دیتے ہوئے معتدل ترجمہ کیا ہے۔ اس فرہنگ میں ہر اندراج دوسرے سے مختلف ہے اس لیے موضوعاتی تنوع بہ کثرت موجود ہے۔ اس تنوع کے باعث ترجمے کا طریقہ بھی بدلتا رہا ہے۔ موضوع اور مصنف کے اسلوب نے ترجمے کو متاثر کیا ہے۔

جہاں مصنف نے انتہائی مختصر انداز اپناتے ہوئے چند لفظوں میں لفظ کے تبدیلی وطن کا قصہ لکھا ہے۔ وہاں اختصار، ابہام کو راہ دیتا نظر آتا ہے۔ اگر مصنف کے اختصاری انداز کو ترجمہ کر دیا جاتا تو احتمال تھا کہ مفہوم کی ترسیل نہ ہو پاتی۔ ایسے میں کینفورڈ کے اصولوں میں سے ایک کو استعمال کیا گیا ہے۔ گو کہ ترجمے کے سیاقی نظریات کے بعد بے سیاقی نظریات کی اہمیت بہت گھٹ گئی ہے مگر کینفورڈ کا انتقال ترجمہ کا تصور بدستور متراجم کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔ کینفورڈ کے دیے گئے اصولوں کی روشنی میں مصنف کے لفظوں پر مشتمل مختصر انداز اظہار کو فقروں میں منتقل کیا ہے۔ یہ وضاحتی انداز مبہم اور غیر واضح عبارت کو قابل فہم بنانے کی کوشش میں اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن حتی الامکان یہ خیال بھی رکھا گیا ہے کہ وضاحتوسیع کے زمرے میں شامل نہ ہونے پائے۔

ترجمے میں صرف لفظی اور معنوی ترکیب کو ہی مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ ترجمے کے سیاقی نظریات سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اصل متن کی ثقافت اور زبان کے محاوروں کو خاص اہمیت دی ہے۔ ہدفی متن میں منتقل کرتے ہوئے مفہوم کو اولیت دی ہے۔ ایک عرصہ تک عموماً علمی متون کا ترجمہ لفظ بہ لفظ کیا جاتا رہا ہے۔ مگر لفظی ترجمہ بعض اوقات متن کے اصل مفہوم پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ نیز مفہوم کے ساتھ ساتھ اسلوب کی بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ہدفی متن کے قاری کے لیے ترجمہ شدہ متن سے مفہوم کو سمجھنا ممکن نہیں رہتا۔ اور اگر صرف مصنف کے اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے سطر بہ سطر ترجمہ کیا جائے۔ اور مفہوم کو ثانوی حیثیت دے دی جائے تب بھی ہدفی متن سے ضروری روانی غائب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ہوبسن جوبسن کے ترجمے میں مفہوم کو اسلوب پر قربان نہیں کیا گیا۔ ثقافتی حوالے اور محاورے مخصوص مفہوم کے حامل ہوتے ہیں پوری کوشش کی ہے کہ ان محاوروں اور ثقافتی حوالوں کے اصل مفہوم کو ہدفی متن میں منتقل کیا جائے۔

مگر جہاں ترجمہ شدہ متن میں مفہوم کی ترسیل کو ناکافی سمجھا گیا ہے۔ وہاں نیڈا کے ہیتی مساوات کے طریقہ سے ایک بنیادی نکتہ لیا ہے۔ نیڈا ترجمے میں قوسین یافٹ نوٹس وغیرہ میں ایسے الفاظ وواقعات کی تشریح پر زور دیا ہے جو ماخذ زبان سے مخصوص ہو اور بغیر وضاحت کے ان کا سمجھنا ہدفی قارئین کے لیے ممکن نہ ہو۔ ۴۶؎

ڈاکٹر فاخرہ کورین نے بھی ہدفی متن میں حواشی وتعلیقات کی تجویز کو سراہا ہے اور شاہد حمید کے گئے ترجمے کی مثال بھی دی ہے۔ جنگ اور امن کے ترجمے میں انھوں نے مصنف اور متن کے تعارف کے علاوہ اہم کرداروں کے نام، تلفظ، اہم الفاظ اور اصلاحات وغیرہ کی ضمیمہ میں وضاحت کر کے متن کی تفہیم کو مکمل کیا ہے۔ ۴۷؎ اس مقالے میں بھی اس تکنیک کو برتا گیا ہے۔ حواشی کی مدد سے ہدفی متن کے مفہوم کی ترسیل کو موثر بنایا گیا ہے۔ نیز زیادہ تفصیلی معلومات کو تعلیقات کا حصہ بنایا گیا ہے۔ خصوصاً ہوبسن جوبسن کے متن میں تاریخی حوالے دیے گئے ہیں جو تشریح کے متقاضی ہیں کوشش کی گئی ہے کہ حواشی اور تعلیقات میں ایسے تمام حوالوں سے متعلقہ ضروری معلومات لکھ دی جائے۔

نیڈا نے حرکی مساوات کے نظریے میں ہدفی متن کی الگ حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ اور کامیاب ترجمہ شدہ متن کے لیے چار خصوصیات کا حامل ہونا لازم قرار دیا ہے۔

۱۔ قابل فہم ہو
۲۔ اصل متن کی روح اور انداز کا مکمل ترجمان ہو
۳۔ فطری اور آسان فہم محسوس ہو
۴۔ اصل متن جیسا تاثر قائم کرے

اگر کسی ترجمہ شدہ متن میں یہ چاروں لوازم موجود ہوں تو وہ مساوی اثر پزیری کا حامل تصور کیا جاسکتا ہے۔ ۴۸؎ نیڈا کی مساوی اثر پزیری کا خیال بظاہر خوش کن محسوس ہوتا ہے مگر عملی طور پر ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ ایک ہی خیال اگر دو مختلف مصنف ایک ہی زبان میں پیش کرے۔ دونوں کا تعلق ایک ہی ثقافت سے ہو یہاں تک ایک ہی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہو تب بھی ایسا ممکن نہیں کہ دونوں کی لکھی ہوئی تحریر قاری پر ایک سا تاثر قائم کرے۔

ترجمے میں یہ مشکل دوگنی ہو جاتی ہے کیونکہ ایک زبان کا خیال دوسری زبان میں منتقل ہو رہا ہوتا ہے۔ لاشعوری طور پر مترجم خیال کے ساتھ مصنف کے اسلوب سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ جس خیال کو وہ منتقل کر رہا ہوتا ہے۔ اسے پہلے وہ مصنف کے بتائے ہوئے کاسئہ میں سمٹا ہوا دیکھ چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ ترجمے کے تخلیقی عمل کو مصنف کی لاشعوری کارکردگی بھی متاثر کرتی ہے۔ تو دوسری جانب ایک زبان کے ذخیرہ الفاظ میں سے دوسری زبان کا متبادل لفظ تلاش کرنا جو قاری پر مساوی اثر پیدا کرے ایک محنت طلب کام ہے۔ مساوی اثر کے لیے مساوی اثر کے حامل لفظ کا حصول ناگریز ہے۔ ن۔م۔راشد نے ڈاکٹر سعادت سعید کو ترجمہ کرنے کے حوالے سے دیے جانے والے انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ترجمہ کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اب تک شاید کسی زبان میں ایسی ڈکشنری مرتب نہیں کی گئی جو الفاظ کے مترادفات کے علاوہ ان کے معانی کے تمام سایوں، یعنی نہایت جزوی اختلافات پر بھی حاوی ہو۔ ۴۹؎ بلاشبہ لغات مترجم کا ہتھیار ہے مگر حقیقتاً یہ ہمیشہ موزوں لفظ فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی دوران ترجمہ لفظ کے معانی کے ساتھ معانی کے معانی کی اہمیت خوب واضح ہوتی ہے۔ موزوں لفظ کے انتخاب میں ایک مسئلہ اور بھی درپیش ہے ضروری نہیں کہ ایک مترجم کے نزدیک جو لفظ موزوں ہو دوسرے کے نزدیک بھی وہی موزوں ہو یا قاری اور ترجمے کا تجزیہ نگار بھی اسی لفظ کو موزوں خیال کرے۔ موزوں لفظ کا انتخاب مشکل ہے مگر اس پر اتفاق رائے ہونا شاید ناممکن ہے۔

نیڈا کی زندگی کی طرف دیکھنے سے ان کا نظریہ باخوبی سمجھ میں آتا ہے۔ نیڈا نے لسانیات میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد امریکن بائبل سوسائٹی میں ملازمت کی۔ یہاں کئی سال تک وہ بائبل کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہا۔ بائبل کے ترجمے پر تحقیق کا آغاز بھینیڈا نے کیا۔ ۵۰؎

دراصلنیڈا کے پیش نظر مذہبی تراجمے رہے۔ مذہبی تراجم میں ترسیل معنی سے زیادہ بڑا مقصد مذہب کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔ بلاشبہ الہامی کتب کے متون دلوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نیڈا نے بائبل کے تراجم میں اثر پزیری کا نظریہ اشاعت و ترویج کے مقصد ہی سے پیش کیا ہوگا۔

ترجمے کے ماہرین نے بعد میں مساوی اثر پزیدی کے نظریے کا انکار کیا۔ راقمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ ترجمہ شدہ متن سے مساوی اثر کا حصول ممکن نہیں ہے۔ البتہ مصنف کے انداز تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے کسی حد تک اصل متن کی روح کو ہدفی متن میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ مقالے میں کیے گئے ترجمے میں بھی تاثر کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنی رائے کے اثبات کے لیے اور بعض اوقات کسی دوسرے ماہر لسانیات کی تردید کے لیے بہت سی شخصیات کی آراء نقل کی ہے۔ اکثر جگہ ماہرین کی رائے نقل کرتے ہوئے ان کے ناموں کے ساتھ

تعارفی و تعریفی لفظ لکھے ہیں۔ جیسے باوقار، باعزت، صاحب فراست اور نکتہ سنج وغیرہ۔ دوران ترجمہ ان تمام تکریمی الفاظ کا بھی موزوں ترجمہ کیا گیا ہے گو کہ ان خطابات والقابات کا تعلق مفہوم سے ہرگز نظر نہیں آتا مگر تاثر کی منتقلی میں یہ اہم کردار نبھاتے ہیں۔ دراصل مساوی اثر پزیری کا تعلق سیاقی نظریات ترجمہ سے ہے۔ یوں علم ترجمہ میں نیڈا کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ترجمے کے مباحث کو لفظی اور آزاد کے مجرد تصورات سے آزاد کرا کے ترجمے کے لسانی سے زیادہ ثقافتی مسائل کی طرف رہنمائی کروائی اور ان کے تدارک کے لیے تجاویز پیش کی مگر ثقافتوں کا مطالعہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ثقافتی فرق مٹایا نہیں جاسکتا۔ اگر مترجم اصل متن کی ثقافت سے مکمل آگاہی حاصل کر بھی لے تو یہ ممکن نہیں کہ اپنی زبان سے متبادل الفاظ بھی پیش کر سکے اور پھر ہدفی متن کا قاری بھی اصل متن کے قاری سے کہیں دور کسی اور ثقافت کا باشندہ ہوتا ہے۔ ان دونوں کے سوچنے، سمجھنے اور تاثر حاصل کرنے میں واضح فرق ہوتا ہے۔ ہوبسن جوبسن کے ترجمے میں بھی ثقافتی فرق کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ اجنبی تہذیبوں، قبیلوں کے رسم و رواج کو موزوں الفاظ میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی نیز ان اجنبی تہذیبوں کے اصل خواص حاشیے اور تعلیقات کی مدد سے ہدفی متن کے قاری تک پہنچائے گئے ہیں۔ یوں ہدفی متن اور اصل متن میں اثری مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پیٹر نیومارک (۱۹۱۶ء۔۲۰۱۱) نے ترجمے کے موضوع پر کئی کتب لکھی۔ پیٹر نیومارک نے نیڈا کے مساوی اثر کے نظریے کا انکار کیا ہے اور ترجمے کے لیے دو طریقے تجویز کیے ہیں۔ معنوی ترجمہ اور ابلاغی ترجمہ۔ معنوی ترجمے کو لفظی ترجمہ تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس قسم کے ترجمے میں اصل متن اور مصنف کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ ابلاغی ترجمے میں ہدفی متن کو اولیت دی جاتی ہے۔ اس میں ہدفی متن کے قارئین کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کو اولیت دی جاتی ہے۔ اس میں ہدفی متن کے قارئین کو پیش نظر رکھتے ہوئے متن کو قابل فہم اور کسی حد تک فطری بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہوبسن جوبسن لسانی مباحث کی حامل کتاب لفظی ترجمے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ لفظی ترجمہ اصل متن کے الفاظ کے لغوی معانی کو ترجمہ شدہ متن میں منتقل کر سکتا ہے مگر مجازی معانی کی ترسیل سے قاصر رہتا ہے۔ جمیل جالبی نے لفظی ترجمے کو مکھی پہ مکھی مارنے کے مترادف کہا ہے۔[۵۱]

ابلاغی ترجمے میں مترجم اصل متن کو پڑھ کر اس کے مفہوم کو جذب کرتا ہے اور پھر قارئین کی صلاحیتوں کے پیش نظر اس مفہوم کو ہدفی زبان میں منتقل کر دیتا ہے۔ اس مفہوم کے ترجمے میں تاثر کے ترجمے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دراصل پیٹر نیومارک نے نیڈا نے مساوی اثر کے نظریے کا انکار تو کیا ہے مگر کہا ہے کہ اسے مکمل طور پر تو منتقل نہیں کیا جا سکتا لیکن ممکنہ حد تک منتقل کیا جانا چاہیے۔ اس طریق ترجمہ کو علمی کتابوں کے لیے مخصوص کیا ہے۔

ہوبسن جوبسن کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی اس طریق ترجمہ سے کیا گیا۔ ہنری یول بعض جگہ پر سنجیدہ بحث کرتے ہوئے انتہائی پیچیدہ اسلوب اختیار کر لیتے ہیں۔ ماہرین کی آراء کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات بھی تحریر کرتے جاتے ہیں جو متن کی روانی کو متاثر کرتے ہیں نیز مفہوم سمجھنے میں بھی دقت پیش آنے لگتی ہے۔ ان حصوں کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ اندیشہ تھا کہ ہدفی متن اصل متن سے بھی زیادہ گنجلک ہو جائے گا۔ ایسے حصوں پر ابلاغی ترجمے کے طریقے کو اپنایا گیا ہے۔ اور صاف و سادہ زبان میں مفہوم کو منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

مجموعی طور پر اس مقالے میں کیے گئے ترجمے میں معتدل طریق ترجمہ اختیار کیا گیا ہے۔ الفاظ اور خیال میں توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ لغوی معنی کے ساتھ ساتھ مجازی معنی پر بھی نظر رکھ کر مفہوم کو اصل متن سے ہدفی متن میں منتقل کیا گیا ہے۔ اردو زبان کے مزاج اور جملے کی ساخت کو برقرار رکھتے ہوئے مصنف کے اسلوب اور انداز تحریر کو بھی کسی حد تک منتقل کیا گیا ہے۔ اردو زبان کے ذخیرہ الفاظ کو کھنگالتے ہوئے اصل متن کے الفاظ کے لیے اپنی دانست کے مطابق موزوں الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ موزوں الفاظ کی تلاش کے لیے لغات اور اصلاحات کی فرہنگوں سے مدد حاصل کی ہے۔ ترجمے کے جدید نظریات کے مطالعے سے اصول وضع کرکے دوران ترجمہ انھیں برتا ہے۔ راقم کی رائے میں کسی بھی ترجمے میں شاید کوئی ایک طریقہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کتاب میں مختلف موضوعات ہوتے ہیں۔ مصنف مختلف انداز سے ان پر اظہار خیال کرتا ہے نیز اسلوب بھی بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے مترجم کی تخلیقی صلاحیت کو یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ کس حصے کا موثر ترجمہ کس طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ دوران ترجمہ اسی نکتے کو پیش نظر رکھ کر مختلف ماہرین ترجمہ کے نظریات سے استفادہ کرتے ہوئے ہوبسن جوبسن کا تخلیقی ترجمہ پیش کیا ہے۔

ہوبسن جوبسن کے ترجمے کے دوران پیش آنے والے مسائل:

ا۔ ہوبسن جوبسن اینگلو انڈین الفاظ و محاورات کی فرہنگ ہے۔ اینگلو انڈین زبان ہندوستان کی زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ ہندوستان کی زبانوں میں پرتگالی، ولندیزی، عربی، فارسی، زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ اس فرہنگ میں بھی ان سب زبانوں کے الفاظ ہیں نیز ہندوستان کی مختلف زبانیں، تلگو، مراٹھی، ملیالم، دکنیکے الفاظ بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر سب زبانوں کے الفاظ کو رومن رسم الخط میں لکھا گیا ہے مگر چونکہ انگریزی زبان ان سب کے متنوع تلفظ کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ اس لیے نقل حرفی (Translitration) کا سہارہ لیا گیا ہے۔ مصنف نے نقل حرفی کی علامتوں سے پورا تلفظ ادا کرکے خود کو مطمئن کر لیا ہے مگر چونکہ استعمال کی گئی نقل حرفی کا کوئی جدول یا فہرست فرہنگ کے مقدمے یا اختتام پر نہیں دی گئی اس لیے ان علامتوں سے تلفظ سمجھنا ناممکن تھا۔ تلفظ کو جانے بغیر

الفاظ کی املا کا تعین نہیں ہو سکتا تھا۔ مقدمے میں ہنری یول نے بس اتنا لکھا ہے۔ جان شیکسپئر کی نقل حرفی کی پابندی کی گئی ہے۔ اس لیے شیکسپئر کی لغت تلاش کی جس کے مقدمے میں یہ جدول موجود ہے مگر مقدمے میں ہنری یول نے ک، خ، ر، ڑ، ٹ، ط، ت، س، ض، ش کی آوازوں کے متعلق مختصر وضاحت کی ہے مگر یہ وضاحت ناکافی ہے۔ مختلف زبانوں کے الفاظ کا تلفظ جاننا اور املاء کا تعین کرنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ فرہنگ کے مطالعے کے دوران اندازہ ہوا کہ نقل حرفی کے قوانین اٹل نہ تھے۔ مثلاً عربی لفظ البطیخ میں "ط" کو ڈبل ٹی جن کے نیچے نقطے لگے ہوں سے ظاہر کیا ہے۔Albattekh ۔ اس لفظ کو دیکھ کر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ tt دراصل "ط" کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر آگے جا کر لفظ نایط کو "nait " لکھا ہے۔ یعنی اس جگہ ط کو دو لفظوں والے ایک ٹی سے ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح "ا" اور "آ" میں بھی کوئی واضح فرق نظر نہیں آتا۔ "س" اور "ص" میں بھی کوئی تمیز قائم نہیں کی گئی۔ پلیٹس، فیلن، فاربس، شیکسپئر، ولسن کی لغات کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ اندراج کو رومن کے ساتھ اردو ٹائپ میں بھی لکھا گیا ہے۔ بعض جگہ تفصیل میں دیے گئے ہندوستانی الفاظ کو بھی اردو ٹائپ میں نہیں دیا گیا یہاں تک کہ اندراج پر نقل حرفی کی علامتیں بھی وضاحت کے لیے نہیں ڈالی گئی۔ البتہ اشتقاق پر بحث کرتے ہوئے یا لفظ کی مختلف صورتیں پیش کرتے ہوئے یہ علامتیں استعمال کی گئی ہے۔ ان تمام وجوہات کے باعث املا کے تعین بہت مشکل پیش آتی رہی۔ اکثر ایک لفظ کی املاء کو جاننے کے لیے کئی لغات دیکھنا پڑی۔ جن زبانوں کی لغات سیر نہ تھی، انٹرنیٹ کی مدد سے ان زبانوں میں بنائی گئی ویڈیو دیکھی اور تلفظ کو سمجھا۔ تلفظ کی بنیاد پر ہی املا کا تعین کیا ہے۔ ہر زبان کے صوتی اختلافات بھی املائی مسائل کا سبب بنتے رہے۔ سنسکرت، پرتگالی، تامل، ملیالم ان کی مخصوص اصوات میں واضح فرق ہے۔ اس لیے ہر لفظ کی زبان کا پتہ لگا کر املاء کا تعین کیا ہے۔

فرہنگ میں ستر سے زائد مخففات استعمال کیے گئے ہیں۔ نقل حرفی کی طرح مخففات کی بھی کوئی فہرست نہیں دی گئی۔ زبانوں کو ظاہر کرنے والے مخففات تو شیکسپئر کی لغت کے مقدمے سے مل جاتے ہیں مگر حرفی اور معنوی مخففات کے اصل لفظ کو جاننا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ مخففات سے لاعلمی کے باعث متن کے درست مفہوم تک پہنچنا مشکل تھا۔ انگریزی لغات کی مدد سے اور انیسویں صدی میں شائع ہونے والی لغات سے اس مشکل کے حل کے لیے مدد لی گئی ہے۔ کچھ مخففات کی تلاش میں بہت وقت صرف ہوا۔ مثلاً Roxb کے متعلق کوئی قیاسی رائے بھی قائم نہ ہو پا رہی تھی۔ کسی بھی لغت میں اس کے کوئی معنی دستیاب نہ تھے۔ لغات میں تلاش کرنے کے بعد یہ احساس غالب آنے لگا کہ کچھ مخففات شاید مختارات کے زمرے میں آتے ہیں کیونکہ یہ مخفف کسی بھی دستیاب کتاب یا لغت میں مل نہ رہا تھا۔ مگر پھر شیکسپئر کی لغت کے ایک اندراج کی وضاحت میں یہ مخفف نظر آیا مگر افسوس کہ شیکپئیر کے

مقدمے میں بھی اس کی وضاحت موجود نہ تھی۔ البتہ یہ اندازہ ضرور ہوا کہ یہ ایک مستعمل مخفف ہے۔ یوں تلاش میں کامیابی کی امید نے پھر سے سر اٹھایا۔ توقعات کے برعکس Roxb کا مخفف لغت کی بجائے سوانح کی کتاب سے ملا۔ Roxb دراصل ڈاکٹر ولیم راکسبرگ (William Roxburgh) کے نام کا مخفف ہے۔ ایسے ہی اور بھی کچھ مخففات کے مفہوم تک پہنچنے کے لیے بڑی محنت اور کوشش کرنا پڑی۔

انگریزی اور اردو زبان کے جملے کی ساخت میں واضح فرق ہے۔ یہ فرہنگ تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی ہے۔ اس لیے اس کا انداز تحریر موجودہ دور کے انداز سے قدرے مختلف ہے۔ غیر ضروری طوالت کے حامل جملے سنجیدہ لسانی مباحث کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ ان طویل جملوں کے مفہوم کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ نیز انھیں ترجمہ کرنا اس سے بھی مشکل ہے۔ خصوصاً جملے کے انداز اور طوالت کو برقرار رکھتے ہوئے مفہوم کو منتقل کرنا نا صرف مشکل نظر آتا ہے۔ بلکہ ہدفی متن کے قاری کے نکتہ نظر سے بھی علمی متون کو طویل جملوں میں منتقل کرنے سے معنوی پہلو کے کمزور پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہنری یول نے ان طویل جملوں کو وقفہ خفیف (کومہ) کے ذریعے آپس میں جوڑا ہے۔ اس ترتیب کو اردو میں من و عن برقرار رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ ماخذ متن کے قاری کی حیثیت سے بھی ان طویل جملوں کو باعتبار معنی گنجلک پایا ہے۔ اس لیے ترجمہ شدہ متن میں مفہوم کو اولیت دیتے ہوئے بعض جگہ بے حد طویل جملوں کو مختصر استفہامیہ جملہ اس انداز سے آجاتا ہے کہ بار بار پڑھنے پر بھی متن سے اس کا ربط قائم نہیں ہو پاتا۔ یہ مختصر استفہامیہ فقرے ہنری یول کے اسلوب کا حصہ ہے۔ دراصل مصنف جب کسی لفظ یہ معاملے کے متعلق ایک سے زیادہ آراء پیش کرتا ہے تو درست رائے پر حتمی خیال پیش کرنے کی بجائے کچھ مبہم سا انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ اس ابہام کا ترجمہ کرنا ایک بڑی مشکل تھا کیونکہ بحیثیت مترجم یہ خیال دامن گیر تھا کہ قاری اس ابہام کو مترجم کا قصور تصور کرے گا۔ ایسے مقامات پر خاص توجہ سے مفہوم کی منتقلی کا کام کیا گیا ہے مگر اصل متن سے وفاداری کے تقاضے پورے کرتے ہوئے متن میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں کیا۔ مفہوم کو واضح کر دیا ہے مگر جہاں مصنف نے دانستہ طور پر ابہام کو جگہ دی ہے وہاں حتمی رائے دینے سے گریز کیا ہے۔ اسلوبیاتی ابہام کو ممکنہ حد تک ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔

فرہنگ میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ چونکہ فرہنگ دیے گئے اندراجات کے اشتقاق پر بحث کرتی ہے تو بعض جگہ انگریزی کے کسی لفظ پر جس انداز میں بحث کی گئی ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے اس ایک لفظ کو اردو زبان میں منتقل کرنے پر ساری بحث بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ موضوع انگریزی زبان ہی کا لفظ ہوتا ہے۔ مثلاً ہنری یول نے مینگو (Mango) کے ممکنہ ماخذات پر طویل بحث مینگو کے تلفظ ہی سے کی ہے۔ مختلف ادوار اور مختلف

زبانوں لفظ مینگو کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کی ہے۔ ایسے میں اگر مینگو کے ترجمے میں "آم" لکھ دیا جائے تو متن کی ساری معنویت کھو جاتی ہے۔ ایسی ہی ایک اور مثال لفظ پر شین (Persian) کی ہے جسے اردو ترجمہ کرتے ہوئے فارسی لکھنے سے ماخذات پر کی جانے والی ساری بحث بے معنی ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، اس نوعیت کے الفاظ کے ترجمے میں اردو متبادل کی بجائے متن کی معنویت کو برقرار رکھنے کے لیے ماخذ زبان کا لفظ ہی لکھ دیا گیا ہے۔

فرہنگ کے اندراجات متنوع موضوعات سے متعلقہ ہے۔ مختلف الفاظ متعارف کرواتے ہوئے مختلف علوم زیر بحث آتے ہیں۔ مخصوص علوم کا ترجمہ کرنے کے لیے ان کا علم ضروری ہوتا ہے۔ کسی ایک سکے کے متعلق بات کرتے ہوئے موازنے کے طور پر کئی سکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر جن سکوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ موجودہ دور میں رائج نہیں ہے۔ مفہوم کی درست منتقلی کے لیے ضروری ہے کہ مترجم ان اوزان کے اعداد و شمار کے متعلق جانتا ہوں۔ اس کے علاوہ مختلف بیماریوں، پودوں کے متعلق سائنسی نوعیت کی معلومات بھی فرہنگ میں شامل ہیں۔ دنیا کے تاریخی واقعات، شہروں اور آتش فشاؤں کے نام بھی اندراجات کا حصہ ہیں۔ ان اندراجات کے ترجمے کے لیے مخصوص علوم سے متعلقہ اصطلاحات کی فرہنگوں کی مدد حاصل کی گئی ہے۔

بن المتنیت ترجمے کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ زوہر (Zohar) کی پولی سسٹم تھیوری (Poly system theory) میں بین المتنیت کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔

بین المتنیت کسی بھی ادبی، فنی، یا سماجی متن میں کسی دوسرے ادبی، فنی یا سماجی متن کی موجودگی یا اس کی موجودگی کا اشارہ ہے۔ گویا کسی کتاب میں دوسری کتاب، میڈیا، یا سماجی کتاب کا حوالہ، کتاب کا عنوان، اقتباس یا محض اس کی طرف اشارہ بین المتنیت کہلائے گا۔ فلم، ڈرامہ سماجی واقعہ اس زبان اور معاشرے کا بھی ہو سکتا ہے اور کسی دوسرے ملک، زبان یا سماج سے بھی لیا جاسکتا ہے۔ ۵۲ کوئی بھی متن دیگر متون سے استفادے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ ہر مصنف اپنے پیش روؤں اور معاصرین کے متون پر اپنے متن کی بنیاد استوار کرتا ہے۔ متن میں یہ استفادہ مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ بین المتنیت کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ افقی یا عمودی بین المتنیت

۲۔ بین یا ترکیبی بین المتنیت ۵۳

افقی یا عمودی بین المتنیت کی متن میں کسی دوسرے متن کی واضح موجودگی ہے۔ مثلاً کوئی کتاب کی تائید یا تردید میں لکھی جائے جیسے مسعود حسن رضوی کی کتاب ہماری شاعری معیار و مسائل مولانا الطاف حسین

خالی کی تصنیف مقدمہ شعر و شاعری کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ ایسے متون واضح طور پر اپنے اندر کسی دوسرے متن کی موجودگی کا پتہ دیتے ہیں۔

متن میں کسی دوسرے متن کے اقوال اور اقتباسات کی موجودگی، ترکیبی یا بین المتنیت کی عملی صورت کہلاتی ہے۔ یہ موجودگی واوین کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور بعض اوقات مصنف کسی متن کے خیال کو اپنے الفاظ میں لکھ کر بھی اپنے متن کا حصہ بنا سکتا ہے۔

بین المتنیت کی یہ دوسری صورت ہوبسن جوبسن کے متن میں موجود ہے۔ بین المتنیت ماخذ کی تفہیم میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ ہدفی متن کے قاری کو متن کے اندر موجود متون سے روشناس کروانے کے لیے مترجم کو ترجمے میں لسانیکے ساتھ تہذیبی مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ متون کی پہچان کے لیے مترجم کو محقق بننا پڑتا ہے۔ ہوبسن جوبسن کے متن کے جابجا دیگر متون کے حوالے ملتے ہیں۔ لفظ کے استعمال کے حوالے سے متعدد کتب سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اشتقاق پر بحث کرتے ہوئے بھی لفظ کی مختلف صورتوں کی موجودگی ثابت کرنے کے لیے بحث کرتے ہوئے بھی لفظ کی مختلف صورتوں کی موجودگی ثابت کرنے کے لیے کئی کتابوں کو حوالہ دیا ہوتا ہے۔ مختلف ماہرین لسانیات کی رائے پیش کی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ اس فرہنگ کا متن دیگر متون سے استفادے کی بہترین مثال ہے۔ اسی لیے بین المتنیت سے پیدا ہونے والے مسائل کا تجربہ باخوبی اس متن سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے مونا بیکر نے پانچ حکمت عملیاں بتائی ہیں۔ ۵۴

۱۔ لغوی ترجمہ

۲۔ ثقافتی متبادل کی فراہمی

۳۔ متن یا حاشیے میں وضاحت

۴۔ تحذیف(Omission) ۵۵

۵۔ اصل زبان کے اظہارات کی ترجمے میں منتقلی

ہوبسن جوبسن کے ترجمے میں یہ پانچوں حکمت عملیاں اختیار کی گئی ہیں۔ کوشش کی ہے کہ جن متون سے استفادہ کیا گیا ہے وہ حاصل ہو جائے مگر تمام متون کا حصول ممکن نہ تھا۔ جیسا کہ ہنری یول نے خود مقدمے میں ان متون کے نایاب ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ راقمہ سے جہاں تک ممکن ہو سکا اصل متون کی دریافت کی ہے۔ اس کوشش میں جاری کلفورڈ وائٹ ورتھ، جان پلیٹس، ڈنکن فاربس، ایچ۔ ایچ ولسن، جان شیکسپیئر اور ایس ڈبلیو فیلن کی لغات تک رسائی حاصل کی ہے۔ ان لغات کے علاوہ ہنری یول نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان میں آئین اکبری

ایک اہم کتاب ہے۔ اس کے اردو ترجمے کے حصول کے بعد بھی مصنف کے استعمال میں آنے والے بلوک مین کے مرتبہ ایڈیشن کی تلاش جاری رکھی۔ خوش قسمتی سے نئی دہلی سے شائع ہونے والا یہ ایڈیشن مل بھی گیا۔ بین المتنیت کے ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے طبقات اکبری، تزک جہانگیری، سفرنامہ ابن بطوطہ ، آرائش محفل، امپیریل گزیٹئر آف انڈیا کے متون بھی حاصل کیے۔ ان بنیادی ماخذات کے علاوہ بھی متعلقہ مواد کی فراہمی کے خیال مخصوص موضوعات پر دستیاب کتب سے استفادہ کیا۔

مونا بیکر کی سب ہی مجوزہ حکمت عملیوں کو بھی برتا گیا ہے۔ استعمال کے حوالے سے دیے گئے اقتباسات کو ترجمے سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اقتباسات کے ساتھ مصنف نے کتابوں کے انتہائی مختصر حوالے درج کیے ہیں جن سے اصل کتاب کے متعلق جاننا ممکن نہ تھا۔ نیز یہ اقتباسات صرف انگریزی زبان سے نہ تھے بلکہ سنسکرت، ترکی، فرانسیسی، یونانی زبان کے اقتباسات بھی موجود تھے اس لیے اقتباسات کو خذف کر دیا گیا ہے۔ البتہ ہنری یول کے لکھے گئے متن میں موجود دیگر متون کے حوالوں کو ترجمہ کیا ہے۔ ان کے ترجمے میں بعض جگہ لفظی ترجمہ، کہیں ثقافتی متبادل کی فراہمی، کہیں متن میں یا حاشیے میں وضاحت اور کہیں اصل زبان کے اظہار ہی کو ترجمے میں منتقل کر دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ یول کے تحریر کردہ متن میں تحذیف کی حکمت عملی اختیار نہ کی جائے مگر جہاں انگریزی کے علاوہ کسی دوسری زبان کے فقرے من و عن نقل کر دیے گئے ہیں وہاں مجبوراً تحذیف ہی کی حکمت عملی اپنانا پڑی ہے نیز جہاں متعدد حوالوں کے باعث سیر حاصل بحث کے بے معنی ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے وہاں بھی کچھ حصوں کو شعوری طور پر حذف کر دیا گیا ہے۔ متن میں دی گئی مختصر وضاحت قوسین میں لکھی گئی ہے تاکہ اصل متن سے جدا ر ہے۔ طویل وضاحتوں کو حواشی اور تعلیقات میں جگہ دی گئی ہیں۔

ہوبسن جوبسن کے انگریزی سے اردو ترجمے میں جن مختلف اور پیچیدہ مسائل کا سامنا رہا ان میں ایک بڑا حصہ لغوی مسائل کا تھا۔ دوران ترجمہ خیالات، احساسات، جذبات، معلومات کی مکمل منتقلی کی جدوجہد میں ایسے الفاظ کے انتخاب کی سعی کی جاتی ہے جو مکمل ابلاغ کا فریضہ انجام دے اور حتی الوسع ہدفی متن کے قاری کو ویسے ہی متاثر کرے جیسے اصل متن کا قاری متن سے اثر حاصل کرتا ہے۔ مترجم کو ایسے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے جو مصنف کے نکتہ نظر کو من و عن بیان کرے نیز تہذیبی پس منظر کو سمیٹتے ہوئے اصل ثقافت کی ترجمانی کرے۔ ہوبسن جوبسن کا ترجمہ کرتے ہوئے کئی قسم کے لغوی مسائل کا سامنا رہا۔

نیڈا نے ترجمے کے عمل کو ماڈل بنا کر واضح کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ الفاظ کے بدلنے سے ہیئت میں جو بدلاؤ واقع ہوتا ہے۔ وہ اصل متن سے ترجمہ شدہ متن کو کافی دور کر دیتا ہے۔ ایک لفظ کے کئی مترادفات میں سے موزوں

کا انتخاب ترجمہ میں اہمیت کا حامل ہے۔ ہر مترادف لفظ کا ایک خاص مقام استعمال ہوتا ہے۔ مترجم کو متن کے مطابق لفظ کے مختلف مترادفات میں سے انتخاب کرنا ہوتا ہے مگر چونکہ ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا جارہا ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ مترجم کو ہر لفظ کے لیے موزوں مترادف دستیاب ہو۔ مرزا حامد بیگ نے مغرب سے نثری تراجم میں ایسی کئی مثالیں دی ہیں۔ ۵۶ حامد بیگ نے کتاب میں صرف ان الفاظ کی مثالیں پیش کی ہیں جن کی تعداد مترادفات میں اردو زبان کا دامن مالامال ہے۔ ایسی کوئی مثال نہیں دی جہاں انگریزی کے ذخیرہ الفاظ کے مقابلے میں اردو کے مترجمین مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب کہ ایسے الفاظ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جہاں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ انگریزی میں ایک شے کے لیے کئی مترادفات مل جاتے ہیں۔

ہوبسن جوبسن کے ترجمے کے دوران ایسے بہت سے الفاظ نے ترجمے کے عمل کو مشکل بنایا مثلاً انگریزی میں Aroma, Perfume, Smell, Fragrance وغیرہ کے الفاظ کے مقابلے میں اردو میں حرف ایک لفظ "بو: ہے۔ اس کے ساتھ خوش اور بد کا سابقہ لگا کر صفت بیان کر دی جاتی ہے۔ خوشبو یا بدبو کی خاصیت بیان کرنے کے لیے باقاعدہ تفصیلی جملہ تحریر کرنا پڑتا ہے۔

لفظ کے معانی اور مترادفات تو مل جاتے ہیں مگر ایسا ہم پلہ لفظ ملنا مشکل ہے جس میں ایک قابل ترجمہ لفظ کے تمام پہلو سمٹ آئے۔ بعض اوقات واضح معنی کے حامل عام مستعمل لفظ کی ترجمانی کے لیے دوسری زبان میں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جو اس کی جگہ لے سکے مثلاً ایسی اشیاء کے ناموں کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت دشوار ہوتا ہے جو ترجمہ کی جانے والی ثقافت میں موجود ہی نہ ہو۔ یعنی ہدفی زبان میں جس شے کا نام ہی موجود نہیں ہے۔ ہدفی متن اس کے معنویت سے بھرپور ذکر سے قاصر رہے گا۔ ہم پلہ الفاظ کی کم یابی کے حوالے سے ڈاکٹر ظ۔ انصاری اپنے مضمون "ترجمے کے بنیادی مسائل" میں رقمطراز ہیں۔

> ایک زبان کے ہم پلہ لفظ دوسری زبان میں بہت کم ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ چھ سات فیصد سے زیادہ نہ ہوتے ہوں۔ وہ بھی اسماء اور افعال میں سینکڑوں الفاظ جو ہم روز مرہ بولتے اور لکھتے ہیں اور جو عام لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اگر غور کیجئے تو ان کے مترادفات لفظ بالکل اسی قدو قامت، اسی مفہوم، اسی کیفیت اور اسی چاشنی کے لفظ انگریزی جیسی وسیع اور مالامال زبان میں نہیں ملیں گے۔ ۵۷

اس کی لغت، ذخیرہ الفاظ کے ساتھ ساتھ اندازِ اظہار سے بھی واقف ہو۔ گو کہ عموماً لغات ک متن میں محاوراتی زبان استعمال نہیں ہوتی مگر ہوبسن جوبسن میں مصنف نے اندراجات سے تفصیلی بحث کرتے ہوئے استعاروں اور محاوروں سے بھی کام لیا ہے جو ادبی اظہار کے وسیلے ہیں۔ متن میں محاوراتی بیان کی شناخت اور ان کا درست ترجمہ خاص توجہ کا متقاضی ہوتا ہے۔ محاوروں اور استعاروں کے لغوی معنی کا ترجمہ کرنے سے ترجمہ شدہ

متن اصل متن سے دور ہو جاتا ہے۔ فرہنگ میں متعدد مقامات محاورے استعمال کیے گئے مثلاً مشک رت ایک جانور ہے جس کی مادہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ

> When the female is in heat she is often seen to be followed by a string of males giving out the odour strongly.۵۸

یہاں "In heat" محاورہ ہے جس کے معنی شدید جنسی ہیجان کی کیفیت میں مبتلا ہونے کے ہیں۔ محاورے کے اصل مفہوم کو جاننے کے بعد باخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگر لغوی معنی پر نظر رکھی جاتی تو پورے متن کا معنی تبدیل ہو جاتا ہے۔ پوری کوشش کی ہے کہ محاوروں اور استعاروں کے معانی سمجھنے کے بعد مفہوم کو ہدفی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ نصیر احمد خاں نے بھی محاوروں کے ترجمے کے لیے یہی تجویز پیش کی ہے کیونکہ اکثر محاوروں کے ترجمے کے لیے دوسری زبان میں متبادل محاورہ دستیاب نہیں ہوتا ایسے میں اعتدال سے کام لیتے ہوئے محاورے کی جگہ محاورے کی جستجو کی بجائے اپنی ضرورت کے محاورے کے مفہوم کو الفاظ میں تحریر کر دینا چاہیے۔۵۹ راقمہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

ہدفی متن کے اظہار اور ابلاغ میں پیش آنے والے مسائل کی ایک بڑی وجہ مترجم پر عائد پابندیاں ہیں۔ تخلیق کار اظہار میں آزاد ہے وہ جس خیال، جذبے، منظر، کیفیت کو شعر وادب یا علمی متن میں پیش کرتا ہے اس میں مبالغے کی مدد سے اضافے کر سکتا ہے۔ خیالات کی ترتیب الٹ کر انھیں نیا وجود دے سکتا ہے۔ مکمل اظہار کے لیے استعاروں اور محاوروں کی مدد لے سکتا ہے۔ ترجمے کو تخلیقی کہہ بھی دیا جائے تو مترجم اس معاملے میں پابند ہے۔ مترجم اصل متن کے خیال اور الفاظ دونوں کا پابند ہے۔ مترجم اسلوب، مفہوم، لہجے غرض یہ کہ اظہاری حوالے سے پوری طرح پابند ہے۔ مترجم کا کام ہم پلہ الفاظ کی تلاش و جستجو ہے۔ وہ ابلاغ و اظہار کے لیے اضافے کرنے پر آزاد نہیں ہے۔ مصنف اپنے خیال کو الفاظ کا جامہ پہنانے کے لیے آفاق کی وسعتوں کا سفر کرنے کے لیے آزاد ہے جب کہ مترجم کی عبارت لغات اور اصطلاحات کی فرہنگوں کی مرہونِ منت ہے۔

ترجمے کی ایک بڑی مشکل قارئین اور ناقدین کا یہ تقاضا کرنا ہے کہ ترجمے کو بالکل اصل معلوم ہونا چاہیے۔ عموماً کسی ترجمہ شدہ متن پر طبع زاد ہونے کے گمان کو مترجم کی کامیابی تصور کیا جاتا ہے۔ مقدمے میں نیڈا کی اثر پذیری کے نظریے پر بحث کرتے دلائل کی روشنی میں کہا گیا ہے کہ ترجمہ شدہ متن مساوی اثر پیدا نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی ایک دیانت دار مترجم ترجمہ شدہ متن کو طبع زاد کی شکل نہیں دے سکتا۔ جمیل جالبی کے خیال میں یہ غلط تقاضا افسانوں اور ناولوں کے آزاد ترجموں کی وجہ سے راہ پا گیا ہے۔۶۰

سنجیدہ تحریروں کے ترجمے میں اصل متن کی سی روانی پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ مترجم کو اپنے خیالات اور جذبات مصنف کے قلم کے سپرد کرنے ہوتے ہیں۔ مصنف کا تعلق مختلف ثقافت اور زبان سے ہوتا ہے۔ ہوبسن جوبسن میں سنجیدہ اور پیچیدہ لسانی مباحث ہیں۔ یہ لسانی مباحث ترجمہ شدہ متن کی روانی کو متاثر کرتے ہیں۔ اس فرہنگ کے ترجمے میں معتدل طریق ترجمہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ مفہوم کو اولیت دیتے ہوئے اسلوب کو یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا اس لیے اس ترجمہ شدہ متن سے اصل معلوم ہونے کا تقاضا کرنا بے سود ہے۔

شہباز حسین نے ترجمہ کو نگینہ سے جوڑنے کا فن کہا ہے جو بڑی مہارت اور ریاضت کا متقاضی ہے بلاشبہ ایسا ہی ہے۔ ۶۱

راقم الحروف مہارت کی دعویدار تو نہیں البتہ ریاضت و کوشش سے کام لیتے ہوئے فرہنگ ہوبسن جوبسن کا ترجمہ کیا ہے۔ کروچے نے کہا تھا کہ اظہار خالق کے بطن میں مکمل ہو جاتا ہے جو کچھ کسی میڈیم کی صورت میں سامنے آتا ہے وہ محض ترجمانی ہے۔ ترجمانی خیالوں کی ترجمانی ہی رہتی ہے۔ ۶۲

مترجم بھی فرہنگ کے ترجمہ میں مکمل اظہار کی دعویدار نہیں ہے۔ اگر مصنف اپنے ذہن و دماغ میں آنے والے تمام خیالات کو صفحہ پر اُتارنے سے قاصر ہوتا ہے تو مترجم یہ دعوی کیونکر کر سکتا ہے۔ اس ترجمے میں مصنف کے خیالات کی ترجمانی کی کوشش کی ہے۔

یہ مقالہ فرہنگ ہوبسن جوبسن کے ایم تا کیو کے تمام اندراجات پر مشتمل ہے۔ مقالے میں ہنری یول کے لکھے گئے بنیادی متن کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ استعمال کے حوالے سے پیش کیے گئے مختلف زبانوں کے اقتباسات کو مختلف وجوہات کی بنیاد پر حذف کر دیا گیا ہے۔ متن کے ترجمے کے لیے کسی ایک نظریے کو من و عن قبول نہیں کیا گیا بلکہ پیٹر نیومارک اور یوجین نیڈا کے نظریات کو بنیاد بناتے ہوئے فرہنگ کے ترجمے کا طریقہ وضع کیا ہے۔ ترجمے کے مسائل سے نبٹنے کے لیے مونا بیکر، کیٹفورڈ اور اردو زبان کے ماہرین تراجم کی تجاویز سے مدد حاصل کی ہے۔ فرہنگ کے لسانی مباحث کی تصدیق اور مسائل کے تدارک کے لیے انیسویں صدی کے مستشرقین کی لغات سے استفادہ کیا ہے۔ نقل حرفی اور مخففات بنیادی مسئلہ تھے۔ ان دونوں کے لیے ہنری یول کی رہنمائی میں شیکسپیئر کی لغت کے دیباچے کو بنیادی ماخذ تصور کیا مگر یہ ایک لغت تمام مخففات کی کنجی فراہم نہیں کرتی۔ اس لیے انیسویں صدی کی دیگر دستیاب لغات اور انٹرنیٹ کی مدد سے مخففات تلاش کیے گئے ہیں۔ بعض مخففات بعید از قیاس ماخذات سے حاصل ہوئے ہیں۔ ترجمہ میں بنیادی اہمیت مفہوم کی منتقلی کو دی ہے۔

مقالے کو اردو اندازِ تحریر کے مطابق دائیں سے بائیں جانب لکھا گیا ہے مگر فرہنگ کے انگریزی اندراجات کی ترتیب برقرار رکھی گئی ہے۔

اس مقالے میں فرہنگ ہوبسن جوبسن کے ایم تا کیو کے اندراجات کے ترجمہ شدہ متن پر حواشی اور تعلیقات لکھے گئے ہیں۔ حواشی اور تعلیقات کی مدد سے متن کی تفہیم میں آسانی اور معنی خیزی میں اضافہ ہوتا ہے۔ موضوع اور طوالت کے اعتبار سے حواشی اور تعلیقات میں فرق قائم کیا گیا ہے۔

ہر حروف تہجی سے متعلقہ حواشی ہر حرف کے اندراجات کے اختتام پر دی گئی ہے۔ ایم تا کیو کے پانچوں حروف کے اندراجات مقالے میں ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ حواشی کی نشاندہی کے لیے انگریزی گنتی کو بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔ متن سے متعلقہ مختصر معلومات کو حواشی میں جگہ دی گئی ہے۔

ہنری یول نے انیسویں صدی کے مستشرقین کے حوالے اپنے متن میں دیے ہیں۔ راقمہ نے ان مخصوص اندراجات کی تصدیق کے لیے ان لغات کو دیکھا ہے اور حاشیے میں وضاحت کر دی ہے۔ نقل حرفی کے مسائل کے باعث بعض الفاظ کی املا کا تعین کرنا مشکل تھا ایسے میں باقی لغات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس استفادے کو بھی حاشیہ میں درج کیا گیا ہے نیز لسانی پہلوؤں کے علاوہ جہاں کسی لفظ، واقعہ، تاریخ کی مختصر وضاحت دینا درکار تھا اسے حواشی میں درج کیا گیا ہے۔ حتی الامکان اس بات کی کوشش کی ہے کہ حاشیہ کے لیے بنیادی ماخذات تک رسائی حاصل کی جائے۔ مصنف نے جن کتب سے استفادے کو فرہنگ کے متن میں نقل کیا ہے۔ انھی کتب سے ملنے والی اضافی معلومات کو حاشیہ میں درج کیا گیا ہے۔

بعض اشیاء اور الفاظ کے متعلق دیگر کتب میں مصنف سے متضاد آراء ملتی ہے۔ ان متضاد آراء پر تحقیق کے بعد انھیں حوالے کے ساتھ حاشیہ میں درج کیا گیا ہے۔ مثلاً ہنری یول نے گلاب سے کشید کیے گئے عطر کو نور جہاں کی ایجاد کہا ہے۔ راقمہ کی تحقیق کے مطابق یہ عطر نور جہاں کی والدہ کی ایجاد ہے۔ تزک جہانگیری اور عہد مغلیہ کی کتب تواریخ سے تحقیق کے بعد حاشیہ تحریر کیا ہے۔ تاریخی واقعات میں اختلاف کے علاوہ لسانی اختلافات بھی حاشیے میں لکھے گئے ہیں۔

حواشی اور تعلیقات میں تمیز قائم کرنے کے لیے تعلیقات کو انگریزی گنتی کے ساتھ * کا نشان بھی دیا گیا ہے۔ تعلیقات میں بھی متن کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور عنوان کے تحت تحریر کیا گیا ہے۔ تعلیقات میں جامع تفصیلی معلومات درج کی گئی ہے۔

فرہنگ ہوبسن جوبسن کے ترجمے کا بنیادی مقاصد اردو دان طبقے کو اس مفید فرہنگ سے متعارف کروانا اور فرہنگ کے متن کو ان کے لیے قابل استفادہ بنانا تھا۔ جیلانی کامران کی رائے میں غیر ادبی ترجمہ ایک زبان کی لسانی موت سے جنم لیتا ہے جب کہ دوسری زبان کی لسانی افزائش کا باعث بنتا ہے۔ ۶۳ راقم الحروف کا کیا گیا یہ اردو ترجمہ انگریزی زبان کی لسانی موت کا اعلان تو نہیں کرتا مگر توقع ہے کہ اردو زبان کی افزائش میں معاون ثابت ہو گا۔ کوئی بھی تحقیقی کام آخر نہیں ہوتا، اضافوں اور بہتری کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ فرہنگ ہوبسن جوبسن پر کیے گئے اس تحقیقی کام کو بھی حرف آخر نہ سمجھتے ہوئے تسامحات کو نظر انداز کیا جائے۔

ماریہ ترمذی

حواشی/حوالہ جات

۱۔ سوشیل چوہدری، *Trade, Politics and Society: The London Milieu in the early modern era*(لندن، رتلیج،۲۰۱۷ء)،۱۷، http://books.com.pk

۲۔ مورخین میں مغل بادشاہ جہانگیر سے تجارتی اجازت نامہ حاصل کرنے والے شخص کے نام کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مورخین جان ہاکنز(John Hawkinds)کا نام لکھتے ہیں۔ جان ہاکنز جہانگیر کے دربار میں آنے والا انگریز تاجر تھا۔ اپنی دلچسپ شخصیت کے باعث ہاکنز نے جلد ہی مغل بادشاہ سے دوستانہ مراسم قائم کر لیے تھے۔ مختلف مواقع پر ہاکنز نے جہانگیر سے برطانیہ کے لیے تجارتی اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کچھ مورخین کے مطابق بے حد اصرار پر جہانگیر نے اجازت دے دی تھی مگر زیادہ کتب میں تھامس رائے کا نام ہی ملتا ہے۔

فلپ۔ای۔جانز(Phillip-E-Jones)، *Mariners, Merchants and the Military too: A History of the British Empire*، http://books.com.pk

۳۔ کالی کنکر دتہ و دیگر، *An Advanced History of India*،(لاہور: فیس بکس، ۱۹۹۲ء)، ص۵۲۔۵۷۔

۴۔ سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ: آغاز سے ۲۰۰۰ء تک،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء)، ص۲۵۶۔

۵۔ رؤف پارکھ، "اردو کی ابتدائی لغات اور نصاب نامے"،معیار، شمارہ ۲،(اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،۲۰۰۹ء)، ص۶۹۔

۶۔ محمد اکرام چغتائی، "تعارف"، *Fallon's English Urdu Dictionary*،(لاہور: اردو سائنس بورڈ،۱۹۸۲ء)، ص۱۸۔

۷۔ عطش درانی،اردو زبان اور یورپی اہلِ قلم،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۷ء)، ص۲۰۔

۸۔ رؤف پاریکھ،لغوی مباحث،(لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۱۵ء)، ص۲۳۰۔

۹۔ نذیر آزاد، "اردو لغت نگاری میں مستشرقین کا حصہ"۔اخبار اردو (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، جولائی۱۹۹۹ء)، ص۲۰۔

۱۰۔ پاریکھ،لغوی مباحث، ص۲۵۔

۱۱۔ درانی، ص۴۱۔

۱۲۔ ایضاً، ص۱۹۔۴۳۔

۱۳۔ آغا افتخار حسین،یورپ میں اردو (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء)، ص۴۷۔

۱۴۔ پاریکھ،لغوی مباحث، ص۲۴۔

۱۵۔ وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، جلد سوم (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص۱۵۔۱۹۔

۱۶۔ حسین، ص۷۵۔

۱۷۔ وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، جلد ہفتم (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ء)، ص۱۲۔

۱۸۔ چغتائی، ص۱۱

۱۹۔ حسین، ص۷۷۔

۲۰۔ ڈاکٹر رضیہ نور محمد نے اردو انگریزی اور انگریزی۔ اردو لغت کے مولف ایس۔ڈبلیو۔ فیلن کے علاوہ ایک مستشرق ایف۔ فیلن کا ذکر بھی کیا ہے۔ محمد اکرام چغتائی نے طبقات شعرائے ہند کا مولف بھی ایس۔ڈبلیو۔ فیلن کو کہا ہے جب کہ اس کے مولف ایس۔ فیلن صاحب تھے جنھوں نے مولوی کریم الدین کے تعاون سے یہ تذکرہ لکھا۔ رضیہ نور محمد، اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از ۱۴۹۸ء تا ۱۹۴۷ء (لاہور: لائن آرٹ پرنٹرز بر مکتبہ خیابان اردو، ۱۹۸۵ء)، ص۱۳۲۔۱۳۴۔

۲۱۔ ایس۔ڈبلیو۔فیلن (S.W.Fallon)، *Fallon's English Urdu Dictionary* (اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۲ء)، ص۹۷۔

۲۲۔ وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، جلد دوم (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ص۱۷۔۱۸۔

۲۳۔ ایس۔ڈبلیو۔فیلن (S.W.Fallon)،*Urdu-English Dictionary* (لاہور: سنٹرل اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۸۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔

۲۵۔ رؤف پاریکھ، "فیلن کی اردو بہ انگریزی لغت: چند دلچسپ اندراجات و اسناد"، جرنل آف ریسرچ (اردو)، شمارہ ۲۳ (ملتان: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، جون ۲۰۱۳ء)، ص ۱۴۵۔

۲۶۔ جان۔ایف۔ریڈک (John.F.Riddick)،*Who was who in British India* (لندن: گرین وڈ پریس، ۱۹۹۸ء)، ص ۲۹۱۔

۲۷۔ رؤف پاریکھ، "اردو کی لسانی لغات کا جائزہ"، لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۷۵۔

۲۸۔ جابر علی سید، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، جلد اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۰۔۱۱۔

۲۹۔ صفدر رشید، مغرب کے اردو لغت نگار (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ص ۶۷۔

۳۰۔ ریڈک، ص ۴۰۳۔

۳۱۔ سی۔ای۔بک لینڈ (C.E.Buckland)،*Dictionary of Indian Biography* (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ص۔

۳۲۔ ایضاً، ص۔

۳۳۔ حسین، ص ۵۰۔

۳۴۔ درانی، ص ۴۷۔

۳۵۔ رشید، ص ۶۸۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۶۸۔۶۹۔

۳۷۔ حسین، ص ۵۵۔

۳۸۔ انتھنی برگس (Anthony Burgess)، "Foreword"، *Hobson Jobson: A Glossary of Colloquial Anglo Indian words and phrases of kindered terms, Etymological, Historical, Geographical and Discursive*، (لندن: رتلیج، ۱۸۸۶ء)، ص ۷۔

۳۹ـ بادشاہ منیر بخاری، "کرنل ہنری یول کی لسانی خدمات"، خیابان (پشاور: یونیورسٹی آف پشاور، خزاں ۲۰۱۴ء)، ص ۱۶۵۔

۴۰ـ سلیم اختر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۰۱۔

۴۱ـ حسین، ص ۵۸۔

۴۲ـ ایضاً، ص ۵۰۔

۴۳ـ سلیم الرحمن، "مقدمہ"، لفظوں کی کہانی لفظوں کی زبانی (لاہور: مشعل بکس، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۰۔

۴۴ـ وارث سرہندی، علمی اردو لغت (لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۰ء)، ص ۴۴۴۔

۴۵ـ فاخرہ نورین، ترجمہ کاری (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اردو، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۲۔

۴۶ـ محمد سلمان ریاض، "علم ترجمہ سے متعلق رجحانات کا جائزہ"، بنیاد، جلد ۷ (لاہور: لمز، ۲۰۱۶ء)، ص ۴۸۵۔

۴۷ـ نورین، ص ۴۱۔

۴۸ـ جیریمی منڈے (Jermey Munday)، *Introducing Translation studies: Theories and Application*، لندن اور نیویارک: رتلیج، ۲۰۰۱ء)، ص ۴۲۔

۴۹ـ سعادت سعید، "ترجمہ، مترجم اور ثقافتی متن کی آمریت" مترجم (گجرات: یونیورسٹی آف گجرات، مرکز برائے السنہ وعلوم ترجمہ، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۳۔

۵۰ـ منڈے، ص ۳۷۔۳۸۔

۵۱ـ جمیل جالبی، "ترجمے کے مسائل" ترجمہ فن اور روایت مرتب قمر رئیس (دہلی: تاج پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۲۰۔

۵۲ـ نورین، ص ۹۴۔

۵۳ـ ایضاً، ص ۹۷۔

۵۴ـ نورین، ص ۱۰۰۔

۵۵ـ مونا بیکر کی Omission کی اصطلاح کے لیے ڈاکٹر فاخرہ نورین نے تخریج کی اصطلاح تجویز کی ہے مگر چونکہ تخریج کی اصطلاح تحقیق میں خاص معنی رکھتی ہے۔ تخریج سے مراد کسی تحریر میں دوسروں کے اشعار، اقوال، آیات، احادیث وغیرہ کا موجود ہونا، ان کے مصنف کی نشاندہی کرنا اور درست متن تحریر کرنا ہے۔ راقم الحروف کو

پہلے سے خاص معنوں میں مستعمل اصطلاح کا استعمال موزوں نہ لگا۔ اس لیے یہاں حذف سے تحذیف کی اصطلاح پیش کی گئی ہے۔

نورین، ص ۱۰۰؛ گیان چند جین، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء)، ص ۵۶۵۔

۵۶۔ مرزا حامد بیگ، مغرب سے نثری تراجم (انگریزی و دیگر مغربی زبانوں سے ادبی تراجم کی روایت)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۵۔

۵۷۔ ظ۔ انصاری، "ترجمے کے بنیادی مسائل"، فن ترجمہ نگاری مرتب خلیق انجم (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۶ء)، ص ۹۲۔۹۳۔

۵۸۔ ہنری یول (Henry Yule)، اے۔ سی۔ برنل (A.C.Burnell)، *Hobson-Jobson: A Glossary of Colloquial Anglo-Indian words and phrases and the kindred terms, Etymological, Historical, Geographical and Discursive*، (لندن/نیویارک: ر تلیج، ۱۸۸۶ء)، ص ۵۹۹۔

۵۹۔ نصیر احمد خاں، "ترجمہ اور لسانیات" فن ترجمہ کاری (مباحث) مرتب صوبیہ سلیم، صفدر رشید (اسلام آباد: ادارۂ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۷۶۔

۶۰۔ جالبی، "ترجمے کے مسائل"، ص ۱۲۵۔

۶۱۔ شہباز حسین، "ترجمہ کی اہمیت" فن ترجمہ نگاری مرتب خلیق انجم (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۶ء)، ص ۶۲۔

۶۲۔ سعید، ص ۲۰۔

۶۳۔ جیلانی کامران، "ترجمے کی ضرورت"، ترجمہ: روایت اور فن مرتب نثار احمد قریشی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۲۰۔

"M"

MA-BAP,s

مائی باپ، اسم ذات

"آپ مائی باپ ہیں خداوند" میرے آقا! آپ میرے ماں باپ ہیں۔ یہ ایک مقامی باشندے کا طرزِ تکلم ہے جو مدد کا طالب ہو، ہر جانے سے چھٹنے کا آرزو مند ہو، یا حکم کی بجا آوری میں تامل کا شکار ہو۔ یہ طرزِ تکلم نوجوان انگریز صاحب کے لیے آغاز میں حیرت کا سبب ہوتا ہے مگر وقت کے ساتھ یہ معمول کا حصہ بن جاتا ہے۔

MABAR, n.p

معبر، اسم معرفہ

یہ نام عہد وسطیٰ میں عربوں نے بھارت کی بندر گاہ کو دیا تھا جسے ہم کورومینڈل کہتے ہیں۔ "مَبَر"[1] عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی گھاٹ پار کرنے والی کشتی یا گزر گاہ کے ہیں۔ بندر گاہ پر اِس نام کے اطلاق کی وجہ واضح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اِس کی وجہ یہ ہو کہ عربوں کی کشتیاں معمول میں اِس بندر گاہ پر آتی تھیں، یا اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ (بندر گاہ) سیلون پہنچنے کے لیے گزر گاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ آخری ممکنہ وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ ایک مقامی نام کو معنی دینے کی کوشش ہو۔

[مدراس گلوسری کے مطابق یہ نام اسے مادھورا سے سیلون جانے کی گزر گاہ ہونے کا باعث دیا گیا تھا۔]

MACAO, n.p

مکاؤ، اسم معرفہ

پرتگالیوں نے یہ نام دریائے کینٹن کے دہانے پر آباد ایک شہر اور چھوٹے جزیرے کو دیا، جس پر وہ ۱۵۵۷ء سے قابض رہے ہیں۔ اِس جگہ کو چینی لوگ "نگاؤں مین" (Ngao-man) کہتے ہیں۔ (نگاؤں کے معنی "جزیرہ نما یا خلیج" کے ہیں۔ مین کے معنی "صدر دروازے" کے ہیں۔) خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پرتگالی لفظ اما نگاؤں سے اخذ کیا گیا ہے۔ اماں کی خلیج یعنی ماں کی، جو جنت کی نام نہاد ملکہ اور ملاحوں کی سرپرست یا نگران ہے۔

MACAO, MACCAO

مکاؤ، مکاؤ

یہ دریائے پیگو پر واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ شہر کی عظمت کے دنوں میں یہاں ایک بندر گاہ تھی۔ اِس نام کا ایک گاؤں اب تک موجود ہے۔

MACAREO,s

مکاریو، اسم ذات

پرانے سمندری مسافر اِس اصطلاح کا اطلاق سمندر میں ہونے والے سوراخ پر کرتے تھے یا شدید مدوجزر والی لہروں کے لیے جو خاص طور پر کیمبے کی خلیج اور پیگو میں دریائے ستنگ (Sitang) کے دہانے پر پائی جاتی ہیں۔ اِس لفظ کو انہوں نے ایک مشرقی لفظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ سنسکرت لفظ "مکارا" (Makara) بھی ہو سکتا ہے جو اساطیری سمندری بلاؤں اور برج جدی کے علامتی نشان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ غالباً زیرِ بحث لفظ کا اساطیر سے کہیں نہ کہیں کوئی تعلق ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اسے دیے گئے ناموں میں کافی حد تک مماثلت ہے۔ ایسا ہونا کسی مشترکہ تعلق کا پتہ دیتا ہے۔ تاہم قدیم انگریزی میں اوگر (Oegir) یا ایگر (Eagre) کے الفاظ دریائے سیون میں ڈریٹن (Drayton) کے مقام پر ہونے والے سوراخ کے لیے مستعمل تھے جو قدیم طوفانی سمندر کے سیکنڈِ نوین دیوتا (Scandinavian) کی یاد دلاتے ہیں۔ اِس عجوبہ صورت کے لیے ہندی میں ایک نام "مینڈھا" موجود ہے۔ آر ڈرمنڈ (R. Drummond) کے خیال میں جدید گجرات میں مقامی لوگ اِسے "گھوڑا" کہتے ہیں جو جنگی گھوڑے یا اس کے جتھے کا ہم معنی ہے۔

بد قسمتی سے ہندوستان میں مکارا اور اِس جیسے کسی نام کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مسکارت (Mascaret) اور مکری (Macree) دونوں فرانسیسی اصطلاحات بور (سوراخ) کے لیے ہی مستعمل ہیں۔ ہندوستان کے کسی لفظ کی فرانسیسی میں منتقلی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ فرانسیسی اصطلاحات کے متبادل ہندوستان میں کچھ اس طرح منتقل ہوئے ہو کہ سولہویں صدی میں یہاں آنے والوں نے انھیں دیسی لفظ شمار کیا ہو۔ اِس لفظ کے باسکی[2]، ہونے کے امکان کو بھی زیرِ غور لایا جا سکتا ہے، مگر ہفتہ وار شایع ہونے والے تبصروں میں باسک فرنچ ڈکشنری (Basque French Dictionary) کے حوالے سے اِس خیال کی تردید بہت پہلے ہو چکی ہے، مگر کسی بھی خیال کو حتمی سمجھنا درست نہ ہو گا۔

مسعودی نے کیمبے کی خلیج میں تند و تیز بے کراں مدوجزر کے سیلاب کا ذکر کیا ہے۔ ابنِ بطوطہ نے بھی اِس کا مختصر ذکر کیا ہے۔ دیگر ذرائع سے ملنے والی معلومات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ بور کی لہروں کی رفتار ۱۰ ۱/۲ ناٹس (Knots) تھی۔

MACASSAR, n.p

مکاسر[3]، اسم معرفہ

ملاوی میں سُلیبس کے لوگوں کو منگسر

(Mangkasar)کا نام دیا جاتا تھا، مگر اب یہ ایک ولندیزی سمندری بندر گاہ اور جنوب مغربی جزیرہ نما کے جنوبی کنارے پر واقع ایک مکڑی نما جزیرے کا نام ہے۔

MACE,s

میس،اسم ذات

ا۔ ارغوانی جال جیسا چوغہ جو جائفل کے سخت بیرونی خول کو بند کیے ہوتا ہے۔ الگ کر کے خشک کرنے کے بعد اس کی تجارت کی جاتی ہے۔ ہنیری (Hunbury)اور فلگر دونوں لفظ کی اصل کے متعلق کی جانے والی تحقیق سے مطمئن ہو کر میسر (Macir)یا میکر (Macer)کو درست لفظ خیال کرتے ہیں اور پلینی (Pliny) گارسیا (Garcia)اور دیگر قدیم مصنفین کی میس کے متعلق رائے کو غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مسعودی کی تحریر کردہ خوشبوؤں کی فہرست میں بھی اِس کا نام شامل نہیں ہے جن لوگوں کی قدیم تحریروں میں اِس کا ذکر ملتا ہے اُن میں ایک اہم نام ادریسی[1]☆ کا ہے۔ تاہم یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ادریسی نے اِس کا ذکر کس نام سے کیا ہے۔ البتہ جائفل اور میس (جاوتری) کے ایک ہی پودے کی پیداوار ہونے سے یہ افسانوی خیال سر اٹھانے لگتا ہے کہ دار چینی اور لانگ بھی اِسی پودے سے حاصل ہوتے ہیں۔ عہدِ وسطیٰ میں بھی عرب اِس قسم کے خوشبودار درختوں کی چھال سے واقف تھے کیونکہ کتاب الادویہ میں اسے "لانگ کی چھال" یا "کرفۃ الکرنفل" (Kirfat-al-karanful)بتایا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک اس کی نشاندہی کے حوالے سے جنم لینے والی غلطی کی وجہ یا حصہ ہو سکتا ہے۔ شناخت کے حوالے سے ابہام صدیوں سے بدستور چلا آرہا ہے۔ دہلی کے ایک قابل احترام مسلمان نے بہت سال پہلے اِس کتاب کے مصنف سے سوال کیا تھا کہ اگر دار چینی، لانگ اور جائفل ایک درخت کی پیداوار نہ تھے تو ان کی حقیقت کیا تھی؟ اِس غلط فہمی کے یورپ میں رائج ہونے کا ثبوت سولہویں صدی کے اختلافی کام میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ (میس) نام عربی لفظ "بسباسہ" سے آیا ہو اور بعد میں قدیم لفظ میسر (Macir)سے گڈ مڈ ہو گیا ہو۔

MACE,s

میس،اسم ذات

جاوی اور ملاوی میں "ماس" بولا جاتا ہے۔ (سکیٹ صاحب لکھتے ہیں " اماس اور ایماس کے مقابلے میں "ماس" قدرے مختصر لفظ ہے۔ ان میں سے ایک منفرد صورت اے (a) کے سابقے کے ساتھ ہے جس کی ایک مثال عبادہ (Abada)ہے۔ یہ ایک

مقامی لفظ ہے مگر یقیناً اِس پر بھی پرتگالی اثرات مرتسم ہوئے ہوں گے۔ کرافرڈ (Crawfurd) کے خیال میں سماٹرا (Sumatra) میں استعمال ہونے والا وزن کا ایک باٹ ہے۔ یہ ملاوی ٹیل (Tael) کے سولہویں حصے کے برابر ہے۔ یعنی تقریباً ۴۰ گرین (Grain)۔ میس ۹ گرین وزن کے حامل چین کے ایک چھوٹے سونے کے سکے کا نام بھی ہے۔ چین کے یورپی تاجر نے میس کا لفظ چینی لینگ (Liang) کے دسویں حصے یا چاندی کے ٹیل کے لیے استعمال کیا۔ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے سنسکرت لفظ "ماشہ" ہے جس کے معنی "ایک پھلی" کے ہیں۔ ویسے یہ سونے کے ایک مخصوص وزن کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

MACHEEN, MAHACHEEN, n.p

ماچین، مہاچین، اسم معرفہ

ہندوستان میں یورپی عہد کے آغاز کی صدیوں میں چین کو مہاچین یعنی "عظیم چین" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اب تک یہ اصطلاح انہی معنوں میں مستعمل ہے جن میں البیرونی نے کی تھی۔ البیرونی نے کہا تھا " ان عظیم پہاڑوں (ہمالیہ) کے آگے مہاچین واقع ہے۔ مگر بعد کے وقتوں میں کتب اس اندازِ اظہار سے ناواقف رہی ۔ چین کے ساتھ "ما" کا زائد لفظ لگانے سے سندھ اور ہند کے ساتھ اِس کی جزوی مماثلت کا اظہار ہوتا ہے۔ سندھ اور ہند کا لفظ دراصل پورے ہندوستان کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اِس تعلق کی وضاحت کے لیے گوگ اور مگوگ (یاجوج اور ماجوج) کی مثال زیادہ بہتر ہے۔ گوگ مگوگ کے الفاظ ایشیاء کی شمالی اقوام کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بالآخر یوں کہا جا سکتا ہے کہ چین کی حیثیت (Japhet) کے بڑے بیٹے کی ہے اور ماچین اس کی اگلی نسل ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ برطانوی انگریزوں کو ٹرائے کے بادشاہ برٹ (Brut) کا بڑا بیٹا اور عظیم برطانیہ (Great Britian) کو اس کی اگلی نسل کہا جاتا ہے۔

چین میں منگولوں کے دورِ حکومت میں، جب چین کے معاملات جنوبی ایشیا سے الگ تصور کیے جاتے تھے اور منزی (Manzi) کو جنوبی چین خیال کیا جاتا تھا۔ (منگول ۱۲۷۵ء تک منزی فتح نہ کر پائے تھے) بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ منزی اور ماچین کے درمیان کچھ ابہام پیدا ہو گیا ہو گا۔ بعد ازاں اِس نام نے غلط مگر مخصوص معنی حاصل کر لیے ہوں گے۔ سولہویں صدی کے ایک مصنف نے چین اور ماچین میں شمالی چین اور جنوبی چین کا امتیاز قائم کیا ہے۔ مگر ہندوستان میں کبھی بھی اِس امتیاز کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ بعض جگہ ابن بطوطہ[2☆] سین (Sin) کو جنوبی چین اور کھتائی کو شمالی چین کا نام دے کر انھیں ایک دوسرے سے ممیز کرتے ہیں۔ البتہ یہ متفقہ خیال ہے کہ جب از سرِ نو چین سے دوستانہ مراسم بحال ہوئے

تو ابہام پیدا کرنے والے دوہرے نام کا خاتمہ ہوا اور یوں صرف چین کہنے کا انداز اپنا لیا گیا۔ مگر پھر کبھی کبھار ماچین کا لفظ "ہند چین" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

عہدِ وسطیٰ میں اِس کا ایک غیر معمولی استعمال عربوں کی عادت کے نتیجے میں سامنے آیا۔ عرب ملکوں کے دار لحکومت اور اہم بندر گاہوں کو ملک ہی کے نام موسوم کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یوں جنوب میں کینٹن (Canton) ماچین کے شہر کے طور پر جانا جانے لگا۔ اس کی فارسی ترجمہ "چین کلاں" یعنی "عظیم چین" ہے۔

MACHIS,s

ماچس، اسم ذات

ہندوستان میں فِرکی کی تیلیوں کو ماچس کا نام دیا جاتا ہے۔ سلفر کی تیلیوں کے لیے دیوا یا دِیا سلائی کا پرانا نام بھی مستعمل ہے۔

MADAPOLLAM, n.p

میڈاپولم، اسم معرفہ

اِس سے مراد ایک خاص قسم کی کاٹن کا کپڑا ہے۔ یہ گداوری کے جنوبی ڈیلٹا کی شاخ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اسے درست طور پر مادھوہ پالم (MadhavaPalam) بولا جاتا ہے۔ (یہ تامل لفظ مادھویہ پالمو (MadhavayyaPalemu) ہے جس کے معنی "مادھوا کے قلعہ بند شہر" کے ہیں۔) کمپنی کے تجارتی ادارے کے ڈیلٹا میں موجود تین دفاتر میں سے صدر دفتر یہیں اِسی شہر میں موجود ہو گا۔ باقی کے دو دفاتر مُلنکا (Molunka) اور انجرام (Injeram) میں تھے۔ اب میڈاپولم برطانیہ سے ہندوستان کی جانے والی بنیادی بر آمد ہے۔ معیار کے اعتبار سے یہ چھینٹ اور ململ کے درمیان سفید کپڑے کی ایک قسم ہے۔

MADRAFAXAO,s

میڈرافکسوی، اسم ذات

یہ نام قدیم پرتگالی میں گجرات کے سونے کے سکے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ غالباً یہ مظفر شاہی عہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ گجرات کے کئی بادشاہوں کا یہی نام تھا۔ غالباً تھومس (Thomas) نے مظفر شاہ دوم (۱۵۲۵ء۔۱۵۱۱ء) کے ٹکسال میں ڈھالے جانے والے ۱۸۵ گرین (Grain) کے سونے کے سکے کی نشاندہی کی ہے۔

MADRAS, n.p

مدراس، اسم معرفہ

سترہویں صدی کے وسط میں قلعہ سینٹ جارج کے بانیوں نے مدراس کو اِس جگہ کے متبادل نام کے

طور پر استعمال کیا ہے۔ اِس کا ماخذ طویل سنجیدہ بحث کا متقاضی ہے۔ تاہم فرضی داستانیں حمایت کرتی ہیں کہ یہ نام ایک عیسائی مچھیرے کے نام سے اخذ کیا گیا ہے۔ مگر اِس خیال کو علم زبان کی روح سے ثابت کرنا ناممکن ہے، نہ ہی اِس پر سنجیدہ بحث کی جا سکتی ہے۔ لیسن (Lassen) نے اسے مندہ راجایہ (Manda-rajya) کی بگڑی ہوئی صورت کہا ہے جس کے معنی "بیوقوفوں کی سلطنت" کے ہیں۔ اِس اشتقاق کی حیثیت بھی کسی لطیفے سے زیادہ نہیں ہے۔ غالباً کسی حاسد بنگالی نے انھیں خود کو غیر مہذب تصور کرنے کی ضد میں یہ تجویز پیش کی ہو گی۔ یقیناً یہ بات انوکھی ہے کہ بنگال میں ہمیشہ کی طرح جنوبی حکومت اور سپاہیوں کو "مندراج" بولا جاتا ہے۔ تاہم اب تک پیش کیے گئے نام دراصل "مدراس پٹنم" ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ مدراس پٹنم یعنی "مدراس کا شہر" ۔ آغاز کے نقشہ جات میں مسلمانوں کا شہر مدراس پٹنم وہاں واقع ہے جہاں اب ٹرپلیکین (Triplicane) اور رویاپٹہ (Royapattah) موجود ہیں۔ چنانچہ اِس لفظ کے مسلمانوں سے تعلق کا واضح امکان دکھائی دیتا ہے۔ اب ہمیں لفظ "مدرسہ" کے ساتھ اس کی شناخت تلاش کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ پرتگالیوں نے اسے مدرزہ (Madraza) لکھا ہے۔ یورپی چونکہ قلعہ سینٹ جارج کے قریب میلا پور (Maylpore) اور سَنتھوم (Santhom) میں رہتے رہے ہیں۔ چنانچہ یہ نام یہیں سے ان کے ہاں آیا ہو گا۔ فرائر (Fryer) کے نقشوں میں گورنر کی رہائش گاہ کی گنبد والی عمارت اسلامی فنِ تعمیر کی نمائندہ نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مدرسے ہی کی عمارت ہو۔ لوکیر (Lockyer) نے بھی ایک مدرسے کا ذکر کیا ہے جس کی عمارت بہت قدیم تھی اور پہلے پہل ہسپتال رہ چکی تھی۔ بعد میں نوجوان لکھاریوں کے لیے رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ سنسکرت میں مندہ (Manda) کے معنی "آہستہ" کے ہیں۔ مندراز (Mandraz) قمری قبیلے کے بادشاہ کا نام تھا۔ غالباً یہ جگہ بادشاہ کے بعد اس کے نام کی نسبت سے مدراس کہلانے لگی۔ مدراس گلاسری کے مطابق "ہندی لفظ مدراس" کنارا کا لفظ مدراسُ دراصل تلگو لفظ "مدراز" سے آئے ہیں، جس کے معنی مقامی تلگو حکمران کے ہیں۔ جب پرتگالیوں اور انگریزوں میں خوشگوار تعلقات قائم تھے۔ اُس دور سے اِس لفظ کے استعمال کے بہت سے قصے نقل کیے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کا تذکرہ کافی بعید از قیاس ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہملٹن کی کالج (مدرسے) کے متعلق دی گئی رائے کا ذکر کرنا چاہیے۔ ہملٹن لکھتے ہیں "قصبے میں ایک بہت اچھا ہسپتال موجود تھا۔ نیز ایک پرانا کالج (مدرسہ) بھی تھا جہاں بہت صاحبِ عزت اور صاحبِ ثروت لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ " اِس میں اور لوکیر

(Lockyer)کے بیان میں کافی حد تک مماثلت موجود ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں واقعی ایک ایسی عمارت موجود تھی جسے انگریز کالج کہتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے کسی مدرسے کی عمارت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ ماضی کا کوئی مدرسہ ہی بعد میں انگریزی کالج بن گیا ہو۔ ایسے میں قوی امکان ہے کہ مدرسہ کا لفظ ہی اصل ماخذ ہے۔ بہر حال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ڈے (Day) کی حاصل کردہ سلطنت کی جن پرانی عمارات میں کالج بنائے گئے یا جہاں نوجوان لکھاریوں کی رہائش اور تربیت کا بندوبست کیا جاتا رہا وہ اِس سے قبل مسلمانوں کے مدرسے نہ ہو۔ ایسے میں ہملٹن اور لوکیر کے کالج کے (پرانے مدرسے ہونے کے) حق میں دیے گئے تمام دلائل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ "مدراس پٹنم" کے پہلے حصے کا ماخذ "محمدی تہذیب" ہی ہو۔ جن نقشوں میں مسلمانوں کا علاقہ مدراس پٹنم موجودہ رویا پٹہ (Royapettah)اور ٹرپلیکین (Triplicane)کے قریب نظر آتے ہیں۔ ہنری یول صاحب نے ان کی تاریخ کا ذکر نہیں کیا۔ مگر فرائر (Fryer) نے ۱۶۷۲ء میں دیکھے گئے قلعوں کے جو نقشے بنائے ہیں ان میں "مدِراس" کے نام سے ایک انڈین قصبہ ہے (جس کے گھر فلیٹ کی شکل کے ہیں)۔ انگریزی قصبے کے شمالی جانب بہت سے گھر اکٹھے تھے۔ آگے آنے والے سالوں میں واضح ہوا کہ "مدراس" کا لفظ بنیادی طور پر گنجان آباد علاقے کے ایسے گھروں کے لیے مخصوص ہے جو مالا بار ہیتھن (Heathen)اور بلیک قصبے کے طرز پر بنے ہوئے ہوں۔ ضروری نہیں کہ یہ خیال مدراس کے مسلمان ماخذ کو غلط ثابت کرے مگر بلاشبہ یہ ہنری یول کے دلائل کے تسلسل کو کمزور کرتا ہے۔ پرنگل صاحب (Pringle) یہ کہتے ہوئے بات ختم کرتے ہیں کہ "کلی طور پر یہ کہنا غلط ہے کہ ہنری یول کے اختیار کردہ اشتقاق کی بنیادی دلیل منفی نوعیت کی تھی" چاہے کوئی بھی اشتقاق تجویز کیا جائے اِس پر شدید نوعیت کے اعتراضات کیے جاسکتے ہیں لیکن "مدراس پٹنم" کے مرکب کی مخلوط خصوصیات کو زیرِ غور لایا جائے تو مدرسہ کے اشتقاق پر کوئی شدید اعتراض نہیں بچتا۔ تاہم اگر اِس اشتقاق پر اصرار کرنا مقصود ہے تو محض اتفاقی ہم زمانی واقعات پر اکتفا نہیں کر لینا چاہیے جیسے کے کالج سے اشتقاق پر اصرار کرنے والے مصنفین نے مدراس کے متعلق علم کالونی بننے کے تیس سے پچاس سال بعد کے دورے سے حاصل کیا۔

MADRAS,s

مدراس، اسم ذات

اِس نام کا اطلاق ریشمی اور سوتی تانے بانے سے بنے ہوئے شوخ رنگ کے بڑے رومالوں پر ہوتا ہے۔ یہ پہلے مدراس سے برآمد کیے جاتے تھے۔ ان کا زیادہ استعمال ویسٹ انڈیز کے نیگرو سر ڈھانپنے کے لیے کیا کرتے تھے۔ فرانسیسی زبان میں یہ لفظ محفوظ ہو گیا ہے مگر برطانیہ میں متروک ہو گیا ہے۔

MADREMALUCO, n.p

مدری ملکو، اسم معرفہ

پرتگالیوں نے یہ نام مسلمانوں کے شاہی خاندان "برار" (Berar) کو دیا تھا۔ یہ شاہی سلسلہ "عماد شاہی" کہلاتا تھا۔ پرتگالی نام اِس سلطنت کے بانی "عماد الملک" کو ظاہر کرتا ہے۔ اِس بادشاہ کو فتح اللہ، عماد شاہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ بہمنی سلطنت☆ کے خاتمے پر اپنی بنیاد رکھنے سے قبل یہ خاندان بہت حد تک غیر معروف تھا۔ یہ سلطنت ۱۴۸۴ء میں قائم ہوئی اور ۱۵۷۲ء میں یہ احمد نگر کی سلطنت میں شامل ہو گئی۔ پرتگالیوں کی تواریخ میں اِس دور کے حوالے سے بھی ایک مدری ملکو (یعنی عماد الملک) کا ذکر ملتا ہے۔ یہ گجرات کی ایک اہم شخصیت تھے جنھوں نے بادشاہ سکندر شاہ کو اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

MADURA, n.p

مادھورا، اسم معرفہ

عام طور پر "مادھوری" بولا جاتا ہے۔ تامل میں "ماتھوری" کہتے ہیں۔ یہ جنوبی ہندوستان کے ایک ضلع کا نام ہے۔ بطلیموس کے گوشواروں میں بھی اِس کا ذکر ملتا ہے۔ عام طور پر "ماتھورا" اور "مادھورا" کو ہم معنی تصور کیا جاتا ہے۔ "ماتھورا" شمالی ہندوستان کا ایک قدیم اور مقدس شہر ہے۔ زیرِ مطالعہ نام اِسی شہر سے اخذ کیا گیا ہے بعد ازاں تامل تلفظ سے مل کر اِس نے یہ جدید شکل اختیار کر لی۔ [دوسری جانب ایک مصنف نے "مادھورا" کو دراوڑی زبان کے لفظ "ماڈر" سے اخذ کیا ہے۔ جس کے معنی "پرانے قصبے" کے ہیں۔ انہوں نے شمالی ماتھورا کو بھی اسی کی شاخ بتایا ہے۔] تاریخی لحاظ سے مادھورا شائد اتنا قدیم ہے جیسے سن عیسوی میں پنڈیہ سلطنت ہے۔ غالباً مادھورا شمال کے مقدس شہر "مُترا" سے اخذ کیا گیا ہے۔ ہندو اثر و رسوخ کے تحت مشرقیوں میں اِس پر تصفیہ زیادہ پسندیدہ معلوم دیتا ہے۔ تاہم سیلون میں "مَترا" موجود ہے۔ جاوا سے منسلک ایک شہر اور جزیرے کا نام بھی "مادھورا" ہے۔ برما میں بھی اِسی نام کا ایک قصبہ موجود ہے جو مینڈلے کے شمال سے زیادہ دور نہیں ہے۔

MADURA FOOT,s

مادھورافٹ، اسم ذات

یہ پھپھوندی کی خاصیت رکھنے والی پاؤں کی ایک بیماری ہے جس کا بظاہر کاٹنے کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ ضلع مادھورا میں پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں کالی مٹی زیادہ ہے۔ طبی حکام اب تک بیماری کی نوعیت اور وجوہات کا پتہ نہیں لگا سکے۔

MAGADOXO, n.p

میگاڈاکسو، اسم معرفہ

مشرقی افریقہ کے صومالی ساحل پر واقع ایک ریاست اور قصبے کا نام مکد شاۂ (Makadshau) ہے۔ پرتگالیوں نے اسے میگاڈاکسو (Magadoxo) کا نام دیا تھا۔ اب عام طور پر یورپی بھی اِسی نام کو استعمال کرتے ہیں۔ موجودہ مصنفین میں سے ایک نے نشاندہی کی ہے کہ مارکو پولو نے اپنے مڈغاسکر پر تحریر کردہ باب میں اِس جزیرے اور میگاڈاکسو (Magadoxo) کے مخصوص متعلقات کو غلط ملط کر کے ان کے مابین ابہام پیدا کر دیا ہے۔ امکان ہے کہ مڈغاسکر کا نام حقیقت میں مکد شاۂ سے لیا گیا ہو۔ سر آر برٹن بھی اِس خیال کے حامی ہے، مگر انہوں نے اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کوئی سند مہیا نہیں کی۔ (اُون (Owen) نے اِس نام کو مکدیشہ لکھا ہے اور بوٹلر (Botler) کے مطابق عرب اسے ماُکدیشہ بلاتے ہیں۔ غالباً اصل نام مگا الشتہ (Maga-el-Slita) ہے جس کے معنی "بھیڑوں کے چھپر" کے ہیں۔ نام کے پہلے حصے کو لفظ مقدالہ (Maqdala) سے جوڑا جاتا ہے۔ گالا (Gala) کی بولیوں میں اِس کا مطلب "دروازہ" بتایا گیا ہے۔

MAGAZINE,s

میگزین، اسم ذات

بلاشبہ یہ لفظ اینگلو انڈین نہیں ہے مگر عربی لفظ مخازن سے اپنے اشتقاق کے باعث ممکن ہے کہ یہاں جگہ بنا لے۔

MAHAJUN,s

مہاجن، اسم ذات

مہاجن کا لفظ سنسکرت سے ہندی زبان میں آیا ہے۔ اِس کے معانی بڑے آدمی، بینکر یا تاجر کے ہیں۔ جنوبی اور مغربی ہندوستان میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

MAHANNAH,s

ماہانہ، اسم ذات

دیکھیں میانہ (Meena)

MAHE,n.p

مہی،اسم معرفہ

درست لفظ مایئلِ (Mayeli) ہے۔ [مدراس گلوسری کے مطابق میز ہی ملاوی نام ہے، مئی(Mai) کے معنی "کالے" اور" ازہی" کے معنی "دریا کے دہانے " کے ہیں۔ مگر اس وقت زیر بحث فرانسیسی لفظ "مہی" ہے۔ یہ لیبو دونے کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے۔] یہ مالابار کے ساحل پر ٹیلی چری (Tellicherry) کے جنوب مشرق میں چار میل کے فاصلے پر واقع ہے، جہاں ۱۷۲۲ء میں فرانسیسیوں نے مرچوں کی تجارت کے لیے ایک فیکٹری قائم کی تھی۔ یہ فیکٹری اب تک موجود ہے مگر اب یہ خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

MAHI,n.p

مہی،اسم معرفہ

یہ ایک اہم دریا کا نام ہے جو کیمبے کی خلیج کے اوپری حصے میں بہتا ہے۔ [اس کے کنارے اونچے، سیلاب غضبناک اور گھاٹیاں گہری ہیں۔ ان سب دشوار گزار راستوں سے مسافروں کو گزرنا پڑتا ہے۔ شاید اس سے بڑھ کر دریا کے کناروں پر آباد بدنام قبائل کی ایک کہاوت اس کی دشواریوں کو باخوبی واضح کرتی ہے۔ مہی[4] سے گزر جانے کے بعد ایک سکون ہوتا ہے۔]

MAHOUT,s

مہوت،اسم معرفہ

ہاتھی کو چلانے اور سدھانے والا، ہندی لفظ "مہاوت" سنسکرت لفظ "مہا مہاترا" سے آیا ہے۔ جس کے معنی پیمائش میں بڑے یا ایک بڑے آفسر کے ہیں۔ سنسکرت کی یہ اصطلاح 'بڑے' کے معنوں میں مہابھارت میں بھی استعمال ہوئی ہے۔

MAHRATTA,n.p

مہرٹہ،اسم معرفہ

مرہٹہ، مرہٹا، مرہاٹا، مراٹھا یہ سب ہندی الفاظ ہیں (مرہٹی، مرہیٹی)۔ یہ ہندوؤں کی ایک مشہور نسل کے نام ہیں۔ قدیم سنسکرت میں ان کے علاقے کو "مہاراشٹر" کہا جاتا تھا۔ (دوسری جانب ایچ۔ اے۔ اکورتھ(H.A.Acworth) اسے "راٹھا" یا "راٹھی" قبیلے سے اخذ کرتے ہیں۔ قبیلے کے نام کا مطلب "رتھوں کے جنگجو" ہیں۔ یوں مہارٹھا کے معنی "عظیم جنگجو" کے ہیں۔ پھر یہ نام ملک کے نام میں تبدیل ہو گیا۔ آخر کار سنسکرت نے اسے "مہاراشٹر" کی شکل دے دی۔ کچھ ماہرین اسے "مہار" سے اخذ کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ بھی ہندوستان کی ایک نمایاں نسل کا نام ہے۔

MAHRATTA DITCH, n.p

مہرٹہ ڈچ، اسم معرفہ

۱۷۴۲ء میں کلکتہ کے زمینی اطراف میں مرہٹوں سے حفاظت کے لیے کھدائی کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے کلکتہ کے لیے ڈچ کی مختصر اصطلاح حقارت آمیز نام کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ڈچ کی لائن موجودہ سرکلر روڈ کی بیرونی جانب سے تقریباً ملی ہوئی ہے۔ سوائے جنوب اور جنوب مشرق اطراف کے جہاں کام کبھی اختتام کو نہیں پہنچا۔(۱۷۸۰ء میں مدراس میں ایک اور کھدائی کی گئی جو اسی نام سے جانی جاتی ہے)۔

MAHSEER, MASEER, MASAL

مہسیر، ماسیر، مسال

ہندی میں اسے مہاسر، مہاسیر اور مہاسُلا کہا جاتا ہے۔ امکان ہے کہ اس نام کا اطلاق بربوس (Barbus) کی ایک زیادہ سے انواع پر ہوتا ہے۔ مکلیلینڈ (Mclelland) کے خیال میں یہ ہمالیہ کے بڑے دریاؤں کے علاوہ بمبئی اور مدراس کے بڑے دائمی دریاؤں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ اپنے مقررہ حجم کی انتہا تک نشوونما پاتی ہیں۔ یہ ایک بڑی سامن مچھلی کے سائز اور بعض اوقات اسے سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ یہ ہندوستان کے مچھلی پکڑنے والوں کو ایک بحری کھیل فراہم کرنے کا باعث بنتی ہے۔ ایسے میں اکثر غلط طور پر اسے ہندوستانی سامن مچھلی کہہ دیا جاتا ہے۔ مہسیر نام کے ماخذ اور درست املاء کے متعلق کچھ شبہات ہیں۔ غالباً یہ سنسکرت لفظ "مہاشرس" یعنی 'بڑاسر'، یا 'مہا شلکا' یعنی 'بڑا فلس دار' ہے۔ موخرالذکر ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔ بوچنان (Bachanan) نے فلس کے حوالے سے اس کی نشاندہی کی ہے کہ یہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ دکن میں ان سے پلے کارڈ بنائے جاتے ہیں۔ ایچ۔ ایس۔ تھامس صاحب نے مہا آسیہ (بڑے منہ) کو اس کا ماخذ تجویز کیا ہے۔ (البتہ یہ لفظ عام بولیوں میں نظر نہیں آتا۔ ایسے میں کلی طور پر "مہاشرس" سے اشتقاق کا امکان قوی نظر آتا ہے)۔

MAINATO,s

مائنتو، اسم ذات

تامل اور ملیالم میں "مائنتہ" کا لفظ ہے۔ اس کے معنی کپڑے دھونے والے یا دھوبی کے ہیں۔

MAISTRY, MISTRY Sometime even MYSTERY,s

ماسٹری، مستری بعض اوقات مِستری، اسم ذات

مستری ہندی لفظ ہے۔ یہ ایک پرتگالی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مگر اب پورے ہندوستان میں ایک دیسی لفظ کی حیثیت سے مقبول ہے اور اینگلو انڈین

میں مستقل مستعمل ہے۔ اس کے باقاعدہ معنی نگران کارکن یا کارکنوں کے حاکم کے ہیں، مگر بالائی ہندوستان میں یہ ہنرمند کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "راج مستری" کا لفظ ایک معمار یا اینٹوں کی چنائی کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لوہے کا کام کرنے والے کے لیے "لوہار مستری" کی اصطلاح رائج ہے۔ مغربی اور جنوبی ہندوستان میں گھریلو کام کاج کے حوالے سے ماسٹری کا لفظ باورچی کے لیے مستعمل ہے۔ روسی اصطلاح ماسٹر کے معنی ہنرمند کارکن کے ہیں۔

MAJOON,s

معجون، اسم ذات

معجون کا لفظ عربی سے ہندی میں آیا ہے۔ اس کے لغوی معنی ہاتھوں سے گوندھے ہوئے کے ہیں۔ اسی لیے طب کی کتابوں میں اسے ملعوق کا نام دیا گیا ہے۔ (یعنی ادویات کا وہ مرکب جسے شربت میں ملا کر نرم مواد میں تبدیل کر دیا جائے)۔ مگر خاص طور پر اس کا اطلاق بھنگ کے نشہ آور پتوں کے مرکب پر ہوتا ہے۔ یہ بازار میں بیچا جاتا ہے۔ اس نام کی دکنی شکل معجوم ہے۔ مودین شریف نے اپنی کتاب فارمکو پیہ آف انڈیا میں اسے گھجہ بون لکھا ہے۔ اس کے بنیادی اجزاء بھنگ کے پتے، دودھ، گھی، خشخاش کے دانے، دھتورا کے پھول، فلوس ماہی کا پاؤڈر اور چینی ہیں۔

MALABAR,n.p

مالابار، اسم معرفہ

یہ ایک بندرگاہ کے حامل ملک کا نام ہے۔ جسے عرب پیپر ساحل کہتے تھے۔ قدیم دور میں ہندوؤں نے اسے کیرلہ (Kerala) کا نام دیا تھا۔ دیئے گئے مختلف نام مقامی نہیں ہیں۔ بظاہر ان ناموں کا اطلاق عربوں یا خلیج کے عربی و فارسی ملاحوں نے کیا۔ نام کے اہم حصہ "ملائی" یا اس جیسا ہی کچھ کے مقامی ہونے کا مکمل یقین ہے۔ یہ پہاڑی کے لیے استعمال ہونے والی دراوڑی اصطلاح ہے۔ اس لفظ کی سنسکرت شکل ملایہ (Malaya) ہے، جو شمالی حصہ کے جنوبی گھوٹھوں کے لیے مستعمل ہے، اسی سے ایک مقامی اصطلاح ملیالم وجود میں آئی ہے۔ جو مالابار کے علاقے میں دراوڑی زبان کی ایک شاخ کو شناخت فراہم کرتی ہے۔ نام میل، ملائی، ملیہ وغیرہ ہے۔ ہمیں ہندوستان میں اس کی موجودگی کے شواہد کلاسیکی دور کے بعد ملتے ہیں۔ گیارہویں صدی میں کی گئی تنجور (Tanjore) کے عظیم مندر کی کندہ کاری ملائی ناڈو کے علاقے کے متعلق سوال پیدا کرتی ہے۔ (ناڈو کے معنی ملک کے ہیں)۔ ہماری معلومات کے مطابق "بار" کے سابقے کا اس کے ساتھ متصل ہونے کا پہلا

ثبوت جیو گرافی آف ادریسی میں ملتا ہے۔ یہ خاتمہ 'بار' غالباً فارسی ہے، چاہے جو بھی اس کا ماخذ ہو اور چاہے یہ عربی لفظ 'بار' یعنی 'ایک براعظم' سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ ایک طرف سنسکرت لفظ 'وارہ' ہے جس کے معانی ایک علاقے یا ایک ڈھلوان کے ہیں۔ دوسری طرف خلیج کے جہاز رانوں نے اس کا اطلاق مغربی ہندوستان کے اُن علاقوں پر کیا ہے۔ جن کا انھوں نے دورہ کیا تھا۔ یوں ہمارے پاس سیاہ فاموں کا ملک "زنجیبار" بھی ہے؛ "گلابار" بظاہر جزیرے مالے کے ساحل کی طرف اشارہ کرتا ہے؛ حتیٰ کہ لغات میں ہندوستان کے لئے 'ہندوبار' کا لفظ بھی ملتا ہے۔ عربی تحقیقی کتب میں اس نوعیت کی مثالوں کی توضیح پیش کی گئی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ بار کا لفظ ساحل اور علاقے دونوں کی جانب اشارہ کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ پرتگالیوں کے کیپ روٹ کی دریافت کے وقت سے اب تک ہمارے پاس "مالا وار" یا "مالا بار" ہی اس کی مستقل شکل کے طور پر سامنے آیا ہے۔ لوگان صاحب نے نشاندہی کی ہے کہ یہ نام سوائے غیر ملکیوں اور انگریزی بولنے والے مقامی لوگوں کے، ضلع میں مستعمل نہیں ہے۔ اس جگہ عام مستعمل نام ملیالم یا ملایم ہے یعنی "پہاڑی ملک"۔

MALABAR,n.p

مالابار، اسم معرفہ

بشپ کالڈول (Bishop Caldwell) نے اپنی کتاب کمپیریٹو گرائمر (Comparitive Grammar) میں حالات پر بحث کرتے ہوئے اس لفظ کی مکمل تشریح کی ہے جس کا نچوڑ یہاں دیا جارہا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق پرتگالیوں نے نا صرف ملک کے لوگوں اور زبان پر کیا بلکہ تامل زبان بولنے والوں پر بھی کیا۔ پچھلی صدی کے آغاز میں تامل زبان اور تامل بولنے والوں پر اس کا غلط اطلاق عام تھا۔ جسے اب تک جنوبی ہندوستان اور سیلون کے نظر انداز کرنے والے یورپیوں کے ہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

MALABAR-CREEPER,s

مالابار کرپر، اسم ذات

الگیریہ مالابریکہ، شوئیسی Algyreia-malabariea -chorsy

MALABAR EARS,s

مالابار اِئرز، اسم ذات

درخت کے بیج کی نالی جسے اویز (Ives) نے کوڈ گا پھلی کہا ہے۔

MALABAR HILL, n.p

مالابار ہل، اسم معرفہ

بمبئی کے جزیرے پر رہائش گاہوں کے اس پسندیدہ قطعہ زمین کے نام کی وجہ تسمیہ وائٹ ورتھ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ مالا بار کے قزاق جو اس ساحل پر اکثر آتے تھے، اس کے پیچھے پناہ لیا کرتے تھے۔

MALABAR OIL,s

مالابار آئل، اسم ذات

اس مبہم اصطلاح مالا بار آئل کا اطلاق تیلوں کے ایسے آمیزے پر ہوتا ہے۔ جو مختلف قسم کی مچھلیوں کے جگر سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ مچھلیاں ہندوستان کے مالا بار ساحلوں پر اور کراچی کے پڑوس میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

MALABAR RITES

مالابارر ائٹس

یہ نام چند لادینی اور توہمات پر مبنی ایسی مشقوں /رسموں کو دیا گیا ہے جو پوپ کی بار بار ممانعت کے باوجود کرناٹک، مادھورا اور میسور مشن کے عیسائی کار کنوں کی اجازت سے مذہب تبدیل کر کے آنے والے اپنے لیے درست تصور کرتے تھے۔ تاہم آخر کار ان کی شدید مذمت ۱۷۰۴ء میں لگیٹ کارڈینل دی ٹورنن(Legate Cardinal de tournon) کی طرف سے کی گئی۔ البتہ ابھی تک کم یا زیادہ (یہ رسمیں) مقامی کیتھولک عیسائیوں کے ساتھ منسلک رہی ہے۔ خاص طور پر ان کے ساتھ جن کا تعلق گوا چرچ سے تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ رسمیں فادر دی نوبیلی (رابرٹس دے نوبلس(Roburtude nobilious) کے زیر اثر ابھری جو ۱۶۰۶ء میں مادھورا آئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس مشہور عیسائی کارکن کا ارادہ عیسائیت کو لوگوں کے لیے ایسا پیش کرنا تھا جسے یہ ہندو مذہب کا ترجمہ ہو۔

ان رسموں کی نوعیت کو انکی ممانعت کے مندرجہ ذیل خصائص سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ۱۶۲۳ء میں پاپ گرگورے(Gregory) نے عیسائی آئین کے تحت ذیل کی مذمت کی۔

۱۔ ہندوستانی پادریوں کی وساطت سے برہمن اور کچھ اہم ذاتوں کے اعزازات کو مقدس دھاگوں سے باندھا گاتا تھا۔ ہندو مذہبی رسوم عیسائی رسوم کے قائم مقام کے طور پر ادا کی جاتی، اور اس دھاگے کو صرف ایک سماجی تمغے کے طور پر دیکھا جاتا۔

۲۔ صندل کی لکڑی کے آرائشی استعمال کی اجازت دے دی گئی تھی مگر توہمات کے لئے نہ تھی۔ مثلاً گائے کے گوبر کے ساتھ ملانے یا تقریبات میں پاکیزگی کے لئے استعمال کرنے سے منع تھا۔

۳۔ مذہبی رسوم میں پاکیزگی کے حصول کے لیے نہانا۔

۴۔ نسلی امتیازات، اعلی ذات کے عیسائیوں کا نچلی ذات کے عیسائیوں سے ملنے سے انکار کو چرچ نے ماننے سے انکار کر دیا۔

سترہویں صدی میں سینٹ فرانسس کے پیروکاروں اور عیسائی مبلغوں کے جھگڑے کے باعث ایک بار پھر مالا بار رائٹس زیر بحث آئے اور کارڈینل دی ٹورنن کو اس منصوبے پر ان معاملات کے حتمی اندازے کے لیے بھیجا گیا۔ البتہ اس کے حکماً نفاد سے منع کیا گیا تھا۔

۱۔ بپتسمہ (Baptism) کے معائدے کی ایک صورت، جس میں ہندوؤں کو کچھ رسوم میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر جھاڑ پھونک کے لئے تھوک کے استعمال۔

۲۔ کافرانہ ناموں کا استعمال۔

۳۔ ترجمے سے خالص عیسائی اصطلاحات کو ہندوانہ۔

۴۔ بچوں کے بپتسمہ کو ملتوی کرنا۔

۵۔ شیر خوار بچوں کی شادی

۶۔ ہندو تالی کا استعمال۔

۷۔ ہندوؤں کی شادی کا انداز۔

۸۔ ناریل کی مدد سے شادیوں پر فال گیری کرنا۔

۹۔ کچھ خاص اوقات میں عورتوں کو کلیساؤں سے نکال دینا۔

۱۰۔ لڑکیوں کی بلوغت پر کی جانے والی رسومات۔

۱۱۔ شودر اور دیگر ذاتوں میں امتیاز قائم کرنا۔

۱۲۔ لادینی رسوم میں عیسائی موسیقی کی مدد لینا۔

۱۳۔ مذہبی رسوم میں نہانے دھونے کا استعمال۔

۱۴۔ گائے کے گوبر کی راکھ کا استعمال۔

۱۵۔ ہندو کتب کا مطالعہ اور استعمال

۱۱ نمبر پر غور کرنے سے با خوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں اب تک ذاتوں کی تفریق موجود ہے۔ صرف ایک عیسائی منصوبہ جو اس ذات بات کے نظام کو ختم کرنے میں کامیاب ہوا وہ بنیادی سل سوسائٹی ہے۔

MALABATHRUM,s

مالاباتھرم، اسم ذات

اس بات میں شبہ کی گنجائش بہت کم ہے کہ ہندوستان سے کی جانے والی یہ قدیم برآمد دار چینی کے خشک پتوں کی مختلف انواع تھی۔ تمالہ پترا (Tamalar pattra) اس پتے کا سنسکرت نام ہے۔ پرتگالیوں دریافتوں کے بعد کے مصنفین نے قدماء کے مالا باتھرم کو پان یا پان پتہ کہا ہے۔ ڈین ونسنٹ نے اپنی مشہور کاوش کامرس اینڈ نیویگیشن آف دی انشینٹ (Commerce and ancient navigationof the) میں اس لفظ کی نشاندہی پان کے لئے مستعمل عربی لفظ "تمبول

"سے کی ہے۔ غالباً یہ سنسکرت لفظ تامبولہ یا تامبولہ پترا سے اخذ کیا گیا ہے۔ تاہم یہ تمالہ پترا، دار چینی کے جنگلی پودوں میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ مشرق بنگال کی پہاڑیوں اور جنوبی ہندوستان کے جنگلوں کے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ اب بھی ہندوستان میں خوشبو اور دوا کے باعث قدر و قیمت کا حامل ہے۔ البتہ جدید دور میں اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو قدیم دور میں تھی گھروں میں عام طور پر تیزپات کے نام سے جانا جاتا ہے، یا بگاڑ کر تیج پات یعنی مرچیلا تہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس پتے کو عربی میٹریا میڈیکا میں ساد ھج، یا ساد ھجی ہندی، کے نام سے لکھا گیا ہے، آج بھی اسے انگریزی فارمکوپیہ میں فولیم انڈیکم (Folium Indicum) کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ اطالوی ادویہ کی دکان پر با آسانی دستیاب ہے اس معاملے میں مقامی معلومات کی کثرت کی وجہ سے ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ ڈین وینسنٹ (Dean Vincent) اور گار سیا نے تقریباً ایک سی غلطیاں دہرائی ہیں۔ گارسیا نے مال باتھرم اور فولیم انڈیکم کی مرہم بال چھر کے ساتھ گڈ مڈ ہونے کی نشاندہی کی ہے۔ جو پلینی کے ساتھ ساتھ عرب عطاروں کے لیے بھی قابل دریافت ہے۔ بلاشبہ قدماء باتھرم کا اطلاق کسی اور مادے یا ٹھوس شے پر کرتے تھے۔ رہیڈ (Rheede) نے مالا بار ساحل کی جنگلی دار چینی کے پتوں اور جڑ سے تیار کیے جانے والے طبعی افادیت کے حامل تیل کی نشاندہی کی ہے۔ اسی درخت کی جڑوں سے کافور نکالا جاتا ہے۔ جس میں اصل کافور اور دیگر خوشبوؤں کی بہت سی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ سنامن (دار چینی) کا نام سیلون کے درختوں کے ساتھ متصل ہے۔

MALACA,n.p

ملاکا، اسم معرفہ

یہ شہر جس نے اپنا نام جزیروں اور ملاکا کی تنگ آبی گزر گاہوں کو دیا۔ ۱۵۱۱ء میں کیے جانے والے پرتگالی البوکرکی کے قبضے سے پہلے یہ مالے ملوکیت کا اہم مرکز تھا۔ کسی کا بھی مالکا اور مالے کے درمیان اشتقاقی رابطہ فرض کرنا قدرتی عمل ہے۔ ڈی بروس (De Bross) اور البوکرکی نے اسی رابطے کو آگے بڑھایا ہے۔ البوکرکی نے شہر کے نام کے ماخذ کے لئے عربی لفظ "ملاقات" کی تجویز بھی پیش کی ہے۔

کرافرڈ کے خیال میں اس جگہ کا نام لفظ ملاکا سے آیا ہے جو فلا نتھس امبلیکا (Phyllanthus emblica) یا امبلک میروبلن(Emblic myrobolan) کا ملاوی نام ہے۔ اس علاقے میں یہ درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ غالباً ملاکا سنسکرت کا لفظ "آملکہ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کا مادہ لفظ 'املہ' یعنی 'تیزاب' ہے۔ [سکیٹ صاحب کرافرڈ کے خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھتے

ہیں جگہ کا نام درخت ہی سے لیا گیا ہے۔ مالے اور ملاکا کے مابین مجوزہ رشتہ میرے نزدیک ناممکن ہے۔ اور میرے خیال میں ایسا ہی ہر اس شخص کے لئے ہو گا، جو زبان کے قوانین سے آگاہ ہو۔ میں نے خود ملاکر کا درخت دیکھا ہے اور اس کا پھل کھایا ہے۔ رائڈلی (Ridely) کی فہرست نباتات میں "لاکالاکا" اور "ملاکا" کا لفظ فلائنتھس امبلیکا کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ دونوں انواع ایسی ہے جن میں مشکل ہی سے امتیاز قائم کیا جاسکتا ہے۔ مگر موخر الذکر ایک عمومی قسم ہے۔

MALADOO,s

ملادو، اسم ذات

ملادو مرغی اینگلو انڈین کھانوں کی فہرست کا ایک جزو ہے۔ یہ فرانسیسی کھانے پکانے کے روایتی انداز کی بگڑی ہوئی صورت محسوس ہوتا ہے۔ مگر کس چیز کی بگڑی ہوئی صورت ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا [ایک خاتون نے مجھے بتایا کے ملا دو یا منا دو] دراصل مرغی یا بکرے کی طرح کا ٹھنڈا گوشت ہے جو قاشوں میں کٹا ہو یا اچھی طرح کوٹ کے دیگر اجزاء کے آمیزے میں دوبارہ پکایا جائے۔

MALAY,n.p

مالے، اسم معرفہ

ملایو ملاوی زبان میں ایک صفت ہے۔ یوں اورنج ملایو سے ایک مالے، تانہ ملایو سے مالے ملک اور بہاسا ملایو سے ملاوی زبان مراد ہے۔

جاوی میں لفظ ملایو "بھاگ جانے" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ موزوں نام مغرور جاویوں کی ملاکا کو دی گئی ہے مبینہ بنیاد کے حوالے سے مشتق ہے؛ مگر ہم بامشکل ہی اس کی اہمیت کو اس سے منسلک کر سکتے ہیں۔ کم از کم یہ خیال قابل توجہ ہے کہ یہ نام غیر ملکی نہ ہو اور جنوبی ہندوستان میں ہی کہیں اس کا ماخذ ہو، جیسے یہ ملایہ کے جزیرہ نما سے اخذ شدہ بھی ہو سکتا ہے۔ [سکیٹ صاحب لکھتے ہیں" اس نام کے جاوی مہاجرین پر اطلاق کی روایت مجھے جاویوں سے مالے کی ریاست میں ملی، جو سماٹرا (Sumatra) کے جنوب کے لوگ تھے۔ لفظ کے حقیقی معنی جو بھی ہو۔ غالباً اس نے اپنی زندگی کی تاریخ کا آغاز دریا کے نام پر ہونے لگا جہاں سے دریا بہتا تھا۔ اور ان لوگوں پر بھی جو وہاں رہتے تھے۔ یقیناً اسی کے بعد یہ ملاوی زبانوں کے ساتھ ناصرف اتحادیوں بلکہ غیر ملکی قبائل میں بھی پھیلا۔ آخر کار تمام ملاوی بولنے والے قبائل نسلی تعصبات سے بالا تر ہو کر مالے کہلانے لگے۔ اس اشتقاق کے حوالے سے سب سے اہم نکتہ

مالے انالز(Malay Annals) کے مصنف لیڈن(Leden) نے تلاش کیا۔ جس میں ایسے ہی(نام کے)دریا سے براہ راست حوالہ قائم کیا گیا ہے۔ انڈلہ (Andala) کی سر زمین میں پارل امبینگ (Paral embang)نام کا ایک ملک ہے جواب پالم بینگ(Palembang) کے نام سے مو سوم ہے جس کے راجہ کو دمانگ لیبر ڈان(Demang labor down)کے نام سے پکارا جا تا ہے۔ اس اشتقاق کا ماخذ راجا چولاں ہے، دمانگ اسی راجہ کا پو تا تھا۔ یہاں بہتے دریا کا نام مر تاٹینگ(Murtatang)تھا۔ جس میں ایک اور سنگی ملایو (Sungay Molayu)نام کا دریا گر تا تھا۔ اسی دریا کے دہانے کے نزدیک کی پہاڑی کا نام سگان ٹینگ مہا میر و (Sangatang Mahamiru)ہے۔ پالم بینگ (Palembang)ساٹرن کی مشہور ریاست ہے۔ جسے اکثر مالے نسل کا اصل گھر شمار کیا جاتا ہے۔ راجا چولاں کے ہندوستان کے اساطیری بادشاہ ہونے کا امکان غالب ہے۔ کہانی واضح طو ر پر ہندوستان کی روایات سے اخذ کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ مورتینا ننگ (Martenanag) نے غلطی سے مر تا ٹنگ کی صورت اختیار کرلی ہو۔ میری معلومات کے مطابق یہ جزیرہ نما میں واقع ایک جگہ تھی البتہ میں اس کے درست مقام سے لاعلم ہو۔ سنگی ملایو کا سادہ سا مطلب دریائے ملایو ہے۔ میری رائے میں ساکن ٹیسنگ ماہا میر و غلطی سے سگان ٹیسنگ ماہا میر و میں بدل گیا ہے۔ یہ جزیرہ نما میں دنیا کی مقدس وسطی پہاڑی کے لئے مستعمل ہے۔

کچھ غیر معمولی معاملات کی جانب کرافرڈ نے توجہ کی ہے۔ وہ یہ کہ یہ نام بطلیموس کے گو شوارے میں گولڈن چیز سونیس(Golden chesonese)کے ساحل پر کہیں نظر آتا ہے۔ جو تقریباً مو لمین (Maulmain)کے مقام پر واقع ہے۔ اس کے بعد اس نام کی موجودگی کے شواہد جیو گرافی آف ادریسی میں ملتے ہیں۔ جس نے ملائی کو مشرقی سمندروں میں واقع ایک عظیم جزیرہ بتایا ہے۔ یہ بالکل وہی جگہ ہے جسے سکیٹ صاحب نے لموریہ(Lemuria)لکھا ہے۔ مشرق کی جانب یہ زنج کے ساحل تک بڑھا ہوا ہے۔ یعنی مشرقی افریقہ سے چین کے قرب و جوار تک پھیلا ہوا ہے۔ مزید کچھ ماہرین کی آراء اور دلائل کے بغیر یہ ثابت کرنا ناممکن ہے کہ یہ عظیم مالے کے جزائر کا ایک عکس ہے(یا غالباً اس سے مراد تمام جزائر ہے)یا مڈغاسکر کے جزائر، اس ابہام کی حقیقت جاننے کے لیے ہمیں مارکو پولو سے رجوع کرنا ہو گا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد پرتگالیوں کے بحرالجزائر میں داخل ہونے تک مالے نام کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

MALAYALAM

ملیالم

یہ دراوڑی خاندان کی ایک زبان کا نام ہے جس کا سب سے قریبی تعلق تامل سے ہے، یہ مالا بار ساحل کے ساتھ آباد علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ گھوٹوں کے جنوبی طرف (یاملایا پہاڑوں) شمال میں دریائے چندراگری کے نزدیک اور مینگلور کے قریبی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس سے آگے ایک محدود علاقے میں تالو (Talu) زبان بولی جاتی ہے جب کہ جنوب میں تامل زبان کی افزائش نے تروندرم (Tervandrum) کے علاقے میں کنارا کی زبان کے زور کو کم کیا۔ تاہم مالا بار میں تامل اور ملیالم کی ملی جلی صورت مستعمل ہے۔ ملیالم کی اصطلاح کا باقاعدہ آغاز زبان کی بجائے علاقے پر ہوتا ہے۔ غالباً یہ پہاڑی علاقے کے لیے مستعمل ہے۔

MALDIVES, MALDIVE ISLAND

مالدِیوز (مالدیپ)، مالدِیو[5] آئی لینڈ (مالدیپ کے جزائر)

غالباً اس نام کی اصل صورت میل دِیَو (Male-diva) ہے۔ البتہ گارسیادی عورتا نے نیل دیو کی تجویز دی ہے جو غلط ہے مگر درست اشتقاق کے متعلق بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس علاقے کے لوگ خود کو اور اپنے ملک کو "جزیرے" کے لیے مستعمل لفظ کے ساتھ موسوم کرتے تھے۔ ہمیں جزیرے کے لیے سنسکرت میں "دویپہ" اور پالی میں "دِیپ" کے الفاظ ملے ہیں۔ انھی ناموں کا عکس ہمیں اماٹنس کی "دیوی" اور قدیم عرب جغرافیہ دانوں کی "دیوا" اور "دیبہ جات" کی اصطلاحات میں نظر آتا ہے۔ ان الفاظ کا استعمال اٹھارہویں صدی میں (Isles) کے سلطان کی جانب سے سیلون کی ولندیزی حکومت کو موصول ہونے والے خطوط میں ملتا ہے۔ یہ سلطان اپنی سلطنت کو دیوہی راجی اور اپنے لوگوں کو دیوہی میہُن کہتے تھے۔ اس نام کی کچھ جدید شکلیں ابنِ بطوطہ کے جزائر پر کئے گئے قابلِ ستائش کام میں دیکھی جا سکتی ہے جیسے "محل دیوز" یہ محل کے چیف گروہ کا عرف عام میں نام تھا۔ دراصل محل سلطان کی رہائش گاہ ہے یوں یہ نام محل کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتا ہے مگر انتہائی مدلل بحث کرنے والے پیراڈی لاول کے مطابق جزیرے کا نام میل (Male) سے لیا گیا ہے۔ جہاں بادشاہ رہائش پذیر تھا۔ بشپ کالڈول کے خیال میں دیوز اور میل کے جزیروں کی نوعیت ایسی ہی جیسے مالا بار میل کا ساحلی علاقہ یا وسیع قطعہ زمین ہے۔ تاہم مالا (پھولوں کا یا گلے میں پہننے کا ہار) سے اس کے اشتقاق کے امکانات بھی موجود ہیں۔ (مدراس گلوسری میں ملیالم لفظ مال یعنی "کالا" اور دویپہ یعنی "جزیرہ" دیا گیا ہے۔ مجموعی

طور پر اس کے معنی "کالی مٹی" کے ہیں۔ ملبرن (Milburn) کے مطابق ۱۵۰۷ء میں یہ جزیرہ پرتگالیوں نے دریافت کیا۔

MALUM,s

مالم، معلم، اسم ذات

جہاز میں انگریزی افسران اور مقامی عملے کے ساتھ کام کرنے والا "مالم صاحب" کہلاتا ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ "معلم" ہے جس کے لغوی معنی استاد کے ہیں۔ اس لفظ کا باقاعدہ اطلاق بحری جہاز چلانے والے پر ہوتا ہے۔ معنوی حوالے اِس لفظ کا نیوی (بحری فوج) میں مستعمل لفظ "ماسٹر" سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ کچھ کتب میں معلم یا کپتان کی بجائے "ناخدا" کا لفظ بھی نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس کے باقاعدہ معنی جہاز کے مالک کے ہیں مگر اکثر و بیشتر یہ دونوں صلاحیتیں ایک شخص میں اکٹھی ہوتی ہیں۔
ناخدا اور معلم کے درمیان امتیاز قائم ہونے کی اصل وجہ آغاز میں اِس کا کارکن کے معنوں میں استعمال ہونا ہے۔

MAMIRAN, MAMIRA,s

مامیرن، مامیرہ، اسم ذات

پرانے وقتوں ہی سے مشرق میں یہ دوا بہت شہرت رکھتی ہے۔ خصوصاً اسے آنکھوں کی بیماریوں کے لیے موثر دوا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ہمالیہ اور اس سے آگے کے علاقے سے برآمد کی جاتی ہے۔ یہ پنجاب کے بازاروں میں فروخت کی جانے والی ایک مقبول مقامی دوا ہے جو اب بھی مامیرہ یا پیلیاری کے نام سے جانی جاتی ہے۔ غالباً اس نام کا اطلاق تقریباً اس جیسے خصائص کی حامل کڑوی جڑوں پر ہو گا مگر یقیناً اِس کی بہت سی اقسام ہیں۔ ہنبری (Hanbury) اور فلکیگر (Fluckiger) کو پٹس ٹیٹا (Coptis Teeta) کا جڑ نما تنا بتایا ہے۔ وادی آسام کے سرے پر واقع میشمی کے علاقے میں اِس دوا کا نام ٹیٹا ہے۔ اِسی نام کے تحت یہ یہاں سے بنگال میں درآمد کی جاتی ہے۔ سٹیورٹ (Stewart) نے پنجاب کے بازاروں میں فروخت ہونے والے مامیرہ کو تھلکرم فولیوسم (Thalicrum foliosum) کہا ہے۔ عموماً یہ لمبا پودا درمیانی اونچائی (۵۰۰ سے ۸۰۸ فٹ) کی حامل ہمالیہ اور کاسیا کی پہاڑیوں میں پایا جاتا ہے اسے کامون سے مومری (Momiri) نام کے تحت برآمد کیا جاتا ہے۔

MAMLUTDAR,s

معاملہ تدار، اسم ذات

معاملہ تدار کا لفظ فارسی سے ہندی میں آیا ہے۔ (اصل ماخذ عربی زبان کا لفظ "معاملہ" ہے)۔ مغربی ہندوستان میں مراٹھی زبان کا لفظ ماملہ تدار استعمال

ہوتا ہے۔ پہلے یہ مقامی حکومت کے تحت ضلعی چیف سول افسر کے عہدے کا نام تھا۔ اب بمبئی میں تالوک (Talook) کے مقامی سول افسر کو یہ نام دیا جاتا ہے۔ یہ عہدہ اور بنگال کے علاقے پر گنا کے تحصیل دار کا عہدہ تقریباً ایک جیسا ہے مگر حیثیت کے اعتبار سے یہ زیادہ اہم ہے

MAMOOL,s; MAMOOLEE

معمول، معمولی، اسم صِفت

اس کے معنی رسم و رواج کے عین مطابق یعنی مروجہ کام کے ہیں۔ ہندی میں یہ عربی لفظ معمول سے آیا ہے جس کے لغوی معنی "عام قاعدے" کے ہیں۔ عدالتی فیصلوں میں وکلاء کے درمیان اس کا استعمال عام ہے مثلاً کسی فیصلے کو ملک کے معمول کے مطابق یا مخالف کہنا۔

MAMOOTY, MAMOTY, MOMATTY,s

ماموتے، مموتے، موماتے اسم ذات

یہ ہندوستان میں استعمال ہونے والا زمین کھودنے کا ایک آلہ ہے۔ اس کی شکل پھاوڑے جیسی نہیں ہے، یہ لمبے دستے والا ایک کھرپہ ہے جس کا ایک حصہ دھاری دار ہوتا ہے اور نوے سے کم درجے کے زاویے پر قبضہ لگا ہوتا ہے۔ اصل میں یہ جنوبی ہندوستان کا لفظ ہے۔ تامل زبان کا لفظ مان وینی یعنی "زمین کاٹنے والے" کے ہیں۔ اس دیسی لفظ استعمال تامل کے علاقے تک ہی محدود ہے۔ مگر یہ اصطلاح تمام ہندوستان کے ہتھیاروں کے دکانوں کی فہرستوں میں بہت عرصے سے موجود ہے۔ چنانچہ اینگلو انڈین میں تیزی سے رواج پا رہی ہے۔

MANCHUA,s

منچوا[6]، اسم ذات

سامان اٹھانے والی ایک بڑی کشتی، چکور بادبان اور ایک مستول والی یہ کشتی مالا بار کے ساحلوں پر اکثر استعمال ہوتی ہے۔ یہ لفظ اصل نام کی تبدیل شدہ پرتگالی شکل ہے۔ ملیالم زبان کا لفظ منجی اس کا اصل ماخذ ہے۔ (منجی، سنسکرت لفظ منچہ کے لغوی معنی "ایک چھوٹے پلنگ" کے ہیں۔ سامان اٹھانے کے لیے بنائے گئے پلیٹ فارم اور اس کی ظاہری مشابہت کے باعث یہ اِس نام سے موسوم ہوا ہے)۔ آج کل منجی کا لفظ زیادہ مستعمل ہے، بلاشبہ یہ زیرِ بحث لفظ سے قریب ترین۔

MANDADORE,s

مندادور، اسم ذات

یہ لفظ پرتگالی الاصل ہے۔ کمان دار۔

MANDALAY, MANDALE,n.p

مینڈلے،اسم معرفہ

۱۸٦۰ء میں برما کے بادشاہوں نے مینڈلے کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یہ سابقہ دارالحکومت امارہ پورہ کے شمال سے سات میل اور ایراوادی کے بائیں ساحل سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ نام ایراوادی کی زرخیز زمین پر واقع مخروطی شکل کی الگ تھلگ پہاڑی سے لیا گیا ہے۔ غالباً اس پہاڑی کا نام لفظ مندرہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہندو اساطیر میں مندرہ کو ایک مقدس پہاڑی کی حیثیت حاصل ہے جس سے دیوتا سمندری طوفان کی تباہ کاری سے محفوظ ہوتے تھے۔ میجر گرانٹ الان (Grant Allan) کے تیار کردہ نقشوں میں اِس پہاڑی کو مندیے ٹانگ (Mandiye tang) کا نام دیا گیا ہے۔

MANDARIN,s

ماندرین[7]،اسم ذات

پرتگالی زبان میں مندرج اور مندرم کے الفاظ موجود ہیں۔ تاہم وتیح وُڈ نے اِس لفظ کے معنی اور اشتقاق کی تفصیلی وضاحت کی ہے۔ "ایک چینی افسر، سب سے پہلے پرتگالیوں نے ہمیں اس نام سے متعارف کروایا۔ البتہ بعد میں اسے بھی ہندوستان کی ایک مقامی اصطلاح فرض کر لیا گیا۔ پرتگالی لفظ "ماندر" میں اختیار عبور حاصل کرنے اور کنٹرول رکھنے کے معنی موجود ہیں۔ ٹی ہیڈی بھی پرتگالیوں کے ذریعے اِس لفظ کے زیرِ غور آنے کے ہم خیال ہے مگر یہ اس خیال کی حیثیت ایک تواتر سے کی جانے والی پرانی غلطی سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ مندرج کو لفظ ماندر سے اخذ کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ غالباً پرتگالی مشرقی عہدہ داران کے لیے "منددور" جیسا کوئی لفظ استعمال کرتے ہوں گے۔(MANDADORE کے ذیل میں دیکھیں)۔ مگر ماندرین کے لفظ "ماندر" سے اخذ کرنے کی ایک ممکنہ وجہ یہ خیال ہے کہ جب انگریز بحری مسافر چین یا مشرق بعید میں کسی ملک کے دورے پر آئے ہوگے تو یقیناً اُس ملک کے افسروں کے لیے انھوں نے ہی انگریزی زبان کے لفظ آرڈر سے آرڈامبُس (Orderumbos) کا نیا اور خلافِ معمول لفظ ایجاد کیا ہو گا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ ہندی لفظ سنسکرت لفظ "منتری" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس کے معنی "ناظم" یا "ریاست کے وزیر" کے ہیں۔ دراصل یہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں استعمال ہونے والی ایک باقاعدہ اصطلاح ہے۔ اِس اصطلاح کو بہت سے ہند چینی ممالک نے اپنایا۔ اسے رواج دینے میں مالے کا کردار اہم ہے۔ مالے میں اعلیٰ درجے کے افسروں کے لیے اِس لفظ کا استعمال عام تھا ۔(کلنکرٹ Klinkert نے بھی "منتری" کے لفظ

پر بحث کی ہے اور اسے سنسکرت سے اخذ کیا ہے جب کہ کرافرڈ نے اسے پرتگالی الاصل کہہ کر قاری کو حیران کیا ہے۔ البتہ یہ خیال بھی بعید از قیاس نہیں ہے کیوں کہ عین ممکن ہے کہ غیر شعوری طور پر دونوں الفاظ کے معنی میں موجود مماثلت کے باعث "منتری" کے لفظ کو بگاڑ کر "ماندر" کی نئی شکل دے دی گئی ہو۔ مرسڈن (Mersden) نے تمام آراء سے انحراف کر کے ایک انوکھا خیال پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "درجہ بندی میں سلطان سے اگلا عہدہ منتری کا ہے، جو غالباً لفظ ماندرین کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو چین میں مستعمل ایک امتیازی خطاب ہے"۔ رٹر (Ritter) اور اے۔ڈبلیو سکلیگل (A.W.Schlegel) نے "ماندر" سے اشتقاق کو درست تصور کیا ہے۔ درست مادے کی نشاندہی **"نوٹس اینڈ کیوریز ان چائنہ اینڈ جاپان"** میں کی گئی ہے۔ بہت سی کتب اِس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ اس خطاب کا چین سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ دراصل مالے اور برطانوی ہندوستان میں ریاست کے افسروں کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ ہم اس بحث میں لفظ "منتری" کو بھی شامل کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ اب تک بنگال کی مشرقی سرحد کے غیر مہذب پہاڑی نسلوں میں چیف سے نیچے کے معمولی افسران کے القاب کے طور پر رائج ہے۔

MANDRIN LANGUAGE,s
ماندرین لینگوج، اسم ذات

یہ چین میں عوامی بولیوں کے متضاد عہدے داران اور ادبی طبقے کی بولی جانے والی زبان کا نام ہے۔ چینی میں یہ زبان (Kuan-Hua) کہلاتی ہے۔ چین کے شمالی اور درمیانی خطے میں لوگوں کی مناسب تعداد یہ زبان بولتی ہے۔ اب تو یہ (Yun-nan) کے علاقے تک پھیل گئی ہے۔ کتابوں میں یہ ادبی انداز کے ساتھ بھی ناگوار محسوس نہیں ہوتی۔

MANGALORE, n.p
مینگلور، اسم معرفہ

(ا)۔ جنوبی کنارا کے ساحل پر واقع بندرگاہ اور ضلع کے مرکزی قصبے کا نام مینگلور ہے۔ یہ مقام بارہ سے اکیاون درجے شمالی عرض بلد پر واقع ہے۔ میر حسین علی کی کتاب "لائف آف حیدر" میں اسے "گوریل بندر" (Gorial Bunder) کہا گیا ہے۔ غالباً یہ کندیال (Kandial) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا میں کندیال کو جدید مقامی نام بتایا ہے۔ اپنی اِس صورت میں یہ نام گیارہویں صدی کے کتبوں میں ملتا ہے۔ مگر اِس کی اصل صورت یا ماخذ کے متعلق کچھ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ (کہا جاتا ہے کہ موجود نام منگلا دیوی کے مندر سے لیا گیا ہے) مگر عام طور پر ہندوستان میں

منگلا کا لفظ ہی مستعمل ہے جس کے معنی خوشی کے ہیں۔

(ب)۔ خلیج نما کے ساحلوں میں گجرات کو ابتداء ہی سے شہرت حاصل ہے۔ اب اسے عموماً منگرول کا نام دیا جاتا ہے۔

(ج)۔ پشاور کے شمال میں واقع سوات کی ایک وادی کا نام بھی منگلاور ہے۔ ہوین تسانگ (Hwen Tsang) نے اسے گندھارا کا شہر بتایا ہے۔ غالباً یہ وہی شہر ہے جس کے سنسکرت ادب میں "ادیانہ" کے دار الحکومت کہا گیا ہے۔

MANGELIN,s

مینگلن، اسم ذات

وزن کا چھوٹا باٹ، جسے عام طور پر ایک قراط کے برابر برتا جاتا ہے۔ یہ باٹ جنوبی ہندوستان اور سیلون میں قیمتی پتھروں کا وزن کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تلگو میں منجال اور تامل میں منجاڈی کا لفظ موجود ہیں۔ (غالباً سنسکرت زبان کا لفظ "منجو" [8] ان دونوں کا ماخذ ہے جس کے معنی "خوبصورت" کے ہیں۔) یہ باٹ دراصل رتن گج کے بیج ہیں۔ منجاڈی کے بیج بہت پہلے سے وزن کی پیمائش کے لیے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ پچاس مینگلن کا پارسل تقریباً ۱۳۔۴ گرین [9] کے برابر ہو گا۔

MANGO,s

مینگو، اسم ذات

یہ مینگفرا انڈیکا (Mangifera Indica) کے خاندان کا شاہانہ پھل ہے۔ اعلیٰ معیار کے مینگو کا شمار دنیا کے بہترین اور ذائقے دار پھلوں میں ہوتا ہے۔ دراصل یہ تامل لفظ "مان کائے" یا "مان گائے" ہے۔ "مان" کے معنی "درخت" کے ہیں۔ پرتگالی میں "مینگا" کا لفظ ہے۔

غالباً اسی لفظ کو ہم نے مینگو کی شکل دے دی ہے۔ ہندوستان کے بہت سے جنگلوں میں اس کے جنگلی درخت موجود ہیں مگر ان کا پھل کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔

بعض اوقات اسے ملاوی لفظ تصور کر لیا جاتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ نام بحر الجزائر میں جنوبی ہندوستان سے لائے گئے اس پھل کے ساتھ ہی متعارف ہوا تھا۔ رمفیس (Rumphus) نے ان جزیروں میں اس کے موجودہ تعارف کا سراغ لگایا ہے اور "مینگکہ ول ولگو منگا اِٹ ماپلم" کو اس کا نام بتایا ہے۔ اس طویل نام کا صرف آخری حصہ "ماپلم" تامل زبان کا لفظ ہے۔ ملاوی لفظ "مینگکہ" اور پرتگالی لفظ "مینگا" کے درمیان مماثلت سے یہ خیال سامنے آتا ہے کہ شائد یہ نام "ملاکا" سے اخذ کیے گئے ہیں۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ مینگا کا لفظ "ورتھیما" (Varthema) نے بھی استعمال کیا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ گارسیا نے ان

کے متعلق وثوق سے کہا ہے کہ یہ صاحب کبھی بھی مالا بار سے باہر نہیں گئے۔

(سکیٹ صاحب لکھتے ہیں "مینگا" جدید ملاوی لفظ ہے غالباً پرتگالی لفظ اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔)

بظاہر مڈغاسکر میں یہ لفظ ملائی نو آبادکاروں کی بدولت متعارف ہوا۔ یہاں ان نو آبادکاروں کی زبان نے واضح اثرات مرتسم کیے تھے۔ چنانچہ یہاں یہ مینگکہ کی شکل میں ملتا ہے۔ اس نام اور پھل کا عرب کی درآمدات کی صورت میں یہاں متعارف ہونا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

شمالی ہندوستان میں اس کے لیے آم اور انبہ کے نام مستعمل ہے۔ اس نام کی مختلف صورتیں ہمیں قدیم انگریزی مصنفین کے ہاں نظر آتی ہیں۔ کن کان کے رہائشی فرڈینڈ جارڈنس (Fr. Jordanus)نے گوا اور بمبئی کے مینگو (آم) کی تعریف کی ہے۔ تقریباً تیس سال بعد جان ڈی میرگنلولی (John de' Marignolli)کی تحریر میں "امبورن" (Amburan)نام کے پھل کا ذکر ملتا ہے جس کا ذائقہ اور خوشبو بہترین ہے اور کسی حد تک آڑو سے مماثل ہے۔ گارسیا دی عورتا نے بتایا ہے کہ بمبئی کا یہ پھل کافی مہنگا تھا۔ گمان ہے کہ وہ ایسے کسی پھلدار درخت کے مالک تھے۔ اس کا سنسکرت نام امرہ (Amra)ہے۔

غالباً مینگو وہی پھل ہے جس کی طرف تھیو فراسٹس (Theophrastus)نے اشارہ کیا تھا کہ یہ سکندر اعظم کی فوج میں پیچش کی بیماری کا باعث بنا تھا۔ پھل کے ساتھ یہ نام موریشیس اور جنوبی ہندوستان لے جایا جا چکا ہے۔ سر پروبی کٹلی (Sir Proby Cautly)کی ہندوستان کو پیش کی گئی ان گنت خدمات میں ایک اِس پھل کی بالائی ہندوستان میں افزائش بھی ہے۔ انہوں نے بمبئی کے اس پھل کو گنگا اور جمنا کے کنارے اگانے کے خاطر خواہ انتظامات کیے۔ سلطان بار کے قول کے عین مصداق اس پھل کے متعلق یہ درست ہے کہ اس کی عمدگی کا انحصار اس کی مختلف اقسام پر ہے۔ عام مینگو کی حیثیت ایک معمولی پھل سے زیادہ نہیں ہے جب کہ منفرد خصوصیات کا تعلق اس پھل کی مخصوص اقسام کے ساتھ ہیں۔

MANGO-BIRD,s

مینگو برڈ[10]، اسم ذات

یہ خوبصورت سنہری کوے [11] مشہور اینگلو انڈین نام ہے۔ مینگو کے درختوں کے جھنڈ اور دیگر باغات سے آتی ہوئی اس کی اونچی نرم سیٹی جیسی آواز دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بالائی ہندوستان میں موسم گرما کی آمد کے ساتھ ہی اس پرندے کی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔

MANGO-FISH,s

مینگو فش[12]، اسم ذات

یہ ایک بہترین مچھلی کا جانا پہچانا نام ہے۔ یہ ذائقے میں کسی حد تک غذائی مچھلی سمیلٹ (Smelt) سے مماثل ہے، مگر ڈاکٹر ماسُن (Mason) کی رائے میں یہ شاہ ماہی کے زیادہ قریب ہے۔ موسم گرما کے آغاز میں یہ کلکتہ کے بازاروں میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ مہنگے داموں فروخت ہوتی ہے۔ خصوصاً انڈوں والی مچھلی کی قیمت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا ہندوستانی نام 'تپسی' یا 'تپاسی' ہے جس کے معنی ایک "راہب" یا "تائب" کے ہیں، مگر ہم اس نام کی منطق سے واقف نہیں ہے۔ بوچنان(Buchanan) کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سر کے پاس پھیلے ہوئے لمبے ریشے ہیں۔ اسی باعث مقامی لوگ اس کا تعلق ایک ایسے تائب کے ساتھ قائم کرتے ہیں جس کے داڑھی مونڈ ھنے پر پابندی ہوتی ہے۔[ڈاکٹر گریرسن (Grierson) لکھتے ہیں "میں کبھی بھی ایک مچھلی اور تارک الدنیا درویش کے مابین کوئی تعلق دریافت نہیں کر سکتا۔ الا یہ کہ یہ مچھلی آوارہ گرد فقیروں کی طرح ہیں جو بارش شروع ہوتے ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ بدھ مت کی اصطلاح' اپوستھا' سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر تپسیہ کا مطلب " جل کر پھر پیدا ہونے" کے ہیں۔ اس کا اطلاق پھاگم کے مہینے (فروری، مارچ) پر ہوتا ہے، جب پھلیاں ظاہر ہوتی ہے۔ غالباً یہی اسی نام کا ماخذ ہے۔

MANGO-SHOWERS,s

مینگو شاورز، اسم ذات

مارچ اور اپریل کے مہینوں میں، جب آم پکنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ایسے میں مدراس میں برسنے والی پھوار کے لیے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

MANGO-TRICK

مینگو ٹرک

یہ ہندوستان کے بازیگروں کی مشہور چالوں میں سے ایک ہے جس میں یہ مینگو کے بیج سے ایک پودا لگاتے ہیں، پھر تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد درخت کو زمین سے اُگتا ہوا دکھاتے ہیں، جس پر یک بعد دیگرے پتے، پھول اور پھل اگتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس تماشے کا ذکر کئی جگہوں پر ملتا ہے مگر یقیناً بادشاہ جہانگیر کی سوانح میں اس کا ذکر ہمارے یقین کو مضبوط کرتا ہے۔

MANGOSTEEN,s

مینگوسٹین[13]، اسم ذات

کرافرڈ کے خیال میں جاوی لفظ منگس کا ماخذ ملاوی لفظ 'منگستہ' ہے۔ جبکہ فیور (Favre) نے ملاوی لفظ

'منگستان'' کو اس کا ماخذ بتایا ہے۔ سکیٹ صاحب لکھتے ہیں ''خلیج نما کے جنوبی ساحل پر لفظ کی جدید شکل فنگس مستعمل ہے جبکہ جاوی میں منگستہ یا منگستان کے الفاظ کبھی بھی استعمال نہیں ہوئے۔ فر لینڈ صاحب (Farland) کی سیامی گرائمر میں مانگخط (Maannkhut) کا لفظ ملتا ہے۔ غالباً یہ ملاوی لفظ منگستہ سے آیا ہے۔ یہ جاننا میرے لیے دلچسپی کا موجب تھا کہ اس لفظ کی کچھ منفرد شکلیں اب تک اس پھل کے نام کی حیثیت سے مشرقی ساحل پر واقع پتانی کلنتان (Patanikelantan) کے علاقے میں محفوظ ہیں جہاں اسے بوا (Bawah) (سیتا، سیتر (ستار پھل) یا کبھی کبھار مستر یا مسیتر بھی کہا جاتا تھا۔ بلاشبہ یہ اس کی قدیم شکل فنگستار، ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ لذیذ پھل پورے بحر الجزائر اور سیام (تھائی لینڈ) میں اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ (بعض جگہوں پر یہ نام تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ مستعمل ہے)۔ یہ سخت گرمی میں افزائش پانے والا پھل ہے۔ یہ ساحلی علاقے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ مالے کی خلیج نما اور متصل جزیروں کا مقامی پھل ہے۔

MANGROVE,s

مینگرو، اسم ذات

یہ سمندر سے محبت کرنے والی مچھلی رائزوفورا (Rhizophoror) کی ایک قسم ہے۔ ابن سینا نے اس نام کے ماخذ کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان کے پیش کیے گئے دو ماخذات کے متعلق کچھ شبہات ہیں۔ کرافرڈ کے مطابق ماضی میں ملاوی میں مچھلی کی اس قسم کو منگی منگی کہا جاتا تھا۔ ملاوی ہی اصطلاح انگریزی نام کا ممکنہ ماخذ دکھائی دیتی ہے۔ اویڈر (Ovide) نے جنوبی امرکہ میں لفظ منگل (Mangel) کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے۔ یہی لفظ فرانسیسی لفظ ''مینگر'' کا ماخذ ہے۔ ہمیں انگریزی لفظ کے ماخذ کی دریافت کے لیے مناسب طریقے اختیار کرنا چاہئے۔ یہ دونوں اقسام ماضی سے اب تک دریا کے مدوجزری دہانے پر ہمیشہ سے پائی جاتیں ہیں۔

[سکیٹ صاحب کو یقین ہے کہ قدیم انگریزی اور فرانسیسی میں یہ لفظ مینگل (mangle) ہی ہے۔ ممکن ہے کہ 'سینگرو' کے لیے 'سنگل گرو'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کلنکرٹ (Klinkest) نے ملاوی لفظ '' منگی منگی '' کو مقامی لوگوں کے ایک لفظ کو دوبار دہرانے کی عادت سے تعبیر کیا ہے۔ خلیج نما میں مینگرو کو بکاؤ کہا جاتا ہے)۔ مینگرو[14] ہندوستان کے تمام ساحلوں پر کثرت سے پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر دریائے گنگا کے ڈیلٹا، جنوبی مالا بار کے گہرے پانیوں میں، اور دریائے سندھ کے دہانے پر پائی جاتی ہے۔]

MANILLA-MAN,s

منیلا مین، اسم ذات

اس نام کا اطلاق فلپائن کے مقامی باشندوں پر ہوتا ہے۔ جنہیں جہاز کے عرشے پر ملازم رکھا جاتا ہے اور یہ بالخصوص چین کے طویل بحری سفر پہ مشرق الہند کے ملاح عملے میں پیغام رسانی اور جہاز کی سمت کے تعین کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ مگر ولسن (Wilson)[4] کے مطابق منیلا مین جنوبی ہندوستان میں مخلوط انسل کے لئے مستعمل ہے۔ یہ تلگو لفظ منیلا واڈو (Manela vadu)ہے۔ یعنی " قیمتی پتھروں اور مرجان کا بیوپاری سیاح غالباً اسی لحاظ سے جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے، سنسکرت لفظ "منی" کے معنی ' ایک قیمتی پتھر ' کے ہیں، مگر پرتگالی کی کچھ آمیزش کے ساتھ یہ منیلا (manilla)بن گیا ہے جس کے معنی ' ایک کڑا ' ہے۔

(COBRA-MANILLA)سے تقابل کریں)

MANJEE,s

منجی

مالک، یا کسی بھی کشتی یا دریا مین چلائے جانے والے مقامی جہازوں کا جہاز ران؛ ہندی میں مانجھی (manjhi)، بنگالی میں ماجی (maji)اور ماجھی (majhi)کے الفاظ ہیں} یہ تمام سنسکرت کے لفظ مدھیا (madhya) سے اخذ شدہ ہیں جس کے معنی " ایسے آدمی کے ہے جو درمیان میں کھڑا ہو{ یہ لفظ راج محل کے پہاڑی لوگوں یا پحارٹ Paharis) (کے سردار کے خطاب کے طور پر بھی مستعمل ہے۔} یہ لفظ مجھوار(Majhwar)کا ہم معنی بھی ہے، اور شمالی مغربی سرحدی صوبوں اور ناگ پور کی سرحدوں پر آباد ایک اہم دراوڑی قبیلے کا نام بھی ہے۔

MANNICK JORE,s

مانک جور

ہندی زبان میں سفید گردن والے سارس کو مانک جو رکہتے ہیں۔ جارڈن (Jerdon) کے مطابق بعض اوقات یہ بنگال میں سیخ پر بھون کر پکائے جانے والے پرندے کو یہ نام دیا جاتا ہے ،
اس طرح پکانے سے اس کی لذت میں اضافہ ہو جاتا ہے، مانک جور کے معنی مانک کے ساتھی کے ہیں، صوفی اور کچھ مسلمان کچھ وجوہات کے باعث اسے کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ (پلیٹس نے اسے مانک[15] سے اخذ کیا ہے۔ جس کے معنی لعل کے ہے۔

MARAMUT, MURRUMUT,s

مرمت، مُرمت

مرمت کا لفظ ہندی میں عربی زبان سے آیا ہے۔ جس

کے معنی صحیح کرنے کے ہے۔ ہندوستان میں یہ انہی معنوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔ ہندی میں ہمیشہ اختتامیہ 'ت' بولا جاتا ہے ۔جب کہ یہ عربوں میں نہیں بولا جاتا) چاہے اس کا اطلاق موزے ، قلعہ یا جہاز پر کیا جائے مگر ماضی میں مدراسی صدرارت میں یہ لفظ ایسی انتظامی شاخ کا نام رہا ہے جس کی ذمہ داریوں میں آبپاشی کے حوضوں کا تحفظ اور اسی نوعیت کے دیگر کام شامل تھے۔ یہ شعبہ جات ضلعی افسران کے تحت کام کرتے تھے کیونکہ ریاست میں شہری امور کا علیحدہ سے کوئی شعبہ نہ تھا یہ ہندوستانی تاریخ کے ایک دور میں مسلمانوں کی کی قوت کی وسیع اور حیرت انگیز مثال ہے کہ عربی کا یہی لفظ مرما کی صورت میں ابھی تک سسلی میں پالرمو کے کلیسا اور ڈومو کی مرمت کرنے والی قائمہ کمیٹی کے لئے استعمال ہوتا ہے اسلامی طاقت و قوت اور وسیع غلبہ کی ایسی ہی ایک نظیر کو ایک مسلمان مصنف نے بیان کیا جس کو اماری نے بھی سسلی میں مسلمانوں کی حکومت کی تاریخ میں نقل کیا ہے وہ یہ کہ خلیفہ المامون جس کے عہد میں فتوحات کا دائرہ بیک وقت سسلی اور ہندوستان تک بڑھ رہا تھا نے حکم دیا کہ ہندوستان کے کافروں سے لئے گئے بتوں کو سسلی کے کافروں تک فروخت کی غرض سے بھیجا جائے ۔

MARGOSA,s

مرگوسا ،اسم ذات

یہ جنوبی ہندوستان اور سیلون میں نیم کے درخت کا استعمال نام ہے یہ لفظ پرتگالی زبان کے لفظ امرگوسا کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ہیں کڑوا ہونا جو کہ اس درخت کی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے ایک ہندوستانی ضرب المثل میں اس کی بہتر کڑواہٹ کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ ضرب المثل تقریباً اتنی ہی قدیم ہے جتنی جاتکہ کی روایات ہیں۔ "نیم کا درخت کبھی شیریں نہیں ہو سکتا چاہے تم اس میں کتنا ہی گھی اور میٹھا شربت ڈال دو۔

MARTABAN,n.p

مرتبان،اسم معرفہ

یہ ایک روایتی نام ہے اسے تمام ایشیائی اور یورپی تجارتی اقوام نے خلیج ستانگ اور ایراوادی ڈیلٹا کے مشرق میں واقع بندر گاہ کے لیے استعمال کیا۔ عہد ماضی میں یہ ایک عظیم تجارت گاہ تھی مگر اب زوال کا شکار ہے۔ اصلی نام تلنگ زبان میں موتامن ہے جس کے معنی کی تصدیق سے ہم قاصر ہیں۔

MARTABAN,s

مرتبان،اسم ذات

یہ نام ایک خاص قسم کے روغنی بڑے حجم کے مٹی کے

برتن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو کہ تمام مشرق میں کئی سالوں سے مشہور معروف شے ہے اسے مرتبان (بندرگاہ) سے برآمد کیا جاتا رہا ہے۔ ان کو بعض اوقات پیگو جار بھی کہتے ہیں۔ ۱۸۵۱ء کی عظیم نمائش میں اسی نام سے ان کے نمونے رکھے گئے تھے ہم اس کی تیاری کے عمل کے بارے میں جدید معلومات حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ لفظ ہندوستان میں سوائے تلگو کی مقامی اصطلاح کے اب متروک ہو چکا ہے۔ (مگر یہ ہندوستان کے مضافات میں متروک نہیں ہوا۔ مرتبان ایک چھوٹا مگر گہرا، لمبوترا یا دراز حجم کا مٹکا ہے جس کو ہندو اور مسلمان اچار اور تیزابی اشیاء رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ہندی زبان میں اس کا اصل مادہ امر تا بان (Im-rita-ban) ہے جس کے معنی ہیں 'آب حیات کا مالک' عربیک نائٹس (Arabic Nights) میں یہ لفظ مبینہ طور پر برتمان (Bartman) ہے اور اسے صراحی یا مٹکے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس میں سونا دفن کیا جاتا تھا۔

بیل صاحب (Mr. Bell) نے مٹی کے کچھ برتن میل (Male) میں دیکھے جو تقریباً ۲ فٹ اونچے تھے انہیں رمبا (rumba) کہا جاتا تھا۔ دیگر لمبے اور کنستر کی شکل کے برتنوں کو ماتبان کہا جاتا تھا۔

MARTIL, MARTOL,s

مارتل، مارتول، اسم ذات

ایک ہتھوڑی، ہندی لفظ مارتول (Martol) پرتگالی زبان کے لفظ مرتیو (Martello) سے ماخوذ ہے مگر اس کا خیالی تعلق ہندی لفظ مارنا (Mar-na) سے ہے جس کے معنی ہیں۔ "ضرب لگانا"۔

MARTINGALE,s

مارٹنگیل، اسم ذات

یہ کوئی خاص اینگلو انڈین لفظ نہیں مگر اس کو متعارف کروانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اسے عربی لفظ تصور کر لیا جاتا ہے۔ مقبول عام نظر یہ اور ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ یہ لفظ افسانوی مارٹنگیل سے لیا گیا ہے مگر بظاہر یہ لفظ فرانسیسی زبان کا لگتا ہے۔ [سیکٹ صاحب لکھتے ہیں "میرے مطابق رچرڈسن کی طرف سے پیش کردہ عربی لفظ "رتکہ" ہی اساسی لفظ ہے جب کہ "رتک" سے مراد تیز چھوٹے قدم اٹھا کر چلنا ہے مگر لگام کے معنی کا حامل ہسپانوی لفظ المرتگہ (Al-martaga) بھی زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ جسے یوریا (Urrea) کے خیال میں عربی زبان کے فعل 'رتکہ' سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ بجا طور پر مارٹینگیل کا ماحصل ہے اور میں برملا یہ کہتا ہوں کہ یہ لفظ انگریزی، ہسپانوی اور فرانسیسی میں دراصل براہ راست عربی زبان ہی سے آیا ہے۔ البتہ ڈوزی (

Dozy)اس بات کا حامی ہے کہ یہ ہسپانوی لفظ المرتأ (Al-Mirta'a)سے نکلا ہے جس کے معنی "رسی" کے ہیں۔]

MARWAREE, n.p

مارواڑی،اسم معرفہ

لفظ مارواڑی سے مراد مارواڑ یا ریاست راجپوتانہ کے شہر جودھاپور کا باشندہ ہے۔[غالباً اس کا ماخذ سنسکرت لفظ 'مارو' ہے جس کے معنی ہے صحرا] ۔یہ لفظ ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں بنیا کے مترادف کے طور پر مستعمل ہے در حقیقت بہت سے تاجر اور ساہو کار مارواڑ سے ہی آتے ہیں۔ ان میں بیشتر مذہبی لحاظ سے جین مت[5☆] کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

MARYACAR,n.p

مریکر،اسم معرفہ

آرڈرمنڈ (R. Drummond)کے مطابق ان کی کتاب کے بھارتی کتب خانے میں رکھے گئے نسخے پر نوٹ تحریر ہے کہ مالا بار میں کیتھولک کے لوگوں کو برائے نام مریا کرر (Marya Karor)یا مرے کے لوگ (Marys People) کہا جاتا تھا۔[یہ لفظ بلاشبہ مرکر معلوم ہوتا ہے۔ جس کی دو توضیحات دی جاچکی ہیں۔ لوگان (Logan) لکھتے ہیں کہ مر کر کے معنی فاعل یا قانون کی پاسداری کرنے والے کے ہیں۔ اس کا اطلاق پر دیسی مذہب پر ہوتا ہے مثلاً مسلمانوں اور عیسائیوں پر۔ مدراس گلوسری کے مطابق یہ ملیالم زبان کے لفظ مرکالم (Marakkalam)معنی کشتی سے مشتق ہے، اور کر کا خاتمہ تصرف کو ظاہر کرتا ہے ، اور یہ جنوب مغربی ساحل پر آباد موپلا مسلمانوں کا برائے نام خطاب ہے۔]

MASCABAR,s

ماسکبار،اسم ذات

سی۔ پی۔ براؤن (M.S. notes)کے مطابق یہ ایک ہندپرتگالی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہے مہینے کا آخری دن ہے۔ ان کے مطابق اس لفظ کا اصل مادہ ہندی زبان میں ماسکی ہے بمعنی مہینے کے بعد شمالی ہندوستان کے عوامی دفاتر میں ماسکبار کا لفظ مہینے کے دوران نمٹائے جانے والے مقدمات کے ماہانہ فیصلوں کے لیے عام مستعمل ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ پرتگالی لفظ میسکبار کو ظاہر کریا ہے جس کے معنی ہے مہینے کے آخر، مگر پلیٹس کے مطابق یہ غالباً ہندی زبان کے لفظ ماسکاوار یا مسک وار کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

MASH,s

ماش،اسم ذات

ماش ہندی زبان کا لفظ ہے۔ سنسکرت لفظ میں ماش کے معنی، ایک پھلی کے ہیں۔ یہ ہندوستان میں عام استعمال ہونے والی ایک دال ہے۔

MASKEE,s

مسکی،اسم ذات

یہ چینی پیجن کی اصطلاح ہے جس کے معنی ہے برا نہ منائے۔ یہ لفظ چین میں مستقل مغربی افراد کی زبان پر رہتا ہے یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شاید پرتگالی اظہار کی بگڑی یا ترمیم شدہ شکل ہو مگر اس کا کوئی تسلی بخش جواب میسر نہیں آسکا۔ [مٹر سکیٹ رقمطراز ہیں۔ یقیناً یہ پرتگالی زبان کے لفظ مسکوتی سے ہے۔ اور اس کے مکاؤ سے مشتق ہونے کا واضح امکان ہے۔

یہ فرانسیسی لفظ ملگری (Malgre) کا ہم معنی ہے۔ جس کے معنی ہے اگرچہ، حتی کہ، چناچہ، پیجن میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔]

MASULIPATAM,n.p

مسولی پٹم،اسم معرفہ

مدراسی صدرات کے اس ساحلی دیہات کو بعض اوقات عامیانہ انداز میں مچھلی پٹن یا مچھلی بندر یا محض بندر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نام اسے مچھلیوں کا قصہ ظاہر کرتا ہے۔ [مدراس گلوسری میں ایک قدیم روایت موجود ہے، جس میں وہیل مچھلی کے ساحل پر پھنسے ہونے کا ذکر ملتا ہے]۔ شاید اس لفظ کا مادہ اسی واقعہ سے متعلقہ ہے۔ مگر قدیم عہد میں اس نام نے تبدیل ہو کر میسو پوٹیمیہ کی شکل لے لی۔ ۱۶۰۵ء میں لکھے گئے ایک خط میں میسو پوٹیمیہ کا نام ملتا ہے۔

MATE,MATY,s

میٹ،میٹِ،اسم ذات

خادموں کے سردار کا ماتحت معاون، مگر بعض اوقات تمام ہندوستان میں یہ لفظ نگران کار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ صدارت بنگال میں میٹ بیرر (Mate-bearer) کا لفظ معاون کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہاتھی کی دیکھ بھال کرنے والے ماہوت کا ماتحت معاون بھی میٹ ہوتا ہے۔ ایسے ہی قلیوں کا میٹ (سربراہ) بھی ہوتا ہے۔ مدراس میں میٹی نچلے درجے کا ملازم ہے جس کا کام برتن صاف کرنا، فانوسوں کا خیال رکھنا وعلی ھذا القیاس۔ اس لفظ کا اصل مادہ غیر واضح ہے۔ بعض کے خیال میں یہ انگریزی لفظ میٹی (Metti) بمعنی "رفیق" سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ ولسن (Willson) میٹی کو ملیالم کا ایک نمایاں لفظ قرار دیتے ہوئے نچلے درجے

کے گھریلو ملازم کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ [مدراس گلوسری کے مطابق یہ تامل زبان کے لفظ بِل بمعنی اونچا سے اخذ کیا گیا ہے] آخری لفظ کی اصلی کافی مبہم ہے ان تمام میں سے ایک بھی ماخذ اس حقیقت کی وضاحت نہیں کرتا کہ یہ لفظ آئین اکبری سے نکلا ہے۔ اکبر کے اقتدار میں ایک ہاتھی کے خدمت گزاروں کے تین درجوں کو بالترتیب مہاوت (Mahuwat)، بھوئی (Bhoi) اور میتھ (Meth) کا نام دیا جاتا تھا۔ حالات و واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے اِن میں سے دو اصطلاحات کو انگریزی کا بگڑا ہوا لفظ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ سنسکرت کی لغات میں بھی اس کا استعمال ملتا ہے۔ میٹھ، منٹھ اور مینڈہ کے معانی "ہاتھی کے نگران" یا کھلانے پلانے والے کے ہیں، مگر عام استعمال کے لیے ہم یہ سوال اٹھانے میں حق بجانب ہے کہ یہ الفاظ سنسکرت پراکرت کی اصل شکل ہے بھی یا نہیں؟ کیونکہ سنسکرت لفظ مترا کے معنی دوست یاساتھی کے ہیں۔ بلاشبہ پالی زبان کے لفظ میتہ (بمعنی دوستی) کا ماخذ سنسکرت لفظ مترا ہی ہے۔

MATRANEE,s

مترانی، اسم ذات

یہ ہندی لفظ فارسی زبان کے لفظ مہترانی (Mihtrani) سے آیا ہے۔ "ایک خاتون خاکروب" (دیکھیے مہتر Mehtar)۔ بعض جگہ یہ بھٹیارن کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ بھٹیارن، بھٹیارے یا سرائے چلانے والے کی بیوی کو کہتے ہیں۔

MATROSS,s

متروس، اسم ذات

توپ خانے کے سپاہیوں کا نچلا درجہ، یہ لفظ اب مکمل طور پر متروک ہو چکا ہے اور یہاں متعارف کروانے کی وجہ ہے کہ یہ انگلستان سے زیادہ ہندوستان میں خاصی مدت تک بولا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان کے قدیم کتب میں بھی نظر آتا ہے۔ بلاشبہ جرمنی (متروز Matrose) ، ولندیزی لفظ متروس (Matross) بمعنی "ایک ملاح"، فرانسیسی لفظ متلوت (Matelot) سے مماثل ہیں۔
اس کا مادہ اس قدر مبہم ہے کہ اس سے متعلق قیاسی رائے دینا بے معنی محسوس ہوتا ہے۔ ۱۷۷۱ء میں شاہی توپ خانے کے قیام میں جسے ڈنکن (Duncan) کی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان فوجی دستوں کے ساتھ ہمارے پاس سرجنٹ اور کارپول ہیں۔ چار بم برسانے والے، آٹھ بندوق چلانے والے، ۳۴ متروس (Matrosses) اور ۲ ڈھول بجانے والے، (متروس کا کام وزن اٹھانا، بندوقوں میں گولیاں بھرنا اور ہنگامی صورت حال میں ہر طرح

کی خدمت پیش کرنا ہے)۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اصطلاح کب متروک ہو چکی ہے یا اب تک مستعمل ہے دراصل یہ کسی نہ کسی حلقے میں استعمال ہوتی رہی ہے۔ میجر ڈنکن کی کتاب کے مطابق پہلے اس کا استعمال ۱۶۳۹ء میں منظرِ عام پر آیا اور ۱۷۹۳ء تک ترک بھی ہو گیا۔ ۱۷۹۳ء میں توپ خانے کو غیر کمیشن افسروں "سرجنٹ"، کارپورل اور بمبار عملہ کے علاوہ پہلے دوسرے توپچی، بندوق برداروں اور ملٹری ڈرائیوروں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم میں متروس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

MATT,s

میٹ، اسم ذات

لُس(سونے کا) تامل زبان میں یہ لفظ ماطو(Matto) ہے۔ شاید یہ سنسکرت لفظ ماترا سے آیا ہے جس کے معنی پیمائش کرنا ہے۔ بہت خالص سونے کو نو ماطو، کم تر درجے کے سونے کو پانچ یا چھ ماطو کہتے ہیں۔ پیمائش کے لیے جاپان میں بھی ایسا ہی لفظ مستعمل ہے جو بعض اوقات فیدم بھی کہلاتا ہے۔

MAUMLET,s

مالیٹ، اسم ذات

گھریلو ہندی میں آملیٹ کو مالیٹ کہتے ہیں۔ [مالیٹ نارنگی کے چھلکوں کو عرق میں ملا کر بنایا ہوا گاڑھا قوام ہوتا ہے۔]

MAUND,s

مانڈ، اسم ذات

یہ وزن کے باٹ کے لیے اینگلو انڈین کا مصدقہ نام ہے۔(ہندی اور مراٹھی میں اسے مَن [16] کہتے ہیں۔ (Man) کا لفظ مغربی ایشیاء میں قدیم وقت سے متنوع قیمتوں کے ساتھ رائج رہا ہے۔ پروفیسر سائس (Sayce) نے اس کی اصل کا سراغ اکیڈین زبان[17] (Accadian) میں لگایا ہے، مگر بلاشبہ یہ ٹیلنٹ[18] کے ۱/۸۰ حصے کے لیے رائج بابلی نام تھا۔ اب یہ لفظ قدیم دنیا کے بابلی اوزان اور پیمائشوں سمیت ختم ہو چکا ہے۔ نقش کردہ مصری تصویری ملاقات کے "مِن" اور "منا" کا قبطی امنہ یا آمنا، عبرانی مانہ اور رومی مینا [19] سے موازنہ کریں۔ ہندوستان میں نویں یا دسویں صدی یا اس سے بھی پہلے کی تاریخ میں عربوں کی اس ملک کے ساتھ وسیع تجارت سے متعارف ہوا ہو گا۔ عربوں کے ذریعے ہمیں ایک پرانا ہسپانوی لفظ المینا ملا اور پھر قدیم فرانسیسی زبان میں المَنہ ہے جو کہ ۲۰ پونڈ وزن کے لئے مستعمل ہے۔ کتب سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے پرتگالیوں نے مَن کو ماؤں میں تبدیل کر دیا۔ بعد ازاں انگریزوں نے اسے مائنی (Manne) بنا دیا۔ (غالباً یہ تبدیلی قدیم انگریزی لفظ مانڈ کے زیر اثر آئی ہو گی)۔ ہمارے پاس موجودہ شکل ۱۶۱۱ء سے بھی پہلے کی ہے۔ کچھ قدیم مسافر پرتگالی لفظ ماؤں کے

متعلق غلط فہمی کا شکار ہوئے جیسے کہ لنشوتین نے اس لفظ کو اس زبان میں ہاتھ کے معنوں میں لیا اور اسی طرح پیش کیا ہے۔ یہاں تک کہ من کی قدر بطور وزن جدید دور میں بھی بہت حد تک متنوع رہی (مثلاً ۲ پونڈ سے تھوڑا زیادہ سے ۱۷۰ تک)۔ ہندی مانڈ جو کہ برطانوی ہند میں وزن کا معیار تھا، ۴۰ سیر کے برابر ہے۔ ہر سیر کو ۱۶ چھٹانک میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مرکزی، بالائی، وسطی ہند اور بنگال میں وزن کی عمومی ذیلی تقسیم کا معیار یہی ہے اگرچہ سیر کی قدر وقیمت بدلتی رہتی ہے۔ معیاری سیر ۸۰ تولے کے برابر ہے چنانچہ یوں مانڈ برابر ہے ۸۲ اوائر دی پوئس (Avoir de Pois)[20] پونڈ کے۔ بمبئی مانڈ یا من ۴۸ سیر ہوتے ہیں، جو برابر ۲۸ پونڈ کے جب کہ مدراس کے مانڈ میں ۴۰ سیر ہوتے ہیں یعنی ۲۵ پونڈ۔ احمد نگر کے مَن میں ۶۴ سیر ہوتے ہیں۔ یوں یہ تقریباً ۱۶۳ پونڈ کے برابر ہے۔ اب تک کے گوشواروں میں یہ ہمیں ملنے والا سب سے بڑا من ہے۔ کم وزن ہندی من تراونکور کا "کوراچی" ہے۔ یہ ۱۸ پونڈ کے برابر ہے تاہم فارسی تبریزی من ۷ پونڈ سے کچھ چھوٹا ہے۔ شاہی من اس سے دوگنا ہے ،اوزان کی فہرست میں سب سے چھوٹا جیڈا (Jeddah) ہے، یہ دو پونڈ کے برابر ہے۔

MAYLA,s

میلا، اسم ذات

ہندی زبان میں 'مینا بازار' کو میلا کہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ میلے مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے منعقد کیے جاتے ہیں جیسے عہد وسطیٰ میں یورپ میں منعقد ہوتے تھے۔ سنسکرت میں لفظ "میلا" ملا کا ہیں جن کے معنی اجتماع یا اکھٹے ہونے کے ہیں۔

MAZAGONG, MAZAGON n.p

مزاگونگ، مزاگون، اسم معرفہ

یہ بمبئی کا رہائشی علاقہ ہے جہاں بڑی تعداد میں پرتگالی آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اصل میں اس کا نام مہیشا گرامہ ہے یعنی عظیم آقا شیوا کا گاؤں۔

MEARBAR,s

میر بحر، اسم ذات

"میر بحر" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی خلیج کے مالک یا بندرگاہ کے منتظم افسر کے ہے۔

MECKLEY,n.p

میکلی، اسم معرفہ

یہ منی پور ریاست کے مختلف ناموں میں سے ایک ہے۔

MEEANA, MYANNA,s

میانا، اسم ذات

ہندی میں یہ پرتگالی زبان کے لفظ "میانا" بمعنی "اوسط حجم" سے آیا ہے۔ پالکی کی یہ قسم جو مغربی افراد کے زیرِ استعمال تھی۔ پچھلی صدی میں یہ ہندوستان میں عام استعمال کی جاتی تھی۔ [بچنان ہملٹن (Buchanan Hamilton) رقم طراز ہے کہ پالکیوں کی ادنی ترین قسم ہے، ایک ہی سمت میں سیدھے لگے ہوئے بانس کے ڈنڈوں کی مدد سے اسے اٹھایا جاتا ہے اور کپڑے کے پردے سے ڈھانپا جاتا ہے جو مسافر کو سیدھا لیٹنے نہیں دیتے اور انھیں یہاں میانا یا مہاپا کہا جاتا ہے۔ بعض جگہ دونوں لفظ مترادفات کی حیثیت سے استعمال ہوتے ہیں جب کہ بعض جگہ پر میانا کا لفظ الحراف سے کھلی ہوئی اور مہاپا کا لفظ خواتین کی مخصوص پردوں سے ڈھکی ہوئی پالکی کے لیے بولا جاتا ہے۔] کچھ جگہوں پر اسے "مُہانہ" بھی لکھا گیا ہے۔

MEERASS, s. MERRASY, adj

میراث، میراثی

MEERASSIDAR,s

میراث دار، اسم صفت

وراثت، ترکہ، موروثی جائیدار کا مالک، یہ ہندی میں عربی کے الفاظ میراث، میراثی، میراث دار سے آیا ہے۔ ان تمام کا ماخذ لفظ "وارث" ہے۔

MEHAUL,s

محال، محل، اسم ذات

یہ ہندی میں عربی زبان کے لفظ محال سے آیا ہے۔ صحیح طور پر عربی لفظ محل کی جمع ہے۔ یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کی وضاحت کے لیے وسیع تکنیکی تفصیل درکار ہے۔ اینگلو انڈین میں محال عموماً ریاست کے محصول کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (اسے بطور واحد برتا جاتا ہے اور غلطی سے محال لکھا جاتا ہے) یعنی زمین کے الگ الگ ٹکڑے جن کی نگہداشت محصول کے حصول کی خاطر کی جاتی ہے۔ محل کا لفظ بطور واحد اکثر و بیشتر اہم اور شاندار عمارتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (محل اور محال کا لفظ دیگر مقامی زبانوں میں بھی ملتا ہے)۔

MEHTAR,s

مہتر، اسم ذات

یعنی ایک خاکروب یا جاروب کش، صدارت بنگال میں یہ نام خاص طور پر گھریلو ملازم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مہتر فارسی الاصل ہے۔ ایک معانی بڑے آدمی یا ایک شہزادے کے ہیں۔ ان معنی کے ساتھ نچلے طبقے کے لیے اس کا استعمال غیر متوقع

دکھائی دیتا ہے یا شاید یہ نام دل جوئی کے لیے دیا گیا ہو، جیسے گھریلو درزی کو خلیفہ کہتے ہیں، مگر بلاشبہ اس نام کا اطلاق اس شدت سے ہوتا ہے کہ اس کے متضاد از توقع اور باعث دل جوئی کا تصور جاتا رہتا ہے۔ خاکروب کو مہتر کہتے ہیں، اسی نسبت سے (اس کی بیوی "مترانی" کہلاتی ہے۔ اکثر مہتر آپس میں گفتگو کے دوران ایک دوسرے کو مہاراج بلاتے ہیں۔ فارس میں نچلی ذات کے لیے اس لفظ کا استعمال قدرے مختلف ہے۔ جنوبی ہندوستان میں ان ملازموں کو عموماً "بھنگی" کہا جاتا ہے۔ جب کہ بالائی ہندوستان میں بھنگی کا لفظ ان نوکروں کے لیے مخصوص ہے جو یورپیوں کے ملازم نہ ہو۔

MELINDE, MELINDA,n.p

ملندا، ملندی، اسم معرفہ

یہ عرب ریاست (یا قصبہ) افریقہ کے مشرقی ساحل کے نزدیک واقع ہے۔ جنوب میں یہ تین سے نو درجے عرض بلد پر واقع ہے۔ واسکوڈے گاما[6]☆ نے اپنی مہمات میں یہاں کے لوگوں سے دوستانہ مراسم کا ذکر کیا ہے۔ یہی سے انھیں ایک پائلٹ ملا تھا جس نے ان کے دستے کی ہندوستانی ساحلوں کی جانب رہنمائی کی تھی۔

MELIQUE, VERIDO, n.p

ملک ورید، اسم معرفہ

یہ پندرہویں صدی کے آخر میں بہمنی سلطنت کے زوال پزیر ہونے پر بیدر میں قائم حکمران شہزادگان کے طرزِ زندگی کی پرتگالی صورت کا نام ہے۔ دراصل یہ الفاظ "ملک برید" کی نمائندگی کرتے ہیں۔ شاہی خاندان کے تیسرے حکمران "علی" نے پہلی بار "برید شاہ" کا خطاب حاصل کیا۔

MEM . SAHIB

میم صاحب، اسم ذات

یہ صدارت بنگال میں مغربی شادی شدہ خاتون کے لیے استعمال ہونے والی مخلوط اللسان اصطلاح کی ایک مثال ہے۔ میم کا لفظ بمبئی میں بھی میڈم کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

MENDY,s

مندی (مہندی)، اسم ذات

مہندی ہندی زبان کا لفظ ہے۔ [سنسکرت میں اسے مہندی یا مندھکا بولا جاتا ہے۔] اس پودے کا نباتاتی نام لوسونیا ایلبہ (Lawsonia albe) ہے۔ یہ اپنی ظاہری ہیئت میں انگریزی پودے "قاغیا" سے کافی مماثلت رکھتا ہے۔ باغوں میں یہ پودا عام مل جاتا ہے۔ مسلم ممالک میں اس پودے کے پتوں سے

حاصل ہونے والی "حنا" سے ہاتھوں اور بالوں کو رنگا جاتا ہے۔

MERCALL, MARCAL,s

مرکال، اسم ذات

مرکال تامل زبان کا لفظ ہے۔ مدراسی صدارت میں استعمال ہونے والی وزن کی ایک اکائی ہے۔ مختلف جگہوں پر اس کا وزن مختلف ہوتا ہے جب کہ اس کا عام وزن ۱۲ سیر دانوں کے برابر ہے۔ (وزن کی یہ اکائی ٹوم بھی کہلاتی ہے۔) ۱۸۴۶ء میں اس کے معیارات طے کر لیے گئے تھے جو ۸۰۰ کیوبک انچ اور ۴۰۰/۱ garce گیرس کے برابر ہیں۔

MERGUI, n.p

میرگئی، اسم معرفہ

زیریں برما کے بیشتر جنوبی اضلاع اور دیہاتوں کو ہم اس نام سے جانتے ہیں۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۲۶ء تک لڑی جانے والی جنگ کے بعد اس سے ملحقہ باقی جگہ "تینا سرم صوبے" کہلاتی ہے۔ غالباً یہ نام سامی الاصل ہے۔ برمی ان دیہاتوں کو انہی ناموں سے پکارتے ہیں۔

MILK BUSH, MILK -HEDGE,s

ملک بش، ملک ہج، اسم ذات

اکثر کورومینڈل ساحل پر موجود جھاڑیوں کے لیے یہ نام استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کا نباتاتی نام یوفربیا ٹرکولی (Euphorbia Tirucalli) ہے ان جھاڑیوں میں دودھیا عرقیات کی وافر مقدار پائی جاتی ہے۔

MINCOPIE, n.p

منکوپی، اسم معرفہ

کتب میں یہ اصطلاح جزائر انڈیمان کے باسیوں سے منسوب کی جاتی ہے۔ یہ ان کی اپنی ہی نسل کے امتیازی وصف کو ظاہر کرتی ہے۔ لیفٹیننٹ کولبروک (Colebrooke) نے ایشیائی تحقیقاتی کتاب کی جلد چہارم میں اِس کا جو مادہ بتایا ہے، وہ مکمل طور پر ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے مگر اس غلطی فہمی کی ممکنہ وجہ کا علم نہیں ہو سکا۔ [مین صاحب (Man) کے خیال میں یہ دو لفظ "مین کپج" یعنی "ادھر آیئے" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔]

MINCOY, n.p

منکئی، اسم معرفہ

منکئی: [لوگان کے مطابق یہ اصل لفظ منکایت ہے۔ مدراس گلوسری میں اسے مالے زبان کے الفاظ

سے اخذ کیا گیا ہے۔ مِن کے معنی مچھلی جب کہ 'قیم' کے معنی "گہرے حوض' کے ہیں مقامی لوگ اسے" ملکو" بھی بولتے ہیں۔ یہ لاکاڈائیو جزیروں اور مالدیپ کے درمیان واقع ایک جزیرہ ہے۔ سیاسی انتظام وانصرام کے حوالے سے اس کا تعلق لاکاڈائیو(Laccadivc) کے جزیروں سے ہے۔ یہ کنارا کے علی راجا کی ملکیت ہے مگر یہاں کے لوگ اور ان کی زبان مالدیپی ہے۔ ۱۸۷۱ء میں اس کی آبادی ۲۸۰۰ تھی۔ ۱۹۶۷ء میں اس کی آبادی کا چھٹا حصہ ایک آندھی میں ہلاک ہوگیا۔ ۱۸۸۳ء میں اس جزیرے پر ایک روشنی کا مینار (Lighthouse) استادہ کیا گیا۔ "تحفتہ المجاہدین" سے ملنے والی معلومات کے مطابق یہ جزیرہ "ملکی" (Mulkee) کے لیے بنایا گیا تھا۔[لو گان صاحب کے خیال میں مارکوپولو[7]☆ اسے "خواتین کا جزیرہ" سمجھتے ہیں۔]

MISCAL,s

مثقال، اسم ذات

مثقال عربی زبان کا لفظ ہے یہ روم کے اوریس[21] (Aureus) اور سونے کے دینار جیسا ایک عربی وزن کا پیمانہ ہے۔

MISREE,s

مصری، اسم ذات

میٹھی قندی۔ لفظ مصری کا مادہ "مصر" ہے۔ عبرانیوں کے ہاں مزارم (Mizarim) کا ذکر ملتا ہے۔ یہی اس لفظ کا وسیلہ بھی ہوسکتا ہے۔ (مصر کی قندی یا مصری کا ذکر الف لیلوی داستانوں میں بھی ملتا ہے۔)

MISSAL,s

مثل، اسم ذات

لفظ "مثل" ہندی میں عربی زبان سے آیا ہے۔ اس کے معنی "مماثلت" کے ہیں۔ اس سے عدالت کے سامنے کسی خاص مقدمے سے متعلق پیش کی جانے والی دستاویزات مراد ہیں۔ [یہ لفظ "فریق" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔]

MOBED,s

معبد، اسم ذات

"معبد" فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ پارسی پادریوں کا خطاب ہے۔ یہ پہلوی لفظ "مگوپاٹ" یعنی آقائے مگس" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

MOCUDDUM,s

مقدم،اسم ذات

ہندی میں یہ عربی زبان کے لفظ "مقدم" سے آیا ہے۔ اس کے معنی "گورنر" یا "سردار" کے ہیں۔ اس کو فنی یا تکنیکی لحاظ سے مختلف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی گاؤں کا سردار یا نگران، جو آمدنی اور محصولات کا ذمہ دار ہو۔ کسی ذات کا مقامی سربراہ، نائب قاصدوں یا مزدوروں کے گروہ کا سربراہ۔

MOCCUDDAMA,s

مقدمہ،اسم ذات

ہندی میں یہ عربی زبان کے لفظ "مقدمہ" سے آیا ہے۔ یعنی کوئی کاروباری امر، مگر مقدمے کا لفظ خاص طور پر عدالت کے قانونی امور یا قانونی چارہ جوئی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

MODELLIAR, MODLIAR,s

مدلیار،اسم ذات

یہ لفظ سیلون کے تامل اضلاع میں مقامی سردار یا نگران کے لیے مستعمل ہے۔ یہ کسی ذات کے سربراہ کا خطاب بھی ہے۔ جسے تامل کے بعض افراد نے اختیار کیا ہے اور انہوں نے خود کو شُدار (Suddar) کہلوایا۔ (جنوب کے علاقے میں اسے ایک اعزازی لقب تصور کیا جاتا ہے۔ مدلیار، متھلیار، تامل زبان کے اعزازی نام ہے۔)

MOFUSSIL,s

مفوصل،اسم ذات

یہ لفظ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی 'صوبوں' کے ہیں۔ اس سے مراد صدر مقام کے علاوہ ملک کے اضلاع اور شہری علاقے ہیں یا بڑے شہروں کی نسبت کچھ ایسے چھوٹے دیہات یا اضلاع جو ضلعی حکومتوں یا ضلعی سرکاری افراد کی رہائش گاہ ہو۔ یوں اگر کوئی کلکتہ میں مفوصل کے بارے میں گفتگو کرے تو اس سے کلکتہ میں مفوصل کے بارے میں گفتگو کرے تو اس سے کلکتہ کے سوا تمام بنگال میں شامل علاقے مراد لیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی بنارس میں مفوصل جانے کی بات کرے تو اس کا مطلب بنارس ڈویژن کے کسی بھی علاقے میں جانا، شہر سے باہر جانا یا پورے ہندوستان میں کہیں بھی اور جانا۔ (مفوصل ہندی میں عربی زبان سے آیا ہے۔) 'مفصل' کے معنی علیحدہ، تفصیلاً کے ہیں مگر کچھ جگہوں پر یہ صوبائی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "صوبائی عدالت" کو 'مفصل عدالت' بھی کہا جاتا ہے۔

۱۸۴۵ء میں جان لنگ (John lang) نے میرٹھ

سے ایک باکمال آزاد اخبار مفوصلائٹ (Mofussilite) کے نام سے نکالا۔ یہ اخبار کئی سال تک جاری رہا۔

MOGUL,n.p

موگل(مغل)،اسم معرفہ

موگل سے مراد منگلولوں کی عظیم خانہ بدوش نسل کا فرد ہے جو ایران میں مغل کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں انہیں منگول کہاجاتا ہے۔ ویسے یہ "بابر"[8]☆ کے ترک خاندان کے افراد تھے۔ پٹھانوں کے سوا ہندوستان کے مغرب اور شمال مغربی ممالک کے تمام مسلمانوں کے لیے یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ البتہ یہ لوگ فارس سے تعلق رکھنے والے ،شیعہ ایرانی مغلوں میں اور ترک سے تعلق رکھنے والے سنی تورانی مغلوں میں واضح فرق قائم رکھتے ہیں۔ بیگ مغل افراد کے ناموں سے جڑی خصوصی صفت ہے جیسے " خان" پٹھانوں کی ہے۔ جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں میں مغل اور موگل ایک امتیازی نسل کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ (پنجاب اور شمالی مغربی صوبے میں بھی انہیں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔) پرتگالی مصنفین مغل یا مُوگر کو ہندوستانیوں کے لیے استعمال کرتے ہیں یا پھر اکثر اسے "عظیم مغل سلطنت" کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

MOGUL, THE GREAT , n.p

مغل دی گریٹ،اسم معرفہ

بعض اوقات صرف 'مغل' بھی بولا جاتا ہے۔ یہ نام خاندان تیمور کے سلاطین دہلی کے لیے مشہور تھا۔ سب سے پہلے پرتگالیوں نے اسے رواج دیا۔ بعد میں یورپیوں نے بھی یہ نام استعمال کیا۔ استعمال کے لحاظ سے یہ لفظ "صوفی" کا ہم معنی ہے۔ ایران کے لوگ اپنے بادشاہوں کے لیے اور ترک لوگ ترکی کے سلطان کے لیے "صوفی" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مغل حکومت کے دور میں بہت سے مصنفین کی تحریروں میں مغل، موگر اور مغلستان کے الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے۔ آرائش محفل[22] میں بھی یہ الفاظ نظر آتے ہیں۔ تاہم مغلستان کی اصطلاح یقیناً مقامی ہے کیونکہ یہ یورپیوں کی ایجاد نہیں ہے۔

MOGUL BREECHES,s

مغل بریچز،اسم ذات

یہ پاجامے کا قدیم نام ہے۔

MOHUR GOLD,s

مہر گولڈ،اسم ذات

مہر گولڈ[23] برطانوی ہند کے سونے کے سکے کا سرکاری نام ہے۔ یہ لفظ ہندی میں فارسی زبان سے آیا ہے۔

("مہر" فارسی زبان کا لفظ ہے) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ "مہر" سے مشتق ہو جس کے معنی "سورج" کے ہیں۔ مہر کے دیگر معنوں میں ایک معنی کسی چھتری کے اوپر ایک گول دائرہ یا اسی طرح کا کچھ اور موجود ہونا بھی ہے۔(اس کے برعکس پلیٹس نے سنسکرت لفظ "مدرا" کی نشان دہی کی ہے۔[24] جس کے معنی 'سرکاری مہر' کے ہیں۔'مہر' کی اصطلاح کا اطلاق "سکے" پر ہوتا ہے جو بادی النظر میں مشہور تو تھی مگر کوئی تجارتی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ یہ سکہ ہندوستان میں غزنی کے مسلمان بادشاہ غوری کے دور اقتدار سے جانا جاتا ہے۔ ۱۲۰۰ء میں ۱۰۰ رتی سونے کا وزن ۱۷۵ گرین وزن کے برابر تھا۔ قیمت کے اعتبار سے یہ چاندی کے سکوں سے دس گناہ زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ چاندی کے صدیوں کو تین صدیوں سے زائد عرصہ تک "روپیہ" کہا جاتا رہا ہے۔

یہ اس نظام کے نظریے کی عمدہ بنیاد ہے مگر شماریاتی لحاظ سے سونے کے سکے اس نظریہ سے کافی حد تک انحراف کر چکے ہیں۔ سلطان محمود تغلق کی جدید اختراعات کے آغاز سے شماریاتی اوسط کے اختلاف کا آغاز ہوا۔ ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء میں سونے کے سکے کی قدر میں اضافہ کر کے ۲۰۰ گرین کر دی۔ اس تبدیلی کا تعلق بالائی ہندوستان میں سونے کی ریل پیل سے تھا جسے چودھویں صدی کے پہلے ربع میں جزیرہ نما سے لوٹ کر کثیر تعداد میں لایا گیا تھا۔ کچھ عرصے بعد ان سکوں کی قدر دوبارہ سے پرانے حساب پر قائم ہوگئی۔ یہاں تک کہ پرنسپ کے گوشوارہ میں فراہم کردہ فہرست کے مطابق ۴۶ مختلف مہروں کا وزن لینے پر خالص سونے کی اوسط ۱۶۷.۲۲ گرین نظر آتی ہے۔

۱۷۶۶ء حکومت نے پہلی بار سونے کی پہلی مہر جاری کی۔ قانونی طور پر اسے ۱۴ سکے روپے کے برابر قرار دیا گیا۔ اس سکے کا پورا وزن ۱۷۹.۶۶ گرین تھا۔ اس میں موجود اصلی سونے کا وزن ۱۴۹.۷۲ گرین تھا۔ اس میں موجود اصلی سونے کا وزن ۱۴۹.۷۲ گرین تھا۔ مگر اسے اس کی مروجہ شرح پر قائم رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۱۷۶۹ء میں اسے ختم کر کے نئی مہر جاری کی گئی۔ اس کی قیمت ۱۶ سکہ روپے تھی۔ اس کا وزن ۱۹۰.۷۷۳ گرین تھا۔ اس میں موجود سونے کا وزن ۱۹۰.۰۸۶ تھا۔ ۱۷۹۳ء کے قوانین کے مطابق ان سونے کی مہروں کو تمام نجی اور عوامی تجارتی لین دین کے لئے زر قانونی قرار دیا گیا۔ ۱۸۱۸ء کے قوانین کے مطابق دیگر اشیاء کے ساتھ سونے کی مہر کی اصل قیمت میں کسی قدر کمی کی تجویز پیش کی گئی۔ یہ صدر مقام میں بنائی جاتی تھی۔ تاکہ عمدہ سونے کا وزن ۲۰۴.۷۱۰ گرین ہو گا۔ جس میں موجودہ عمدہ سونے کا وزن ۱۸۷.۶۵۱ گرین ہو گا۔ ۱۸۳۵ء کی دفعہ xvii میں ایک بار پھر اعلان کیا گیا کہ بھارتی ٹکسالوں میں صرف سونے کے سکے ڈھالے

جائیں گے۔ (ان کی مناسب درجہ بندی کی جائے گی)۔ سونے کی مہر یا ۱۵ روپے کے ٹکڑے جس کا وزن ۱۸۰ گرین ہوگا۔ اس میں ٹرائے (Try) کے پیمانے کے مطابق سونا ہوگا۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس کے بعد سونے کا سکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفاتر میں ادائیگیوں کے لیے استعمال نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس کے قانون میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں ایک دوست کو ایک فنکار نے بتایا کہ گولڈ مہر دراصل لفظ "گول" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ نام اسے لیے تجویز کیا گیا تھا تاکہ اس مہر کو دہلی بادشاہوں کی چکور مہر سے الگ رکھا جاسکے مگر یہ وضاحت افسانوی ہی سمجھی جانی چاہیے۔

MOHURRER, MOHRER,&c,s

محرر، اسم ذات

مقامی زبان میں اس سے مراد کاتب ہے۔ "محرر" [25] عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ایک زبردست، ممتاز کاتب کے ہیں۔

MOHURRUM,s

محرم، اسم ذات

"محرم" عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ مسلمانوں کے قمری سال کے پہلے مہینے کا نام ہے۔ ہندوستان میں اس کا اطلاق روزے کے دورانیے اور اس مہینے میں حسن اور ان کے بھائی حسین کی رحلت کی یاد میں منائے جانے والے عوامی سوگ پر کیا جاتا ہے۔[26] یہ عوامی سوگ عاشورہ کی تقریبات پر ختم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر اسی کو محرم کہا جاتا ہے۔

MOHWA, MHOWA,MOWA,s

مہوا، اسم ذات

ہندی زبان میں "ہوا" اور "ہَوءَ" ہیں۔ سنسکرت میں اس کے لیے "مدھوک" کا لفظ ہے۔ یہ ایک شاہ بلوط جیسا لمبا درخت ہے۔ اس کا نباتاتی نام (Bassia Latifolia) ہے۔ اس درخت کے پھول سے سیال عرق کشید کیا جاتا ہے۔ اس کے پھولوں کی کثیر تعداد فرانس میں جوشاندہ بنانے کے لیے برآمد کی جاتی ہے۔ وسطی ہندوستان کے نشیبی علاقوں میں یہ درخت جھنڈ کی صورت میں اور مختلف جگہوں پر اکیلے اکیلے بھی پائے جائے ہیں۔ کسی حد تک یہ دریائے گنگا سے ملحقہ صوبے میں بھی پایا جاتا ہے۔ گجرات میں یہ درخت کثیر تعدار میں پایا جاتا ہے۔ جب پھول گر رہے ہوتے ہیں تو پہاڑی لوگ ان کو جمع کرنے کے لیے درختوں کو نیچے خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔ لمبے ہرن ان گرے ہوئے پھولوں کو کھانے کے لیے آتے ہیں۔ ایسے میں عام طور پر شکاری درختوں پر ان ہرنوں کے شکار کے لیے

چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کی لکڑی مضبوط اور پائیدار ہوتی ہے۔

MOLE ISLAM,n.p

مول اسلام، اسم معرفہ

گجرات میں یہ خطاب مخصوص طبقے کے دیہاتی مسلمانوں کویا بظاہر مسلمانوں کو دیا جاتاہے۔ کہا جاتاہے کہ معروف سطان محمد بگاڑا(Bigarra)کے دور میں انہیں زبردستی تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا تھا۔ بٹلر (Bulter)نے سلطان محمد بگاڑا کو "کیمبے کا شہزادہ" بتایاہے۔ ہم اس لفظ کے اصل معنی اور علم حروف سے لاعلم ہیں۔ [مشرقی پنجاب میں جٹوں کی جس نسل کوزبردستی قبول اسلام پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ "مولا" یا "بدقسمت" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ لفظ غالباً "مول" کے قمری علم نجوم سے نکلا ہے جس میں پیدائش کو بدنصیبی تصور کیا جاتاہے۔]

MOLEY,s

مولی، اسم ذات

یہ مدراس کے صدر مقام میں کھایا جانے والا ایک قسم کا سالن ہے۔ ناریل کی کثیر تعداد اس کے اجزاء میں شامل ہے۔ یہ لفظ "مالے" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ کھانا مالے میں کھائے جانے والے کھانوں میں سے ایک کھانے کی بری قسم کی نقل ہے۔

MOLLY,MALEE,s

مالی، اسم ذات

مالی ہندی زبان کا لفظ ہے۔ سنسکرت میں اسے "مالکہ" کہتے ہیں یعنی مالا بنانے والا یا گجرا ساز۔ مالی دراصل اس ذات کا فرد ہے جو باغیچہ سجاتے ہیں۔ بعض اوقات ہم بنگال کے صدر مقام سے تعلق رکھنے والی خاتون کے منہ سے سنتے ہیں کہ مالی کا رویہ "ڈالی" (لڑکی) کے ساتھ نہایت تابعدارانہ تھا۔

MOLUCCAS ,n.p

ملوکاس، اسم معرفہ

جزائر سپائس (Spice)۔ اس سے مراد خصوصاً وہ پانچ جزائر ہیں جو گِلولُ(Gilolo)کے مغرب میں واقع ہیں جن کے نام ٹرنٹ (Ternat)، ٹڈور(Tidore)، مورٹر(Mortir)، مکین (Makain) باکین (Bachian)ہیں مگر اس نام کا اطلاق سلیبس اور شمالی گینیا کے درمیان موجود تمام ولندیزی حکومت کے ماتحت جزائر پر کیا جاتا ہے۔ ایمبوئنہ(Amboyna)میں ایک ولندیزی گورنر کی رہائش گاہ ہے۔ یہ جزائر چار مختلف رہائش گاہوں میں منقسم ہیں۔ ایمبوئنہ ،بنڈا، ٹرنٹ، تندو۔ پرتگالی میں

اسے "مالوکا" کہتے ہیں۔ بعض جگہ اس نام کو "ملکا" بھی بولا جاتا ہے مگر اس نام کے درست ماخذ کے متعلق کوئی علم نہیں ہے مگر یہ ضرور تھا کہ جب پرتگالی نئے علاقے دریافت کر رہے تھے تو اس وقت یہ جزائر مقامی تاجروں کے علم میں تھے۔ ابتدائی تفصیلات کے مطابق کم از کم ان میں سے تین جزیروں کا اپنا ایک بادشاہ ہوتا تھا۔ غالباً "جزیرہ الملوک" بادشاہ کا عربی نام ہوگا جس کے معنی "جزائر کے بادشاہ" کے ہیں۔ ویلنٹجن (Valentijn) نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان بادشاہوں کے متعلق بہت سے افراد نے لکھا ہے مگر پھر بھی کسی مصنف سے ان کے متعلق مصدقہ معلومات نہیں ملتی۔ وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم انہیں 'ملوکوز' کہنے کی وجہ سے واقف نہیں ہیں۔ یقیناً ان سوالات کے جوابات اس براعظم میں ہی کہیں موجود ہوں گے۔ ڈاکٹر وین مسچینبروک (Dr. van Muschenbrock) نے ۱۸۸۱ء میں، وینس میں جغرافیہ کی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک مقالہ پڑھا تھا جس میں انہوں نے اس نام کے اصل مادے کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے مطابق بھی سردار اپنے لوگوں میں "ملوکوس" کے نام سے جانے جاتے تھے۔ اور یہ کہ یہ اصطلاح مقامی علاقائی بادشاہوں کا متبادل تھی۔ تاہم ان کے نتائج اور اصل مادہ کی نشاندہی کے متعلق تحقیقات کا بیشتر حصہ مشتبہ ہے۔[سیکٹ صاحب کی تحقیقات کے مطابق ان جزائر کا ذکر ٹینگ سلطنت کی چینی تاریخ میں بھی موجود ہے۔ انہیں "ملی کو" کہا جاتا تھا۔ اگر یہ معلومات درست ہے تو یہ لفظ بہت قدیم ہوگا۔ ایسی صورت میں اسے عربی لفظ نہیں کہا جا سکتا۔]

MONE, n.p

مون، اسم معرفہ

مُون یا مون۔ ماضی میں پیگو پر قبضہ کرنے والوں کو اس نام سے پکارا جاتا تھا۔ جنہیں ہم "تلنگ" بھی کہتے ہیں۔

MONEGAR,s

مونگر، اسم ذات

یہ تامل کے علاقے میں گاؤں کے سردار کا خطاب ہے جیسے رکن میں پٹیل ہوتا ہے۔ یہ تامل زبان کا لفظ "منی یکارن" ہے جس کے معنی "نگران" کے ہیں۔

MONKEY-BREAD TREE,s

مونکی بریڈ ٹری، اسم ذات

اس درخت کا نباتاتی نام اڈنسونیا ڈیجٹاٹا (Adansonia digitata) ہے۔ یہ ایک جاذب نظر درخت ہے جس کی شاخیں چھوٹی اور زخم

زدہ ہوتی ہیں اور تنا کافی بھاری بھر کم ہوتا ہے۔ موسم برسات میں اس پر لمبے سفید رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ یہ مغربی ہندوستان کے ساحلوں کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ افریقی ممالک نے اسے متعارف کروایا ہو یا پھر بحری موجوں نے اس کے بیجوں سے بھرے لمبے ہلکے بے وزن پھل کو ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک پھیلا دیا ہو۔ مجھے ایک ملاح نے لمبا بیجوں سے بھرپور پھل بمبئی کے بحر ہند کے ساحل سے توڑ کر لا کے دیا، یہ بہت خراب ہو چکا تھا مگر میں نے اس کے بیج کو زمین میں بو دیا۔ یہ مشرقی افریقہ کے کگلیا پناٹہ (Kigelia pinnata) جیسا نکلا۔ اس کی افزائش اتنی تیزی سے ہوئی کہ چند سالوں میں، میں نے اسے بمبئی کے تمام علاقوں میں متعارف کروا دیا۔ عموماً یہ ان قدیم بندر گاہوں پر بکثرت پایا جاتا ہے جہاں مسلمان تاجر اکثر جایا کرتے تھے۔ الٰہ آباد میں یہ کم ہی پایا جاتا ہے جہاں یہ مبینہ طور پر مغلیہ دور میں متعارف ہوا۔ اسی طرح وادی گنگا، کلکتہ اور مشرق بعید میں بھی یہی صورتحال ہے مگر یہ ہمیشہ یہاں اُگایا جاتا رہا ہے۔ البتہ کلکتہ کے بوٹانک باغوں اور علی پور کے ارتھر گروٹ صاحب (Arthur Grote) کے باغوں میں اس کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔

MONSOON,s

مون سون، اسم ذات

یہ نام بحرہ ہند سے وقفے وقفے سے آنے والی ہواؤں کے لیے ہے اور ان موسموں کے لیے ہے جنہیں یہ متاثر کرتیں ہیں۔ اصل میں یہ عربی زبان کا لفظ ”موسم“ ہے جسے پرتگالیوں نے بگاڑ کو مونکوؤ اور ہمارے لوگوں نے مون سون بنا لیا۔ کوئی بھی لغت عربی لفظ موسم کو تکنیکی لحاظ سے مون سون کا ماخذ نہیں بتاتی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ عرب جہازران اسے انہی معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ یہی سے پرتگالیوں نے اس لفظ کو اختیار کیا۔ ترک امیر البحر سدی علی کے اس اقتباس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ” اس اصطلاح کی عقلی توجیہہ بروت موہی نے بہت اچھے پیرائے میں یوں بیان کی ہے۔ ’موسم‘ کا لفظ کسی بھی ایسی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو تہواروں کی طرح سال میں ایک بار آتا ہے۔ لبنان میں ریشم پر کام کرنے کے وقت کو موسم کہتے ہیں۔ یہ وہاں کا ایک اہم موسم خیال کیا جاتا ہے جیسے جہاز رانی کا موسم ہوتا ہے۔“ امریکہ میں ہسپانوی ’موسم‘ کے لئے ایسے لفظ کا استعمال کرتے نظر آئیں گے جو بار بار آنے والی ہواؤں کے ہم معنی مماثل کے طور پر استعمال ہوسکے۔ وینس سے تعلق رکھنے والے ونٹین

لیونارڈو(Venetain Leonardo) مون سون کو لٹمپی(Litimpti) کہتے ہیں۔ سولہویں صدی میں پرتگالی مصنفین کے ہاں "مونکوو" کا لفظ رائج تھا۔ مورخ دیگودی کوٹو (conto Dioga de) ہمیشہ اسے "موکوو" (Moucao) لکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "ن" صرف غلط قرات کی عادت کا نتیجہ ہو۔ لنشوتین (Linschoten) کے مطابق ولندیزی اسے 'مونسوین' اور مونسُن کہتے ہیں۔ امکان غالب ہے کہ ہم نے مون سون کا لفظ ولندیزیوں ہی سے لیا ہو۔ جدید دور میں اس لفظ نے 'موسون' کی فرانسیسی شکل اختیار کر لی ہو گی۔[سیکٹ صاحب کے خیال میں مون سون اطالوی زبان کا لفظ ہے۔] جنوبی ہندوستان میں مون سون کا لفظ "نصف سال" کے ہم معنی کے طور پر بھی رائج ہے۔

MOOBAREK, adj

مبارک، اسم صفت

مبارک عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی متبرک یا خوش کے ہیں۔ یہ بطور فجائیہ کلمہ استعمال ہوتا ہے جیسے خوش آمدید، تمھیں مبارک ہو"۔

MOOCHULKA,s

مچلکا، اسم ذات

ہندی میں "مچلکا" یا "مچلکہ"[28] بولا جاتا ہے یعنی "ایک تحریری معاہدہ" تکنیکی استعمال کے جائزے کے لیے ولسن(Wilson)[29] کو دیکھیے۔ یہ لفظ بظاہر ترکی یا منگولی محسوس ہوتا ہے۔

MOOCHY,s

موچی، اسم ذات

چمڑے کا کام کرنے والے شخص کو موچی کہتے ہیں۔ خواہ وہ جوتے بنانے والا ہو یا زین ساز ہو۔ ہندی میں موچی نچلی ذات کے افراد کو دیا گیا ایک نام ہے۔ یہ نام اور ذات دونوں جنوبی ہندوستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ تلگو زبان میں اِس کے لیے مچھ پی کا لفظ ہے۔ یہ دونوں چمڑا ساز ہوتے ہیں مگر انھیں تصویر سازی، ملمع کاری اور آراستہ گری کے کام کے لیے بھی ملازم رکھا جاتا ہے۔

MOOKTEAR,s

مختیار، اسم ذات

ہندی زبان میں عربی لفظ "مختار" بمعنی "منتخب" سے آیا ہے مگر یہ لفظ بگڑ کر مختیار بن گیا ہے۔ ایک تفویض شدہ نمائندہ، بااختیار نمائندہ۔ صاحبِ اختیار سے حاصل کیے گئے اجازت نامے کو "مختار نامہ" کہتے ہیں۔

MOOLAH,s

مُلا، اسم ذات

ہندی لفظ مُلا عربی لفظ مَولا کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو ولا سے اخذ کردہ ہے جس کے معنی رشتہ دار کے ہیں۔ یہ ایک قانونی تعلق ہے جو کہ ابھی تک آزاد کردہ غلام کو اس کے سابقہ مالک سے جوڑے ہوئے ہے اور اس تعلق کی بنا پر سرپرست اور مصاحب دونوں مولا کہلاتے ہیں مگر سرپرستی کا یہ تصور اِس لفظ کا صرف ایک معنی ہے جب کہ ہندوستان میں یہ لفظ ایک قابل انسان، استاد اور قانون دان کے معنوں میں مستعمل ہے اور اس شخص کو بھی ملا کہتے ہیں جو کسی کی وفات کے بعد گھر میں ۴۰ دن تک قرآن خوانی کرتا ہے۔ جب قرآن پر حلف لیا جاتا ہے تو جو حاضر باش قرآن اٹھاتا ہے ملا قرآنی کہلاتا ہے۔ ہندوستان میں ملا سکول ماسٹر کے لیے استعمال ہونے والی مسلمانوں کی ایک عام اصطلاح ہے۔

MOOLVEE,s

مولوی، اسم ذات

مولوی ہندی زبان کا ایک مشہور لفظ ہے۔ عربی لفظ مولوی کا مادہ وہی ہے جو لفظ "مُلا" کا ہے۔ ایک قاضی، ماہر قانون۔ عام طور پر لفظ مولوی قانون اور ادب کے پروفیسر اور عالم کے لیے بطور سابقہ استعمال کیا جاتا ہے۔

MOONAUL,s

مونال، اسم ذات

ہندی میں یہ لفظ "مُنال" یا "مُنال" ہے۔ (یہ لفظ بظاہر کسی لغت میں نظر نہیں آتا)۔ [پلیٹس کے مطابق اس کا لب ولہجہ مُنال ہے][30]

یہ تمام شکاری پرندوں میں سب سے دل فریب ہے۔ پرندے کی ذہانت، شکر خورے کی دھاتی چمک hue کے ساتھ حجم کے لحاظ سے فیل مرغ کا ہم پلہ ہے۔ یہ شاندار تیتر ہمالیہ کے تمام اطراف میں پایا جاتا ہے۔ افغانستان کی سرحدوں سے ملحقہ پہاڑوں سے مشرق میں سکم (Skkim) تک اور غالباً بھوٹان تک پایا جاتا ہے۔ موسم خزاں اور سرما میں اس کے اعداد و شمار جنگل کے اسی ربع حصہ سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ اس قدر وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں کہ اکثر یہ پرندے تنہا نظر آتے ہیں۔ کیا تنہا نظر آنے کی خصوصیت اِس لفظ کے مادے کا سنسکرت لفظ منی (بمعنی جوگی) سے کوئی تعلق قائم کر سکتی ہے؟ یا پھر بعض اوقات اسے ارگس فیزنٹ (Argus Pheasant) کہتے ہیں۔

جارڈن کے مطابق منال کی اصطلاح یورپی ڈار جلنگ سے سکم تک سینگوں والے تیتر کے لیے معروف تھی۔ بعض اوقات اسے تیتری چکور بھی کہا جاتا ہے۔

MOON BLINDNESS

مون بلائنڈنس

چاند کی پوری روشنی میں سونے کے سبب آنکھوں پر اس قسم کا اثر ہو جاتا ہے گو کہ اس معاملے میں کافی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس حوالے سے بحث طلب، قابلِ تردید تجربات بھی بیان کیے ہیں جب کہ بعض نے اس چیز کو محض ایک بے بنیاد، ناشائستہ تعصب کا نام دیا ہے۔ مشرق میں موجود ایک مصنف کو چاند کی تیز چمکدار روشنی میں سونے سے آنکھوں اور چہرے پر دو مرتبہ اس قسم کے اثر کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے بمشکل ہی مون بلائنڈنس (Moon Blindness) کی اصطلاح استعمال کی ہو گی۔

MOONG MOONGO,s

مونگ، مونگو، اسم ذات

سبز دانہ ہندی میں مونگ (سنسکرت میں مدگر) یہ ایک

قسم کا پھلی دار پودا ہے جس کا تمام ہندوستان میں عام استعمال ہے۔ گارسیا کے مطابق ابن سینا نے اسے ماش کہا ہے۔ گارسیا نے مزید کہا ہے کہ یہ دکن میں بخار کی دوا کے طور پر بھی مشہور تھی۔ (اور اس مقصد کے لیے اب بھی مقامی طبیب اسے تجویز کرتے ہیں)

MOONGA, MOOGA,s

مونگا، موگا، اسم ذات

موگا بنگالی زبان کا لفظ ہے یہ ایک قسم کی جنگلی ریشم ہے جو آسام میں جمع اور تیار کی جاتی ہے۔[کہا جاتا ہے۔ کہ اس کا آسامی نام عنبر مونگا سے لیا گیا جس کے معنی ہے "مرجان"، جو ریشم کا رنگ ہے اور اکثر و بیشتر یہ لفظ ریشم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

MOONSHEE,s

منشی، اسم ذات

اس کا مادہ عربی لفظ منش ہے مگر ہندی میں اسے منشی لکھا جاتا ہے۔ اصل فعل انشاء ہے۔ عربی میں یہ لفظ صفت فعلی ہے جس کے معنی "نوجوان نسل کو تعلیم وتربیت" کرنا ہے اور کسی تحریری دستاویزات کو مرتب کرنا ہے۔ یوں اسے ایک سیکٹری، ایک قاری، ایک متشرع، ایک مصنف بھی کہا جاسکتا ہے۔ عموماً یورپی اس کا اطلاق لسانیات کے مقامی اساتذہ پر کرتے تھے۔ خصوصاً ان پر جو عربی، فارسی اور اردو پڑھاتے تھے اگرچہ ان زبانوں کے مقامی کاتبین، معززین اور تعلیم یافتہ مقامی افراد کے لیے یہ لفظ عام استعمال کیا جاتا ہے۔ مغرب میں غالباً یہ لفظ ایف۔ گلڈن، (F.Glydyn) کی ایک فارسی کتاب "دی پرشین منشی" (The persian

(Munster) کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۱۷۹۰ء۔۱۸۰۰ء کے لگ بھگ کلکتہ میں شائع ہوئی۔

MOONSIFF,s

منصف، اسم ذات

یہ ہندی لفظ عربی منصف سے آیا ہے جس کے معنی انصاف سے کام لینے والے عادل کے ہے۔ برطانوی ہند میں یہ کم تر درجے کے مقامی شہری عدالت کے قاضی کا خطاب تھا۔ یہ عہدہ پہلے پہل ۱۷۹۳ء میں متعارف کروایا گیا۔

MOOR, MOORMAN,s MOORISH ,adj

مور، مورمین، اسم ذات، مورش، اسم صفت

مسلمان افراد; ہندوستان میں مقیم پرتگالی اس اصطلاح کا باقاعدگی سے باکثرت استعمال ہندوستان کے مسلمان باشندوں کے لیے کرتے تھے۔

قرون وسطی میں مغرب میں مسلمانوں کو سارا کنس (Saracens) کہا جاتا تھا۔ جائن ویلی (Joinville) اور مارکوپولو نے بھی ہمیشہ یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے متجس سفر میں اس کا ذکر کیا ہے اور بعد کے دنوں میں جب یورپ میں ترکوں کا خوف محسوس کیا جانے لگا تب لفظ ترک کو مسلم کے طور پر جانا جانے لگا۔ (اور یوں ہم یہودیوں، ترکوں، کافروں، ملحدوں، ہیر ٹکسوں کا ذکر پاتے ہیں)۔ مگر جزیرہ نما پر قابض ہسپانوی اور پرتگالی، جن کا موریطانیہ کے مسلمانوں سے رابطہ تھا۔ ان کے لیے تمام مسلمان مورز (Moors) تھے۔ وہ مسلمان جن سے پرتگالی اپنے سفر ہندوستان کے دوران خواہ کسی بھی ساحل پر ملے ہو ان کو بھی مورز ہی کہا گیا۔ یہ اصطلاح مسلمانوں کے لیے بطور مترادف استعمال ہوتی رہی ہے جو کہ بعد میں پرتگالیوں سے انگریزوں اور ولندیزیوں تک پہنچی۔ اس لفظ سے مراد مذہب ہے، جیسا کہ پرتگالی دریافت کنندوں میں یہ انہی معنوں میں مستعمل تھا۔ اس کا قومیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ درحقیقت کئی اقتباسات سے واضح ہے کہ کوچن (Cochin) اور کالی کٹ (Calicut) کے مورز (Moors) سولہویں صدی کے اوائل میں بالکل موجودہ دور کے موپلوں جیسے مخلوط النسل افراد تھے۔ ملنڈ (Melind) اور مزمبکیو (Mozambique) پر قابض افریقی عرب یا عرب، میگاڈاکسو کے صومالی، ارمز (Ormuz) اور کلہات (Kalhat) کے ایرانی، گجرات کے بورس (Boras) یہ تمام پرتگالی مصنفوں کے لیے مورس (Mouros) ہیں۔ اگرچہ ان کے ذکی افراد اس اصطلاح کی غیر موزونیت سے اچھی باخبر تھے۔ مالابار ساحل کے مورز (Moors) درمیانی افراد تھے۔

جنہوں نے اپنی سہولت کے لیے اسلام قبول کیا تاکہ وہ ارمز(Ormuz) اور عربی بندر گاہوں سے مسلسل آنے والے تاجروں کو اپنے ذاتی فائدہ کے لیے اعانت فراہم کریں۔ اسی طرح کے اثرات سے اس ساحل کے ملاح بھی متاثر ہوئے جن کے درمیان، کچھ خاندان میں یہ ایک قسم کا رواج بن گیا کہ مختلف اراکین بالترتیب اسلام، ہندومت اور عیسائیت کا اظہار کریں۔

صدارت بنگال میں تعلیم یافتہ یورپی افراد نے مسلمانوں کے لیے مور(Moor) کے لفظ کا استعمال گزشتہ صدی کے اوائل یا اس سے بھی پہلے ترک کر دیا تھا مگر غالباً برطانوی افواج میں اس کا استعمال کافی عرصہ تک قائم رہا۔ جب کہ اسم صفت مارش(Marish) کا استعمال ۱۸۴۰ء تک دیکھنے کو ملتا ہے۔ سیلون میں آبناؤں اور ولندیزی نوآبادیاتی علاقوں میں آج بھی مسلمانوں کے لیے مورمین (Moorman) کی اصطلاح عام ہے۔ درحقیقت مدراس کے عہدے داران یہ لفظ مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کے لیے یا اسی طبقہ کے دیگر افراد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ منیلا(Manila) میں مالے کے مسلمانوں کے لیے اب تک مورو(Moro) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

MOORA,s

مورا، اسم ذات

ہندی میں سمندر کے لیے استعمال ہونے والا مورا کا لفظ

پرتگالی لفظ امُرا یا اطالوی لفظ مُرا سے آیا ہے اس کا معنی جہازوں کا رخ بدلتے ہوئے رواں ہونا ہے۔ (چکارا)

MOORAH,s

مورہ، اسم ذات

یہ گجرات اور بمبئی میں دھان کی فروخت کے لیے استعمال ہونے والا پیمانہ ہے۔ اس لفظ کی اصل شکل میں شبہ ہے۔ مولزورتھ(Moles worth) کی مراٹھی لغت کے مطابق بظاہر مودا(Mudda) اور مودی (Mudi) چاول کے دانوں کی وہ مناسب پٹیاں ہیں جن میں کافی مقدار میں دانوں کو اکٹھا رکھا جاتا ہے۔ اول الذکر بڑا اور موخر الذکر چھوٹا ہوتا ہے۔ پس یہ مبہم اور مختلف پیمائش ہوگی مگر اسی نام کا ایک زمینی پیمائشی پیمانہ بھی ہے۔

[مدارس گلوسری نے موڈا(Mooda) تجویز کیا ہے۔ ملاوی میں موتو(Mutu) سے موتا (Muta) ہے جس کے معنی "ڈھانپنا"، ایک بندھا ہوا بنڈل، خاص طور پر اس سے مراد ہر گولائی کی شکل کے بنڈل ہیں جیسے ولندیزی پنیر گھاس پھونس کی پولیوں سے

بندھا ہوتا ہے۔ جن کے مالابار اور کنارا (Canara)میں چاول بنائے جاتے ہیں۔ موڈا(Mooda) کو ایک کیوبک فٹ اور ۱۶ا مکعب انچ اور ۳ کیلس کے برابر تصور کیا جاتا ہے۔

MOORPUNKY,s

مور پنکی، اسم ذات

یہ مور پنکھی کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب ہے "مور کی دم والا" یا "مور کے پروں والا"۔ یہ نام دریائے گنگا میں چلنے والی خاص قسم کی تفریحی کشتیوں کے لیے مستعمل ہے۔ اب اگر کہیں یہ موجود ہے تو صرف مرشد آباد میں ہی ہیں۔ یہ بری جنگی کشتیوں کی طرح عمدہ ہیں۔[اسی جیسی ایک کشتی فیل چہرہ تھی۔ (ہندی میں فیل چہرہ کے معنی ہاتھی کی شکل جیسی کے ہیں) ۱۷۸۴ء کے ایک خط میں وارن ہیسٹنگ(Worren Hastings)لکھتا ہے۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا سفر ہاتھی کی شکل والے (فیل چہرہ) میں ختم کروں۔

MOORS, THE

مورز دی، اسم ذات

اگرچہ اٹھارہویں صدی میں ہندی کو ایک عام زبان کے طور پر اختیار کیا گیا۔ یہ زبان کی عرفیت کے لیے قدیم انگریزی کا ایک انوکھا محاورہ ہے جس کی مثال ہم مالابار میں تامل کے لیے پاتے ہیں جب کہ ہم بنگال کے لیے بنگالیوں سے، اردو کے لیے ہندوستانیوں اور ترکی کے لیے ترکوں سے ملتے ہیں۔ (Moors) کی اصطلاح اب غالباً مکمل طور پر متروک ہو چکی ہے مگر ۱۸۳۰ء میں کم از کم شاہی فوج کے کچھ پرانے عہدے دار اور کچھ قدیم مدراس کے شہری بعض واقع پر اس لفظ کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور وہ اصطلاح کو پہلے سے مستعمل لفظ کالی زبان کے مترادف کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔[اردو کے لیے مورز کا لفظ یقیناً پرانے یورپی قیدیوں کے درمیان چنار میں ۱۸۹۲ء کے آخر تک مستعمل رہا ہوگا۔]

ذیل میں ہندوستان کی سب سے پہلی انگریزی گرامر کے سرورق کی نقل ہے۔ قواعدی تبصرے پر عملی اور مقامی بولی کی ہندوستانی زبان عام طور پر Moors کہا جاتا تھا۔ ذخیرہ الفاظ کے ساتھ انگریزی اور مورز جو مطابق ہیں معیاری فارسی جس میں ہیں ایک دوسرے سے مماثل الفاظ کا ذکر اظہار صحیح مفہوم میں درست اور مختلف پیچ دار تعبیرات بیانات اور مرکب الفاظ کی وضاحت اور لفظی ترجمہ کے ساتھ زبان کے محاورات کے سب سے آسان حصول کے لیے مکمل اظہار کے لیے بنگال میں عام مستعمل ہے۔

کیپٹن ہیڈلے (Haddly)کا علم ناقابل قبول نظام پر مبنی ہے۔ وہ چھوکرا، چھوکری (لڑکا، لڑکی) کے لیے

چھو کرواں،(Chokerau) چھو کیری (Chookere) اور دال چینی کو دول چینی لکھتے ہیں۔ ان کے اشتقاقی تصورات بھی غیر واضح ہیں۔ وہ جھینگا (Shrimps) کو مچھی کہتے ہیں۔ ایسی مچھلی جس کی ٹانگیں اور پنجے ہوتے ہیں جیسا کہ چنگ (Chang) فارسی سے تھا جس کے معنی کانٹا یا پنجہ" باگ ڈور (Bagdor) ایک لگام یا رسی "کے ہیں اور وہ اسے بھاگ ڈور (Baugdoore) لکھتے ہیں۔ وہ اس سے ڈور معنی "رسی کی بجائے" فاصلہ دوڑ "dur" اخذ کرتے ہیں۔ انھیں ان نحوی آلات کا کوئی علم نہیں جو "نی" پر اختتام پزید ہوتے ہیں اور وہ ہم اور تم کے استعمال سے بھی بے خبر محسوس ہوتے ہیں کیونکہ وہ" وی" اور "یو" (We, you) کو ہم اور تم سمجھتے ہیں۔ قواعد کلی طور پر ناپختہ اور عارضی نوعیت کے ہیں۔

MOORUM,s

مورم، اسم ذات

یہ لفظ جنوبی ہندوستان میں ریت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خاص طور پر وہ جس سے سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ بظاہر مراٹھی زبان کا لفظ ہے۔ مولزورتھ (Molesworth) مُروم کو ایک قسم کا ٹوٹنے والا پتھر قرار دیتے ہیں۔ غالباً خراب حال پتھر۔

MOOTSUDDY,s

متصدی، اسم ذات

ایک مقامی محاسب، ہندی میں متصدی[31] کا لفظ عربی لفظ متصادی (Mutasaddi) سے آیا ہے۔

MOPLAH,s

موپلہ، اسم ذات

ملیالم زبان میں یہ لفظ ماپلا ہے۔ اس لفظ کا عام اطلاق

مالا بار کے مقامی مسلمانوں پر ہوتا ہے مگر اس کا برائے نام اطلاق کو چین اور تراونکور کے عیسائیوں پر بھی ہوتا ہے۔ مورتن (Morton) کی کتاب لائف آف لیڈن (Life of Leyden) میں لفظ کا موخر الذکر استعمال حیرت انگیز طور پر طباعت کی غلطی کی وجہ سے مڈیلہ (Madilla) چھپ گیا ہے۔ لفظ کا ماخذ بہت غیر واضح ہے۔ ولسن کے خیال میں ماپلا سے مراد "ماں کا بیٹا" ہے اور یہ لفظ بیرونی نو آبادیات میں بسنے والوں کے ملاپ سے وجود میں آیا ہے۔ ان نامعلوم نو آباد کاروں نے مالا بار کی خواتین کے ساتھ شادیاں کیں۔ نا سن کے مطابق اس لفظ سے مراد "دولہا" ہے۔ (جبکہ اس کے معانی داماد ہونا چاہیے تھا)۔ ڈاکٹر بدگر (Dr. Badger) یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ یہ عربی زبان کے فعل

سے ہے جس کے معنی "کسان" کے ہے۔ جب کہ سی۔پی براؤن صاحب(C.P. Brown) اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ عربی زبان کے لفظ معبر (Muabaar) کا غلط تامل لفظ، جس کے معنی "پانی کے اوپر سے" کے ہے۔ ان میں سے کوئی بھی قابل قبول معنی نہیں ہے۔[لوگان صاحب اور مدراس گلوسری نے اسے ملاوی لفظ ماں سنسکرت لفظ "ماہا" بمعنی "عظیم" اور ملاوی لفظ "پلا" بمعنی "ایک بچہ" سے اخذ کیا ہے۔ڈاکٹر گنڈرٹ(Dr. Gundert) کی رائے یہ ہے کہ ماپلہ ایک اعزازی خطاب تھا جو نو آبادیات میں بسنے والوں کو مغرب کی طرف سے دیا گیا تھا۔ غالباً آغاز میں صرف اپنے نمائندوں کو دیا گیا ہو گا۔]

MORA,s

موڑھا،اسم ذات

موڑھا ہندی زبان کا لفظ ہے۔ایک سٹول(دستے کے بغیر نیچی نشست) عام بول چال میں بیٹھی ہوئی حالت میں پاؤں ٹکانے والے تختے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

MORCHAL,s

مور چھل،اسم ذات

ایک پنکھا یا مور کے پروں سے بنی ہوئی جھاڑن جو مکھیاں بھگانے کے کام آئے،ہندی میں مور چھل[32] کہلاتی ہے۔

MORT-DE-CHIEN,s

مورت دی چیئین،اسم ذات

یہ ہیضہ کا ایک نام ہے جو کم و بیش اٹھارہویں صدی کے آخر تک استعمال میں تھا۔ اگر اس قدیم تصور کو مد نظر رکھا جائے جو کہ اس غیر معمولی اور بے بنیاد نظریے پر منتج ہوا کہ وبائی ہیضہ ہندوستان میں ہسٹنگ (Hasting) کے گورنر مور قص(Marquis) کے عہد تک کبھی موجود نہ تھا تو اس صورت میں یہ لفظ پرتگالی لفظ مورڈیکسم کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔اس صورت میں یہ لفظ پرتگالی لفظ مورڈیکم کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کی تشکیل ایک خیالی فرانسیسی اشتقاق پر ہوئی ہے۔ پرتگالی لفظ کون کنی اور مہراٹی(Mahratti))، زبان کے الفاظ موداچی، مودشی، یا مودوشی کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ تمام الفاظ "ہیضے" کے لیے مستعمل ہے۔یہ تمام الفاظ مراٹھی زبان کے فعل موڈنن سے اخذ کیے گئے ہیں یعنی ڈبونا یا ٹوٹنا (کمزوری کی وجہ سے گر پڑنا)۔ گجراتی میں مورچی یا موراچی کے الفاظ ہیں۔ بلٹیو (Bluteau) کہتا ہے کہ موڈویکسم سے مراد نظام ہضم کا مکمل طور پر خراب ہونا ہے جو کہ ان اعضاء کے لیے شدید خطرناک ہے۔ جب تک کے

مقامی علاج نہ کیا جائے جو یہ کہ ایک پتلی چھڑی کو سیخ کی طرح گرم کیا جائے اور ایڑھیوں کے نیچے لگایا جائے، یہاں تک کے مریض درد سے چلانے لگے۔ پھر اسی حصے کو جوتے کے تلے سے ضرب لگائی جائے۔

ہیضہ خواہ ایک وبا کے طور پر یا انفرادی بیماری کے طور پر ہو، ہندوستان میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مشرق میں پرتگالیوں کی مہمات کے تقریباً آغاز سے ہی ہمیں اس خوفناک مصیبت کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں گو کہ کتابوں میں کوئی خاص نام نہیں دیا گیا۔ پس ہم جیوانی دی امبولی(Giovanni De Emboli)کی زندگی کے متعلق پڑھتے ہیں جو فلورینٹائین(Florentine)کا ایک مہم جو جوان تھا جس نے پرتگالیوں کے ساتھ کام کیا کہ ۱۵۱۷ء میں چین پہنچنے والے جہاز کے عملے پر یہ مرض حملہ آور ہوا۔ (جسم سے خون یا کسی مادے کا غیر معمولی اخراج) جس سے ستر (۷۰) کے قریب آدمی مارے گئے۔ ان میں خود جیوانی دی امبولی اور دوسرے فلورنس کے باشندے بھی شامل تھے۔ کُریا (Correa)کا کہنا ہے کہ ۱۵۰۳ء میں زامورن(Zamorin)کی فوج کے بیس ہزار آدمی اس بیماری سے ہلاک ہوئے تھے۔ ہم نے اُوپر کُریا (Correa) کے بیان میں گوا(Goa) کی ۱۵۴۳ء کی خوفناک وبا کا ذکر کیا ہے جو کہ بظاہر ہیضہ ہی تھی۔ مکفرسن(Maqherson) کے مطابق آرکاٹ میں ۱۷۵۶ء میں اس بیماری کا پہلی مرتبہ ذکر ملتا ہے۔ ۱۷۶۳ء سے ۱۷۸۷ء کے درمیان اس قصبے میں یہ بار بار مشاہدے میں آتی رہی۔ لنڈسے (Lindsay)۱۷۸۱ء میں سلہٹ میں اس کا ذکر ایک آفت کے طور پر کرتے ہیں جس نے کلکتہ کے باشندوں کی بڑی تعداد میں جان لی۔ اسی سال اس بیماری نے گنجم (Ganjam)میں آفت ڈھائی۔ کرنل پیئرس(Col. Pearse) کے ماتحت بنگال فوج کے پانچ ہزار افراد اس ضلع سے گزرتے ہوئے اس بیماری کا شکار ہوئے، چند ہی دنوں میں ۱۱۴۳افراد ہسپتال روانہ کیے گئے جب کہ کیمپ میں بھی ناقابلِ بیان حد تک موت کا خوف طاری رہا۔ اس کی پہلی روداد کا ثبوت انگریز معالج کی تحریر سے بھی ملتا ہے جس کی تاریخ مدراس گلوسری نے ۱۷۷۴ء تک متعین کی ہے۔ ۱۷۸۳ء میں یہ ہارڈویر فیئر (Hardwar Fair) میں پھیل گئی اور کہا جاتا ہے کہ ۸ سے بھی کم دنوں میں بیس ہزار زائرین اس کا شکار ہوئے۔ یورپی فوج میں ہیضہ کے ۱۸۱۷ء تک ہونے والے کم واقعات کو ڈاکٹر میکنامارا (Dr. Macnamara) نے اس طرح محمول کیا ہے کہ جس میں حقائق بیماری کی موجودہ خاص سائنسی اصطلاحات میں چھپ گئے تھے۔ اس بات کو غالباً نہیں جھٹلانا چاہیے کہ ۱۸۱۷ء میں پھوٹنے والی

بیماری میں بہت شدت تھی مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وبا کے کچھ نمایاں وصف، جن کو بالکل نیا سمجھا جاتا تھا کو گوا (Goa)نے تقریباً ۳ صدیوں پہلے وضاحت سے بیان کردہ کر دیا گیا تھا۔

اس موضوع پر ڈاکٹر میکفرین (Dr. Macpherson) کے ایک مقالہ کو دیکھئے جو جنوری ۱۸٦۷ء کے شمارے میں میکنامارا (Macnamara)کی طرف سے چھپا جس کا عنوان ٹریٹیز اینڈ ایشیاٹک کلوریا (Treatise and Aseitic Chalerea)تھا۔ ہم متعدد حقائق ان سب اور خصوصاً موخر الذکر کے مرہونِ منت ہیں گو کہ ہمارے پاس طباعت سے پہلے ہی مورڈیکھم (Mordexim)اور ہیضہ سے اس کی مماثلت کے اقتباسات محفوظ ہیں۔

MORDEXIM, MORDIXIM,s

مورڈیکھم،اسم ذات

گہرے سمندر میں رہنے والی ایک مچھلی کا نام بھی ہے۔ بلیٹو (Bleteau) کہتا ہے کہ یہ موزمبیق (Mozambique) کے ساحل پر کیوزمبی (Quizembee) کے مقام پر پائی جاتی ہے۔ یہ بوگس (Bogas)یا دریائے پاریک کی مچھلیوں جیسی ہی ہوتی ہیں۔

MOSELLAY,n.p

مصلہ،اسم معرفہ

شیراز کے مقام پر واقع ایک جگہ ہے جس کا ذکر حافظ[9]☆ کی طرف سے بھی اس کی پسندیدہ جگہ کے طور پر کیا گیا ہے۔ یہ مقام حافظ کے مزار کے نزدیک ہی ہے۔

MOSQUE,s

ماسک،اسم ذات

اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس لفظ کی اصل عربی میں مسجد ہے" عبارت کی جگہ" لفظی معنوں میں سجدہ کرنے کی جگہ مثلاً "ماتھا ٹیکنا" اور اغلب رویہ یہی ہے۔ مسجد کے لیے

۱۔ ہسپانوی میں مذکیوٹا(Mezquita) اور پرتگالی میں مسکیوٹہ

۲۔ اطالوی میں مسچیٹہ ، مُسچی ، قدیم فرانسیسی میں مسکیوٹ، مسکیوی

۳۔ انگریزی میں ماسک(Mosque) کا لفظ ہے۔

ماسک کی بجائے مسجد سے متعلق ہم اس لفظ کا ایک اخبار کی کہانی میں مضحکہ خیز اطلاق بھی پاتے ہیں۔ لندن کے ایک ہفتہ وار آزاد اخبار میں ا جولائی ۱۸۸۲ء میں ایڈونچر" دی سٹار آف انڈیا ان دی سپائے میٹنی آف ۱۸۵۷ء Adventure with the star of

India in the sepoy Mutiny of (1857) کے عنوان سے شائع ہونے والے مضمون میں "ہندو مسجد" کی اصطلاح درج تھی۔

MOSQUITO,s

ماسکیٹو، اسم ذات

خط استوا کے ایک خیالی ارض بلد میں اسے گنیٹ (Gnat) بھی کہاجاتا ہے یہ لفظ ہسپانوی اور پرتگالی ہے (ایک مچھر) اور غالباً معروف انگریزی میں اس کا استعمال مشرقی ہند سے آیا۔ گو کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے جنوبی امریکہ سے لایا گیا تھا۔ ایک دوست یہاں شرح نگاری کرتا ہے کہ قطب شمالی کے مچھر سب سے بدترین ہیں۔ کلکتہ میں نہ مچھروں کی کثرت ہوتی ہے۔ یہ سکاٹ لینڈ کی پرانی نسل کی ایک ایسی نوجوان خاتون سے منسوب ہے جس نے اپنے سفر ہندوستان کے دوران مچھروں سے ستائی جانے والی خوفناک رات کے بارے میں مبہم بیانات سن رکھے تھے چنانچہ پہلی مرتبہ ہاتھی کو دیکھنے پر اس نے کہا "کیا تم وہی ہو جسے ماسکیٹو کہتے ہیں۔

MOTURPHA,s

معترفہ، اسم ذات

یہ ہندی میں عربی لفظ محترفہ سے آیا ہے۔ سی۔ پی۔ بی کے مطابق (یہ عربی کے لفظ محترفہ (Muhtorifa) یا محترف (Muhtarif) نہیں ہے جس کے معنی ہنرمند کے ہے اصل لفظ معترف ہے۔ تکنیکی طور پر مدراس اور بمبئی کے متنوع محصولات پر اس نام کا اطلاق ہوتا ہے جنہیں بنگال میں Sayer سایر کہاجاتا تھا۔

MOULMEIN,n.p

اسم معرفہ

کہاجاتا ہے کہ دراصل یہ لفظ ایک تلنگ نام " متمواولم" ہے جس کا مطلب (یابنایا گیا مطلب) "ایک تباہ شدہ آنکھ" ہے اور جس کی وجوہات کے لیے ایک ناقابل یقین قصہ بتایا جاتا ہے۔ (جسے غالباً اسی مقصد کے لیے ہی گھڑا گیا ہے)۔ روایات بتاتی ہیں کہ شہر اس بادشاہ نے تعمیر کرایا جس کی تین آنکھیں تھیں۔ اس کے ماتھے پر ایک زائد آنکھ تھی مگر ایک خاتون کی ریشہ دوانی کی وجہ سے اس کی ماتھے والی آنکھ ختم کر دی گئی تھی۔ برمیوں نے اس نام کو بگاڑ کر مولائمینگ بنادیا۔ اسی طرح لفظ کی بیرونی صورت (غالباً ملاوی) مول مین بن گئی تھی)۔ یہ نام نہاد جگہ مرتبان سے دریائے سالوِن (Salwin) کے چوڑے دہانے کی مخالف سمت میں واقع ہے۔ مول مین میں ایک جگہ کو صوبہ تناسرم کے صدر دفتر کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ ۱۸۲۶ء میں پہلی برمی جنگ کے بعد یہ برطانوی عملداری میں آگئے۔ ۲۶ سال بعد پیگو

کے الحاق کے بعد اس کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی مگر یہ ایک خوشحال شہر ہے۔۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کے باشندوں کی تعداد ۵۳،۱۰۷ تھی۔

MOUSE DEER,s

ماؤس ڈیئر، اسم ذات

ایک چھوٹی خوبصورت مخلوق، اس کا حیاتیاتی نام میمنا انڈیکا ہے۔ یہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا اوسط وزن تقریباً ٦ پونڈ کے برابر ہوتا ہے اس نام کا اطلاق مالے کے علاقے میں پائے جانے والے اسی گروہ کے متعدد پستہ قد جانوروں پر کیا جاتا ہے۔ ان تمام جانوروں کا تعلق مشک ہرن کے خاندان سے ہے۔[سیکٹ صاحب کے خیال میں تیز رفتاری میں یہ خرگوش سے بھی دو قدم آگے ہے۔ یہاں تک کہ چیتے، ہاتھی اور مگرمچھ کو بھی دھوکا دے دیتی ہے۔]

MUCHAN,s

مچان، اسم ذات

مچان ہندی زبان کا ہے۔ سنسکرت میں منچا دکنی میں منچان ہے۔ ایک اونچا چبوترہ جیسے کے ہند چینی نسلوں میں لوگوں کے گھر ہوتے ہیں۔ چیتے کو دیکھنے یا میدان کی حفاظت کرنے کے لیے بنایا گیا چبوترہ، چھوٹی موٹی چیزیں رکھنے کے لیے بنایا گیا خانوں والا سٹینڈ۔

MUCHWA,s

مچوا، اسم ذات

مراٹھی میں مچوا جب کہ ہندی میں مچوٗا، مچوا[33] کے الفاظ ہیں۔ یہ ایک قسم کی کشتی یا ایک لمبے سپاٹ پیندے کی کشتی ہے۔

MUCKNA,s

مکھنا، اسم ذات

مکھنا ہندی زبان کا لفظ ہے۔[جو کہ سنسکرت لفظ متکونا سے آیا ہے۔ اس کے معانی ایک کیڑہ، حشرہ، ایک بغیر داڑھی کے آدمی، دانت کے بغیر ہاتھی کے ہے۔] ایک نر ہاتھی جو بغیر دانتوں کے ہو یا ابتدائی دانتوں والا ہوں۔عام طور پر موخرالذکر بنگال اور سیلون میں جانے جاتے ہیں۔ ایس بیکر صاحب (Sir S.Baker) کے مطابق سیلون میں تقریباً تین سو میں سے ایک ہاتھی کے دانت نہیں ہوتے جنہیں محض مختصر Grubbers فراہم کیے جاتے ہیں۔ عموماً اوپری جبڑے سے ۱۳ انچ آگے نکلے ہوئے ہوتے ہیں اور قطر میں تقریباً ۲ انچ ہوتے ہیں یا بغیر دانتوں کے ہاتھی ہندوستان میں بھی پیدا ہوتے ہیں جو کہ یقیناً نایاب ہیں۔ مکھنا (Muchknas) غول میں نشوونما پاتے ہیں اور خلاف معمول یہ خصوصیت موروثی نہیں ہوتی۔ مصنف یہ بھی کہتا ہے کہ میسور اور بنگال میں پکڑے جانے والے ۵۱ نر

ہاتھوں میں سے صرف ۵ مکھنا تھے مگر ان کی تعریف بنگال میں وہ ہے جو ہم نے دی ہے یعنی وہ ہاتھی ابتدائی دانتوں کے حامل ہوں۔ بیکر (Bakes) کے چھوٹے دانتوں والے ہاتھی بھی اس میں شامل ہیں۔ موخر الذکر کو بامشکل ہی سدھائے ہوئے جانور کہا جاسکتا ہے۔ ایسا خریداروں کی ترجیحات کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی مصنف نے اس اصطلاح کو لفظ "مکھ" بمعنی "چہرہ" سے اخذ کیا ہے مگر اس کی وجہ واضح نہیں ہے۔ شیکسپیئر اور پلیٹس نے مکھنا کے ایک اضافی معنی "آہنی خار کے بغیر مرغا" بتائے ہیں۔[34]

MUCOA, MUKUVA n.p

مکوا، موکوہ، اسم معرفہ

تامل اور ملیام میں مکوّن بطور واحد اور مکور (بطور) جمع مستعمل ہے یعنی "ایک غوطہ خور" [لوگان نے اسے دراوڑی لفظ مکوا سے اخذ کیا ہے جس کے معنی ہے "غوطہ لگانا" مدراس گلوسری تامل لفظ مذگلو کو بطور ماخذ پیش کرتی ہے جو انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس نام کا اطلاق کموان (Comovin) کے نزدیک واقع جزیرہ نما کے مغربی ساحل کے مچھیروں پر ہوتا ہے مگر پرنگل صاحب (Mr. Pringle) نشاندہی کرتے ہیں کہ آج سے پہلے اس لفظ کا استعمال بہت عام تھا۔ اس لفظ کا استعمال صرف جنوب تک محدود نہ تھا بلکہ شمال میں مدراس تک اور دوسری جانب مغربی ساحلوں تک عام تھا۔] اس کے علاوہ مشرقی ساحلوں پر بھی یہ عام مستعمل تھا جہاں ہندوستان کا سب سے زیادہ مزدور طبقہ پایا جاتا ہے۔

MUDDAR,s

مدار، اسم ذات

یہ ہندی میں مدار، اور سنسکرت میں مندارہ۔ یہ پورے ہندوستان میں غیر کاشت شدہ زمین میں پائے جانے والے عام پودوں میں سے ایک ہے۔ سندھ میں اس کی چھال کا ریشہ لگاموں وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور تجربات نے انگلستان میں اسے ایک بہترین مواد ظاہر کیا ہے جس کے ایک ٹن کی قیمت ۴۰ پاؤنڈ ہے۔ مواد کی جمع آوری پر خطیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ چنانچہ مواد کی جمع آوری کی قیمت ہی اس کے کثرت استعمال کی راہ میں حائل ہے۔ بیج خام ریشم میں جما دیئے جاتے ہیں اور سرہانوں کو بھرنے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس پر پارچہ بافی کے استعمال کے لیے بھی تجربات کئے گئے مگر اب تک خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس پودا میں تیز دودھیا مواد بکثرت پایا جاتا ہے جسے راجپوت طفل کشی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ پودا سندھ سمیت پورے شمالی ہندوستان میں اَک کہلاتا ہے۔

MUDDLE,s

مڈل،اسم ذات

اس لفظ کو ہم چالاک کے معنوں میں لیتے ہیں یا غالباً بہت زیادہ چالاک)۔ یہ لفظ جانا پہچانا نہیں لگتا اور غالباً یہ بڈلی(Budlee) کا غلط تلفظ ہے۔[یہاں تک کہ سر برانڈٹ(Mr. Brandt)اور مسز ویات (Mrs.Wyatt)دونوں اس لفظ کی وضاحت سے قاصر رہے ہیں۔ اول الذکر کی یاداشت میں کہیں بھی یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ البتہ مسز ویات تذبذب کے ساتھ اسے تامل الفاظ" مُدر" بمعنی "ابلے ہوئے چاول "اور "مُدئی پالی" بمعنی "پکانے والا گھر" سے جوڑا ہے۔

MUFTY,s

مفتی،اسم ذات

ا۔ مفتی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اسلامی قانون کا ایک شارح، فتوی دینے والا، معنوی اعتبار سے مفتی کا درجہ قاضی سے اوپر ہے جو کہ فیصلہ کرتا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں اور بشمول ۱۷۹۳ء کے ضابطہ ix کے ، جو بنگال میں کمپنی کی عدالتوں کی تنظیم نو کے لیے دیا گیا تھا اور بڑی حد تک ۱۸۶۲ء تک قائم رہا۔ ہم نے مسلسل دونوں قاضیوں اور مفتیوں کو اسلامی قانون کے مستند شارح کے طور پر پیش کیا مگر قاضی کا عہدہ ۱۸۲۹ء سے ۱۸۳۱ء تک صوبائی عدالتوں میں برائے نام برقرار رکھا گیا مگر عملی طور پر یہ عہدہ داران جو قاضی کہلاتے تھے۔ انھیں چند مختلف کاموں تک محدود کر دیا گیا تھا۔ قانونی افسر کا عہدہ مولوی کو حاصل تھا جو ضلعی عدالتوں میں فتوے دیتے تھے۔ مفتی کا خطاب برطانوی انتظام میں بہت عرصہ سے متروک ہو چکا ہے۔ بلاشبہ اب یہ عملی طور پر انڈین سول سروس کے باقی ماندہ اراکین کے لیے بھی نامانوس ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں موجودہ کسی انگریز کو بھی یہ لفظ استعمال کرتے نہ سنا ہو گا۔

۲۔ "سادہ لباس" کے لیے آرمی میں ایک عامیانہ محاورہ ہے کوئی شک نہیں کہ اسے کسی طرح (ا) سے لیا گیا ہو

مگر یہ تبدیلی کچھ غیر واضح ہے[غالباً اس کا اطلاق پہناوا، لبادا، دھویں سے بچاؤ والی ٹوپی اور ہلکے جوتے پر ہوتا تھا جو کہ مفتی کے مشرقی لباس جیسا تھا، وہ یورپ میں اپنی ظاہری وضع قطع سے پہچانا جاتا تھا۔]

MUGG,n.p

مگھ،اسم معرفہ

بنگالی میں مگھ[35] (Magh)ہے۔ اس مبہم نام کی توضیح کے لیے ولسن کی بتائی گئی تعریف کا تجزیہ کیے بغیر اس سے گریز ناممکن ہے۔ "یہ وہ نام جو عام طور پر اراکان

کے مقامی باشندوں کے لیے استعمال ہوتا ہے خصوصاًوہ جو بنگال کی سرحدوں پر رہتے ہیں یا سمندر کے نزدیک رہائش پذیر ہیں۔ یہ چٹاگانگ کے لوگ ہیں" یہ کہنا اس کے مادہ اور صحیح اطلاق پر سوال کرنے سے ہٹ کر ہے جیسا کہ ولسن لیفٹیننٹ فیئر کے اختیارات کے ساتھ کہتے چلے جاتے ہیں کہ اراکان کے لوگ اس خطاب کو قبول نہیں کرتے اور اسے اس طبقے تک محدود کرتے ہیں جسے کمتر رکھا جاتا ہے یعنی کہ بنگال کی سرحدوں پر رہائش پذیر بنگالی اراکان آبادکاروں کی اولاد ہیں جبکہ ان کی مائیں بنگالی ہیں۔ کسی بھی زبان میں غیر ملکی اقوام کے مستعمل ناموں کو ایسے جواز کی ضرورت نہیں جو قوم کے تعلق کو واضح کریں اور اکثر اسے موخر الذکر کی طرف سے تسلیم تک نہیں کیا جاتا۔ "جرمن"، جرمنیوں کے لیے کوئی جرمن نام نہیں ہے۔ نہ ہی ویلز (Welsh) ویلز (لوگوں کے لیے) کوئی ویلز نام ہے، نہ ہی ہند واصل میں کوئی ہندی نہ ہی چین چینی زبان کا لفظ ہے۔ موجودہ لفظ کا ماخذ بہت غیر واضح ہے۔ فیئر صاحب بڑے یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یہ نتیجہ اخذ کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ نام کو مگہ سے اخذ کیا گیاہے جو کہ مگدھا (جدید بہار) میں صدیوں سے رہنے والی ایک غالب نسل کا نام ہے۔ بلاشبہ اراکان کے بادشاہ اصلاً اسی نسل سے تھے۔ اگرچہ اراکان کی تاریخ میں انکو صریحاً بیان نہیں کیا گیاہے۔ اس ملک کے متعلق بنارس سے تعلق رکھنے والے بادشاہوں کے اقتدار کے روایتی قصے موجود ہیں۔ یہ ایک برہمن سے متعلقہ ہے جو ایک مقامی شہزادی سے شادی کر لیتاہے۔ بعد ازاں اس کی اولاد نے ایک لمبے عرصے تک یہاں حکومت کی۔ میں بھی یہی کہتا ہوں اگرچہ بوچنان صاحب اس نظریہ کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی رائے کو پیش کرنے کے لیے درج ذیل اقتباس نقل کیا جارہاہے۔

"دوسری جانب مسلمان مصنفین بعض اوقات بدھ مت کے پیروکاروں کو آگ کے پجاریوں کے ساتھ غلط ملط کر دیتے ہیں اور یہ امکان بھی ہے کہ یہ لفظ مگھ دراصل ایرانی لفظ مگس کا ہم معنی ہو۔ چٹاگانگ کے مگس نے لمبے عرصے تک کلکتہ میں مقامی باورچیوں کی بہترین جماعت فراہم کی۔"

MUGGUR,s

مگر، اسم ذات

ہندی اور مراٹھی الفاظ "مگر" [36] اور مکر کا ماخذ سنسکرت لفظ 'مکارا' ہے۔ مکارا کے معنی "سمندری عفریت" کے ہیں۔ اس سے مراد دریائے گنگا اور دیگر ہندوستانی دریاؤں کا تباہ کن وسیع تھوتنی والا مگر مچھ ہے۔ پہلے یہ کرکوڈائل بپرکیٹ (Crocodile biporcatus) کہلاتا تھا۔ البتہ اب متنوع اقسام کی درجہ بندیوں میں منقسم ہوگیاہے۔

MUGGRABEE, n.p

مغربی، اسم معرفہ

مغربی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس لفظ کا اطلاق مغربی عربوں اور خاص کر مورز پر ہوتا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ اب یہ ہندوستان میں عام استعمال نہیں ہوتا۔ اس اصطلاح کا ذکر ہیـــراڈن مغـــرابن آف کوینٹن ڈرورڈ (Hayraddin Mograbbin of Quentin Durward) میں بھی ملتا ہے۔ اس لفظ کی مادہ لفظ عرب ہے۔ ہسپانیوں کے پاس الگرو(Algarve) کا صوبہ ہے اور ہسپانوی اور پرتگالی دونوں کے پاس غربین کا لفظ ملتا ہے جس کا مطلب ہے "مغربی ہوا" الہ دین کی کہانی کا جادوگر مغربی ہے۔ اسی مناسبت سے یہ اصطلاح کچھ علاقوں میں بددعا کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ مغربی نام کا ایک سکہ بھی ہے۔

MULL,s

مُل، اسم ذات

یہ مُلِ گٹونے کا مخفف ہے اور اس کا اطلاق مدراس صدارت کے ملازمین پر ایک امتیازی لقب کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ بنگالیوں کو کوئی ہز(Qui. his) اور بمبئی کے رہنے والوں کو ڈکس(Ducks) یا بنائیٹڈ(Benighted) کہا جاتا ہے۔

MULLIGATAWAY,s

مُلِ گٹونے، اسم ذات

یہ ایک معروف یخنی کا نام ہے جو تامل لفظ ملگوتنیر کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب ہے فلفل آبی (Pepper water) یہ بہترین غذا مدراس میں بارغبت کھائی جاتی ہے۔

MULMULL

ململ، اسم ذات

ململ ہندی زبان کا لفظ ہے۔

MUNCHEEL, MANJEEL

منچیل، منجیل، اسم ذات

یہ لفظ جنوب مغربی ساحل کے لیے موزوں ہے۔ ملیالم لفظ منجیل او منچال سنسکرت کے لفظ منچا سے مشق ہے۔ یہ رسیوں کی ڈوری سے بنا ہوا ایک طرح کا جھولا ہے جو کہ ساحل پر پالکی یا ڈولی کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر ہمالیہ کے ڈنڈی جیسا ہی ہے مگر یہ زیادہ پیچیدہ ہے۔ کوریا (correa) نے بھی اس کا ذکر نام لیے بغیر کیا ہے۔

MUNGOOSE,s

منگوس،اسم ذات

یہ ہندی نیولے کا ایک معروف اینگلو انڈین نام ہے جس کو جنوب میں منگو ستہ منگوس اور بنگال میں ہرپسٹس ملاکنس (Herpestes Malaccensis)کیا جاتا ہے۔ [بلین فورڈ(Blanford)نے اسے آٹھ انواع کی شناخت کے لیے استعمال کیا ہے۔ عام ہندی مینگوس کو ہرپسٹس منگو (Herpestes Mungo) کے الفاظ ملتے ہیں۔ بالائی ہندوستان میں یہ جانور نیول، یانیولا یانیول کہلاتا ہے۔ تاہم جارڈن (Jerdon) منگوس لفظ کو دکنی یامراٹھی قرار دیتا ہے]۔[پلیٹس نے اسے ایک مقامی سمجھتے ہوئے مبینہ طور پر سنسکرت کے لفظ مکشو (Makshu) بمعنی "تیزی سے حرکت کرنا" سے اخذ کیا ہے۔[37] عربی میں یہ بنت عروس (Bintarus) بمعنی ''دولھا کی بیٹی کہا جاتا ہے۔ مصر میں کِٹ کَٹ فرعون کے الفاظ ہیں یعنی ''فرعون کی بیٹی'' ۔بلیٹیو (Bluteau) نے ذیل میں ہسٹری آف سیلون (History of Ceylon) سے ایک اقتباس نقل کیے ہے۔ یہ کتاب پیرس میں ۱۷۰۱ء میں شائع ہوئی یہ دراصل ربیرو (Ribeyro) کے ایک قصے کا نچوڑ ہے۔ اقتباس صفحہ نمبر ۱۵۳ سے لیا گیا ہے۔ ''کچھ لوگ ہے جو اس جانور کی نگہداشت کرتے ہیں اور اسے اپنے ساتھ سلاتے ہیں۔ اگرچہ یہ کبیدہ خاطر ہے کیونکہ یہ سانپ سے ڈسوا کے مرنے سے زیادہ منگوس سے کٹوا نے کو ترجیح دیتے ہیں۔]

MUNJEET

منجیت،اسم ذات

اسے ہندی میں مجیٹھ، سنسکرت میں منیجشتھا کہتے ہیں۔ایک رنگنے والا پودہ ہے۔ بنگالی میں اسے ''مدار''کہتے ہیں۔

MUNNEEPORE, n.p

منی پور[10]☆،اسم معرفہ

منی پور ایک نیم خود مختار ریاست ہے جو بنگال کے انتہائی مشرق کی جانب کچار(Cachar)کے برطانوی ضلع کے درمیان واقع ہے۔ قدیم سلطنت برما کا بالائی حصہ، برہم پتر اور ایراوادی کی نہروں کے درمیان کا آب گیر رقبہ بھی اس میں شامل ہے۔ وہاں کے باشندے ہند چینی اور منگول ہیں۔ یہ مملکت بھی تمام ہندو چینی ریاستوں کی طرح ایک چھوٹی سی ریاست ہے ،جو آسام کی سرحدوں سے میکانگ (Mekong) تک تھیں ۔ اس مملکت نے بھی فتوحات اور اقتدار میں دیگر ہندی چینی ریاستوں کی طرح حصہ لیا تھا۔ منی پور (Munipur) میں بھی شاہی حکومت کے تاریخی واقعات رونما ہوئے ہوں

گے مگر یہاں سے بہت کم مواد اکٹھا کیا گیا۔ راجاؤں اور عوام نے کئی سال قبل (عرصہ صحیح معلوم نہیں) ہندومت کو بطور مذہب قبول کیے رکھا ہے۔ ۱۷۵۵ء میں سلطنت برما کے بانی الومپرا (Alompra) کو منی پور پہنچنے سے پہلے ہی واپس بلالیا گیا۔ اس کے بعد ہماری پہلی برمی جنگ ۱۸۲۴ء۔۱۸۲۵ء تک رابطے کا یہ سلسلہ عملی طور پر منقطع رہا۔ یہاں سے وہ کچار میں داخل ہوئے۔ برطانوی افواج نے منی پور کی افواج کے ساتھ مل کر ان کو وہاں سے نکالا۔ اس دن سے برطانوی افسران ہمیشہ منی پور اور کچار کے درمیان ایک سڑک کھلوانے کے لیے کثیر رقم صرف کی گئی۔ [۱۹۸۰ء کے قریب کوئنٹین صاحب (Quintion) کے قتل کے باعث آسام کے چیف کمشنر اور منی پور میں موجود دیگر برطانوی افسران نے بلوائیوں کو کڑی سزا دی۔ اس سانحہ کی وجہ ایک مہاراجہ کا اغوا تھا جو اگلے سال کلکتہ میں وفات پاگیا۔ بعد ازاں اس کی ریاست جانشینوں کے عہد کے دوران برطانوی تسلط میں رہی۔

اس ریاست کو بہت سے ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے۔ رنیل (Renell) کی یاداشتوں اور ہندوستان کے نقشوں میں یہ میکلے (Meckley) کے نام سے جانی جاتی ہے۔ سیمیس (Symes) کے بیان اور اس وقت کے نقشوں میں یہ کیسے (Cassay) ہے۔ یہ دونوں نام جدید نقشوں سے غائب ہو چکے ہیں۔ میکلے دراصل مکلی نام کو ظاہر کرتی ہے۔ اس نام سے یہ ملک آسام کے علاقے میں جانا جاتا تھا۔ مگلی (Mogli) کچار میں مستعمل نام تھا۔ "کا سی" یا "کا تھی" کے نام سے یہ برمیوں اور شانز (Shans) میں جانا جاتا تھا۔

MUNSUBDAR

منصب دار

یہ لفظ ہندی میں فارسی لفظ منصب دار سے آیا ہے۔ "دفتر کا مالک" معزز عہدے دار" منصب کا لفظ عربی زبان میں بھی موجود ہے۔ یہ اصطلاح مغل حکومت کے بظاہر تابع جاگیر دار جنہیں وہ پانچ سو، ہزار یا اس سے بھی زائد گھوڑوں کی فراہمی کی شرط پر ایک علاقہ تفویض کرتے تھے، کو ظاہر کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں یہ عنوان برائے نام تھا اور اکثر یہ بغیر فرمان کے فرض کرلیا جاتا تھا۔ [اروین صاحب Irvine) نے اس پر تفصیلاً بحث کی ہے اور منصب کے لفظ کو عہدے سے ظاہر کیا ہے۔ جیسے ان کا مقصد ان کی برتری پر باہم اتفاق اور تنخواہ میں ترتیب قائم کرنا تھا۔" کسی بھی مخصوص دفتر میں برتے جانے کے معنی رکھنا ضروری نہیں تھا اور اس کے معنی اس حقیقت سے زیادہ نہیں ہے کہ یہ مالک ریاست کے ملازمین میں شامل تھا اور اس عنایت کے

بدلے کے طور پر جب اسے بلایا جائے تو سر تسلیم خم کر کے بہت سی خدمات پیش کرنے کے لیے مجبور تھا۔

MUNTRA,s

منترہ، اسم ذات

منترہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ ویدوں کا ایک اقتباس یا ایک جادوئی کلیہ۔

MUNTREE,s

منتری، اسم ذات

ایک وزیر یا اعلیٰ عہدے دار کو سنسکرت میں منتری کہتے ہیں۔ لفظ کا یہ مخصوص انداز استعمال قدیم ہندی ریاستوں میں خاص طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہند چینی اور مالے کی ان ریاستوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے اپنی قدیم تہذیب ہندوستان سے لی ہے۔ یہ وہی لفظ ہے جسے بعد میں پرتگالیوں نے مندرن بنا دیا۔

MUNZIL,s

منزل، اسم ذات

منزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی 'اترنے' یا' سواری سے اترنے' کے ہیں۔ اسی سبب یہ سٹیج، فوجی چال میں پڑاؤ کے مقام اور دن کے سٹیج کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔

USCAT, n.p

مسکت، اسم معرفہ

مسکت شمال مشرقی عرب کا شہر اور بندرگاہ ہے جو ایک لمبے عرصے تک عمان کا دارالحکومت رہا۔

MUSIC,s

میوزک، اسم ذات

میوزک کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کے متعلق ہندوستانی لوگوں اور انگریزی لوگوں کے جذبات میں کوئی اختلاف ہو۔ باجہ مغربی میوزک کی تجسس سے بھرپور وہ قسم ہے جس سے یہ لطف اٹھاتے ہیں اور داد بھی دیتے ہیں۔ اس کا ذکر ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ (Canning) کے لاہور کے کیے جانے والے دورے میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ ایک مصنف کی یادداشت میں بھی اس شکل میں موجود ہے۔ "سطح مرتفع کی رجمنٹ کے حصے پر مشتمل ہمراہیوں میں سے ایک معزز سکھ چیف جنھوں نے باجہ سنا تو پکار اٹھے "دراصل وہ ایک میوزک ہے" یہ بالکل ویسا ہی ہے جس کے متعلق ہم نے قدیم کہانیوں میں پڑھا ہے جو بہت عمدہ ہوتا ہے کہ سامع مدہوش ہو جاتے ہیں۔"

MUSK,s

مشک،اسم ذات

اس کے ماخذ کی تلاش میں ہمیں لاطینی لفظ "مسچوس" ملتا ہے۔ غالباً فارسی زبان کے توسط سے متعارف ہوا۔ [38]بعد ازاں یہ سنسکرت زبان میں "مشکا" کی بدلی ہوئی صورت میں سامنے آیا۔ جس کے لغوی معنی پرانے انگریزی محاورے سے پتہ چلتے ہیں۔ "ایک خوردنی مچھلی کی کستوری" ایک پرانے معروف یورپی مفکر نے ایک مضمون کی نشاندہی کی ہے جس کا حوالہ ہم ایس۔ ٹی۔ جروم (S.T.Jerome) سے دیتے ہیں۔ امیڈہ (Amida) کے آئیٹس (Aetius) سے دیے گئے قدیم طبی نسخے ہیں۔ سنسکرت نام کستوری ہے۔ رایل (Royle) کے مطابق اب تک ہمالیہ میں اس کا اطلاق مشک ہرن پر ہوتا ہے۔ یونانیوں نے اپنے ایک اودبلا سے مشابہ آگہی طلب شے قرار دیا ہے۔ مشک ہرن تمام ہمالیہ میں سزیچن (Szechuen) کی سرحدوں سے مشرق کی جانب سائبریا (Siberia) کے شمال میں شاذونادر ہی مگر گرمیوں میں ۸۰۰۰ فٹ کی اونچائی سے کم کے علاقے میں نظر آجاتا ہے۔

MUSK-RAT,s

مشک رت،اسم ذات

جارڈن کی رائے میں یہ سورکھ سرلوسینس Sorex (Caerulescens) کا مشہور نام ہے۔ (جب کہ بلین فورڈ اسے کروسئیڈا سرسلیا (Crocidura Caerulea) خیال کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جانور ہے جو ظاہری ہیئت میں کافی حد تک عام چھچھوندر سے مشابہ ہے، مگر تقریباً یہ چھوٹے بھورے چوہے جتنا بڑا ہوتا ہے۔ یہ مشک جیسی تیز بُو چھوڑتا ہے۔ یہ بُو اِس قدر چبھنے والی ہوتی ہے کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گوداموں میں رکھی گئی شراب کی بوتلوں کے ڈھکن یہ جانور خراب کر دیتے ہیں اور ان کے بدن سے خارج ہونے والی تیز بو بوتلوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ جارڈن نے اِس سارے عمل کا دانشمندی سے مشاہدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ عین ممکن ہے کہ بوتلوں کے لیے استعمال ہونے سے قبل ہی کارک متاثر ہو چکے ہو اور اسی باعث بُو بوتلوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ (بلینٹن فورڈ اپنی کتاب میمیلیا (Mammalia) میں لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا کہانی کو بعید از قیاس تصور کیا جانا چاہیے کیوں کہ یورپ میں موجود اور ہندوستان برآمد کی جانے والی شراب کی بوتلوں پر کبھی بھی کوئی جرمانہ باعث خرابی عائد نہیں ہوا۔) جب بھی نر جانور لڑی کی صورت میں کسی مادہ کا پیچھا کرتے ہیں اور مادہ شدید جنسی ہیجان کی کیفیت

سے دوچار ہوتی ہے تو ایسے میں وہ تیز بُو خارج کرتی ہے۔

MUSLIN,s

مُصلن، اسم ذات

اس خیال میں کوئی شبہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ لفظ ٹگریس(Tigris) پر موصل (Mosul) یا موصل (Mausal) سے مشتق ہے۔ قدیم وقتوں سے یہ ایک بناوٹ کا نام رہا ہے، مگر ہمیشہ ایسا نہیں رہا۔ اب ہم اس کا اطلاق جزوی شفاف ریشوں پر کرتے ہیں۔ ڈوزی (Dozy) کہتے ہیں کہ عرب ملازمین میں مستعمل لفظ موصلی (Mausili) ہمارے لفظ کا ہم خیال ہے۔ الف لیلوی داستانوں میں یہ لفظ عمدہ پگڑی کے مواد کو ظہار کرتا ہے۔[برٹن(Burton) نے موصل مواد کا ترجمہ کیا اور کہا ہے کہ اس کا مطلب موصل رواج یا موصلن ہو سکتا ہے۔]

اویز(Ives) اور مارکوپولو کی کتب سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا اطلاق ایک مختلف نوعیت کی بناوٹ پر کیا تھا جسے ہم مصلن کہتے ہیں۔

MUSNUD,s

مسند، اسم ذات

یہ ہندی میں عربی زبان کے لفظ مسند سے آیا ہے۔ اس کا مادہ سند ہے۔ ' اس نے اس پر ٹیک لگایا یا آرام کیا' یہ ہندوستان میں مقامی شہزادوں کے تخت کی جگہ استعمال کیا جانے والا ایک بڑا گدا ہے۔

MUSSALLA,s

مصالحہ، اسم ذات

یہ فارسی سے ہندی زبان میں آیا ہے۔ (دراصل یہ عربی زبان کا لفظ "مصالح" ہے۔ (جس کا واحد مصلح ہے۔) یہ لفظ تبدیلی معنی کے ساتھ آگے منتقل ہوا ہے) لغوی معنی کسی خاص شے کی تیاری میں استعمال ہونے والا سامان ہے یا اچھے نتائج بر آمد کرنے کے لیے ساز گار حالات یا موزوں اشیاء کا انتخاب، اگرچہ کبھی کبھار یہ کسی بھی طرح کے آمیزے کے اجزاء کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً سیمنٹ بنانے کے لیے، عام طور پر اس کا سب سے زیادہ استعمال مرچیں اور اس ہی جیسے سالن کے اجزاء پر ہوتا ہے۔ یہاں ایک شوخ مزاج گورنر جنرل کی روایت ہے کہ انھوں نے ایک تیز اور مختصر مہم پر چپراسیز اور مسالچیز کو بامشکل برداشت کیا تھا۔ (یعنی چپاتیوں اور مصالحے کو بامشکل برداشت کیا۔)

MUSSAL,s

مشعل، اسم ذات

ہندی میں یہ عربی لفظ مشعل یعنی ٹارچ سے آیا ہے۔ عام طور پر یہ ڈنڈے کے گرد چیتھڑے لپیٹ کر بنائی

جاتی ہے اور پختہ مٹی کے ایک کٹورے سے وقفوں وقفوں میں اسے تیل کی صورت میں ایندھن فراہم کیا جاتا ہے۔

MUSSALUCHEE,s

مشعلچی، اسم ذات

لفظ مشعل سے ہندی میں ایک اور لفظ مشعلچی ہے۔ اس کے ساتھ ترکی خاتمہ چی ہے جو عام طور پر مفہوم دینے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ الف لیلیٰ داستانوں میں المشعلی کا لفظ جلاد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لفظ کا باقاعدہ مطلب اندھیرے میں مسافروں کو روشنی دکھانے والا ہے اور خاص طور پر یہ پہلے اس شخص کے لیے مستعمل تھا جو رات کے سفر میں مشعل اٹھا کر پالکن کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ وسط ہند میں مشعل اٹھانا، نائی کی خاص ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے نائی کو عام طور پر مشعل بردار کہتے ہیں۔ تاہم اس لفظ کا اطلاق اکثر وبیشتر چھوٹے گھریلو ملازمین پر بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات اسے بگاڑ کر مسال بھی کیا جاتا ہے۔)

پہلے ان ملازمین کی ذمہ داریاں مختلف تھی مگر اب ان سے چراغوں کا خیال رکھنے والے اور برتن دھونے والے کی مراد لی جاتی ہے۔ ایک پرانے انگریزی محاورے میں اس سے مراد برتن مانجھنے والی کے ہیں۔

MUSSENDOM CAPE , n.p

مسندم کیپ، اسم ذات

یہ ایرانی خلیج کے دروازے پر عرب کا انتہائی مشرقی مقام ہے۔ مناسب انداز میں بات کرے تو یہ چھوٹی ڈھلوان والے جزیرے کا نام ہے جو شمال مشرق سے آگے نکلا ہو۔ یہ عمان کی علامت ثروت ہے۔ ڈاکٹر بدگر کے پیش کردہ نقشے میں عمان کی علامت ثروت کے ساتھ اس کا نام مساندم لکھا ہے مگر علی کپودان نے موہت آف صدی (Mohit of Sidi) میں اسے راس مسندم لکھا ہے جبکہ اسپرنگر نے اسے موسندم لکھا ہے۔

MUSSOLA MUSSOOLAH BOAT,s

مسولا، مسولہ بوٹ، اسم ذات

یہ کورومینڈل کے ساحل پر استعمال ہونے والی تختہ کشتی ہے۔ اس کا حجم کشادہ ہوتا ہے۔ یہ ناریل کی ڈوری سے تختوں کو باندھ کر تیار کی جاتی ہے۔ ناریل کے ریشوں کی بٹی ہوئی رسی کی مدر سے کھلے جوڑوں کی بھرت اور رختہ بندی کرکے اسے بہتر بنایا جاتا ہے۔ اس لفظ کا ماخذ غیرواضح ہے۔ لیڈن (Leyden) کا خیال ہے کہ یہ مہرٹہ (Mahraata) میں مچھلی کے لیے مستعمل اصطلاح

مسئولا(Masoula) سے مشتق ہے۔مارٹن کی کتاب لائف آف لیڈن (Life of Layden, 64) جب کہ حقیقت میں مراٹھی مچھلی کے لیے مستعمل لفظ ماسُلی اور کونک (Konk) مسئولی ہے۔ بی۔پی۔ہیبر (B.P. Heber) نے اس اشتقاق کو معقول حد تک اختیار کیا ہے۔[مدراس گلوسری کے مدون نے تلگو میں ماسولہ اور ہندی میں مچھلی بتایا ہے۔] مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ عربی کی کوئی ایسی سمندری اصطلاح ہو جو لغات میں موجود نہیں ہے۔ دراصل سی۔ فڈرسی، (C. Federsi) کی استعمال شدہ اصطلاح دفتری غلطی نہ ہوتو یہ عربی لفظ مسد (masad) سے ممکنہ اشتقاق کی تجویز پیش کرتی ہے یعنی' کھجور کے درخت کی ایک ریشوں والی چھال سے بنائی گئی رس' عربی سے ایک اور مجوزہ اشتقاق معنوی اعتبار سے ڈونگی یا چھوٹی کشتی کے متضاد لفظ موَصُل (Mausul) ہے جس کے معنی جڑے ہوئے کے ہے اور ممکن ہے کہ اگر ان کشتیوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا رہا تھا تو اس سبب یہ لفظ 'محصول' بمعنی ٹیکس سے آیا ہو۔ آخری امکان یہ بھی ہے کہ اس کا تعلق مسولی پٹم (Masulipatam) سے ہو۔ جہاں اس جیسی کشتیاں استعمال کی جارہی ہے مگر یہ تمام خیال قیاسی ہیں۔ گسپارو بلبی (Gasparo Balbi) نے ان کشتیوں کے استعمال کو بہتر انداز میں بیان کیا ہے مگر ان پر کسی نام کا اطلاق نہیں کیا۔

MUSSUCK,s

مشک، اسم ذات

یہ چمڑے کا بنا ہوا پانی کا ایک ایسا تھیلا ہے جو مکمل طور پر بڑی بکری کی کھال سے بنا ہوتا ہے جسے بہشتی ڈھوتا ہے۔ ہندی میں اس شے کے لیے مشک سنسکرت میں مشکا کا لفظ ہے۔

MUSSULMAN,adj,s

مسلمان، اسم صفت، اسم ذات

محمدی، مسلم، جس کے معنی مطیع ہونا یا (کسی کا اللہ کے سامنے) عرض کرنا ہے۔ یہ نام محمد ﷺ نے دین الٰہی پر یقین رکھنے والوں کو دیا۔ اس کی فارسی جمع مسلمان ہے جسے عموماً واحد کے طور پر برتا جاتا رہا ہے۔ یوں مسلمان اور مسیلمان کے الفاظ بنے۔[اور بہت سے لوگوں کی رائے میں شائد یہ عربی جمع مسلمین یا پھر مسلم مان (مسلم) سے اخذ کیا گیا لفظ ہے۔ پلیٹس نے اول الذکر کے درست ہونے کے امکانات کی حمایت کی ہے۔

MUST,adj

مست،اسم صفت

مست فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدہوش کے ہے۔ یہ ایران میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر ہندوستان میں خاص طور پر اس کا اطلاق ہاتھیوں اور اونٹوں جیسے نر جانوروں کی کبھی کبھار طاری ہونے والی ہیجان انگیز حالت پر ہوتا ہے۔

MUSTEES,MESTIZ

مستیز، مستز،اسم ذات

ایک مخلوط النسل ۔ یہ پرتگالی لفظ مستیکو (Mestico) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان دونوں کے معنی " ایک ملاپ" کے ہے۔ اس کا اطلاق مختلف انواع کے ماں باپ سے جنم لینے والی اولاد پر کیاجاتا ہے۔ خواہ وہ جانور ہویا انسان، اس کی ایک مثال خچر ہے۔ بلٹیو کے مطابق فرانسیسی میں اس کے لیے مٹس اور میٹف (Metif) کے الفاظ ہے۔

MUSTER,s

مستر،اسم ذات

یہ نقش یا ایک نمونہ ۔ہندی میں پرتگالی لفظ مُسترہ سے آیا ہے۔(ہسپانوی میں مُسترہ (Muestra) اور اطالوی میں مُسترہ کا لفظ ہے۔) یہ لفظ اپنی موجودہ شکل میں چین کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی مستعمل ہے۔

MUTLUB,s

مطلب،اسم ذات

یہ ہندی میں عربی زبان کے لفظ "مطلب" سے آیا ہے۔ عربی میں اس کامادہ طلب ہے۔یعنی 'اس نے پوچھا' اس کے صحیح معنی سوال کرنے، ارادے خواہش یامدعاوغیرہ بیان کرنے کے ہیں۔ اینگلوانڈین میں یہ مقصد بیان کرنے، خلاصہ کلام وغیرہ کا مفہوم دینے کے لیے مستعمل ہے۔ان پڑھ مقامی لوگوں نے عام استعمال کی اصطلاح کو بگاڑ کر مطبل بنالیاہے۔ پنجاب میں یہ شائع شدہ کتب میں بھی نظر آتا ہے۔ اس سے ایک صفت مطبلی بنی ہے جس کے معانی "خودسر" کے ہیں۔

MUTT, MUTH,s

مُت، متھ،اسم ذات

یہ سنسکرت لفظ متھ (Matha) ہے۔یہ ایک قسم کی خانقاہ ہے جہاں کنوارے پروہت (اس ہی پیشہ کو اپناتے ہوئے) ایک نظم کے تحت ایک جیسے پیشے کو اختیار کرتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ ایک دوسرے کے جانشین بنتے ہیں۔ ہندوستان میں اس

نوعیت کی عمارات عام ہیں جن میں سے کچھ بڑی اراضی کے ساتھ وقف کی گئی ہے۔

MUTTON GOSHT,s

مٹن گوشت، اسم ذات

یہ اصطلاح اینگلوانڈین گھریلو ہندی میں بھیڑ بکری کے گوشت کے لیے مستعمل ہے۔

MUTTONGYE,s

مٹن گئی، اسم ذات

ہندی لفظ مٹن گئی کا مطلب ایک (جہازی) پیش بند ہے۔ یہ انگریزی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

MUTTRA, n.p

مُترہ، اسم معرفہ

یہ آگرہ سے ۳۰ میل آگے جمنا پر آباد ایک بہت قدیم اور مقدس شہر ہے۔ یہ نام دراصل ماتھورا (Mathura) ہے۔ اس نام کے مقدس ہونے کے باعث اس کا بہت سے نئے رہائشی علاقوں پر بھی اطلاق ہو چکا ہے۔ مادھورا (Madhura) کے ذیل میں دیکھئے [تورنیر (Tavernier) اسے متورا جب کہ برنیر نے مترس کہا ہے۔]

MUXADABAD, n.p

مقصود آباد، اسم معرفہ

یہ عربی زبان سے فارسی میں آیا۔ مقصود آباد کا نام اٹھارہویں صدی کی کتب میں اکثر جگہ موجود ہے۔ اس کی نسبت اس شہر سے ہے جو تھوڑے عرصے بعد مرشد آباد کہلانے لگا تھا۔ یہ اٹھارہویں صدی کے آغاز سے بنگال کے نوابوں کا دار لحکومت رہا ہے۔ ٹائفن تھیلر (Tiefen Thaler) کے مطابق مقصود آباد کے قصبے کا بانی اکبر ہے۔ بنگال کے گورنر مرشد کلی خاں (انگریزی تواریخ نہیں جعفر خاں کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں) نے ۱۷۰۴ء میں حکومت کی نشست ادھر منتقل کی اور اسی جگہ کو اپنے نام سے موسوم کیا۔ اسے ۱۷۶۰ء کے فوراً بعد انگریزی دستاویزات میں مقصوداواد، (Maxudavad) لکھا گیا ہے۔

MUZBEE,s

مذبی، اسم ذات

یہ سکھوں کی ایک نچلے درجے کی ذات کا نام ہے۔ بظاہر عربی زبان کے لفظ مذہب سے مشتق ہے ۔ کننگھم (Cunningham) کہتے ہیں کہ دراصل اس نام کا اطلاق مسلمان سے سکھ میں تبدیل ہونے والوں پر کیا جاتا ہے مگر اب اس کا یہ استعمال نہیں

ہے۔[جو خاکروب سکھ اعتقادات کو اختیار کر لیتے ہیں وہ مذبیز کے نام سے جانے جاتے ہیں بالکل ایسے جیسے چوڑہ ختنے کرانے کے بعد مسلمان ہونے پر کہلاتا ہے۔]

MYDAN, MEIDAN,s

میدان، اسم ذات

میدان کا لفظ ہندی میں فارسی سے آیا ہے۔ ایک کھلی جگہ، ایک سیر گاہ، ایک سرسبز یا فوجی دستے کی مارچ کا میدان، یا کسی قصبے میں یا اس سے متصل جگہ، ایک پیازہ (اطالوی خیال میں) کوئی بھی ایسی کھلی جگہ جس پر گھاس ہو؛ ایک چوگان کا میدان، ایک جنگلی میدان ، عربی میں عام طور پر اس سے گاڑیاں دوڑانے کا چکر یا گھڑ دور کا میدان مراد لیا جاتا ہے۔

MYNA, MINA,s

مینا، مینا، اسم ذات

مینا ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اس نام کا اطلاق شارق کے خاندان سے تعلق رکھنے والے متعدد پرندوں پر ہوتا ہے۔ عام مینا لِن (Linn) کی اکریڈا تھرس ٹرسٹس (Acrido theres trishtis) ہے جنوبی پہاڑوں کی مینا گریکولہ (Gracula) ہے۔ لِن کی ایلیب ریلیجیوسہ (Eulabes religiosoa) بھی ہے۔ شمالی پہاڑوں کو مینا ہائے (Hay) کی ایلیب انٹرمیڈیا (Eulabes Intermedia) ہے۔ پہلی اور آخری دونوں کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نقالی کرنے والے پرندوں میں سب سے زیادہ تربیت پذیر ہوتی ہیں۔ بہت وضاحت کے ساتھ غنہ کی آوازوں کے بغیر لفظوں کو جوڑتی ہیں۔ ہم نے کھیت میں آزاد پھرنے والی ایک جنگلی مینا (غالباً اول الذکر) کو سنا، اور ساتھ کے جنگل سے ایک کالے چکور کی بے ساختہ اور منفرد پکار کو سنا۔ یہاں آئیلن (Allian) میں ہندوستان کے باتیں کرنے والے ایک پرندے کی نہایت متجسس وضاحت موجود ہے جس کے متعلق ہم نے ایک وقت میں خیال کیا تھا کہ یہ مینا ہے مگر یہ شاما کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

MYROBALAN,s

میروبلن، اسم ذات

اس نام کا اطلاق چند خشک پھلوں اور کسیلے ذائقہ کی گریوں پر ہوتا ہے اس میں متعدد انواع شامل ہیں جن میں سب کا تعلق ایک ایسی قدرتی ترتیب سے بھی نہیں ہے۔ یہ پرانے وقتوں سے ہندوستان سے برآمد کی جاتی رہی ہے۔ اور ازمنہ وسطیٰ سے کتاب الادویہ میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ (ان میں سے کچھ) مقامی ہندوستانی ادویات میں استعمال ہوتی رہی ہے گوکہ ہینبری (Hanbury) اور فلوکیگر

(Fluckinger) کے اہم کام فرمکو گریفیہ(Pharmacographia) میں ان کی غیر موجودگی سے یہ احساس ہوتا ہے کہ انگریزوں میں ان کا استعمال معدوم ہوگیا تھا مگر اب بھی یہ فارمیسی کی بجائے رنگنے اور چمڑا بنانے کے کیمیائی عمل میں استعمال کی غرض سے کسی حد تک برطانیہ میں درآمد کی جاتی ہیں۔ یہ واضح نہیں ہوسکا کہ میروبلن کی اصطلاح ان معنوں میں کیوں استعمال ہونے لگی۔ ہندوستان کے لوگوں کے پاس ایسے کسی ایک نام کی موجودگی کے شواہد بھی نہیں ملتے جس کا اطلاق پھلوں یا ادویات کے گروہ پر کیا جاسکے، نہ ہی عربی لغات میں ایسا کچھ ملتا ہے۔ (لیکن مزید آگے دیکھیں) کچھ قدیم مصنفین نے اسے میروبلن سے مماثل نام سے لکھا ہے مثلاً ارسطو، ڈسکارڈیز (Discordies) اور پلینی(Pliny) مگر انھوں نے اسے ایک یا اس سے کچھ زیادہ پھلوں کے لیے استعمال کیا ہے، جو مکمل طور پر اس مضمون کے مدعا سے غیر متصل ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نام لیبارٹریوں میں محفوظ ہوگیا ہو، اولین عربی مصنفین کے مترجمین نے میٹریا میڈیکا کی ان ہندوستانی پیداواروں پر اس کا اطلاق کیا ہو۔ تاہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ (جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے) لغات میں میروبلن کے لیے کوئی جامع لفظ موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ طبیبوں کے پاس کوئی ایسا لفظ موجود ہو۔ قابل احترام گارسیادی اورتا(Garria de Orta) وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ ایک عربی طبیب سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس پورے گروہ پر دلجی(delegi) نام کا اطلاق کرتا تھا مگر اس لفظ کی شناخت میں ہم اس وقت تک ناکام رہے گئے الا یہ کہ ہم اسے ایلاجی(Alelegi) سمجھتے ہوئے موجودہ صورت کے وجود میں آنے کو دفتری غلطی خیال کرے۔ یہ لفظ اہلالج۔ امکان ہے کہ آخری لفظ میروبلن کے تمام گروہ کی نمائندگی کے لیے مستعمل ہوگا۔ اس کا اطلاق کابلی، پیلے، کالے (ہندوستانی) پر ہوتا ہے۔ اب تک اہلالج ہلج کہلاتا ہے۔

کشمیری روایات کے مطابق پنجاب ٹریڈ رپورٹ سے درج ذیل اندراجات حاصل ہوئے ہیں۔

ہلیلہ(میروبلن)

بلیلہ

آملہ

(۱) امبک میروبلن (Emblic myrobalan)

یہ آنولہ، ہند کے انولہ کا ایک خشک کسیلا پھل ہے۔

(۲) اس کا فارسی نام آملہ ہے۔ امکان ہے عربی لفظ ملج قدیم فارسی لفظ املگ(Amlag) سے آیا ہوگا۔ اس لیے امبلکہ(Emblica) کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہے۔ گارسیا کہتے ہیں کہ عربی طبیبوں کے ہاں یہ امبلگی (Emblegi) لکھنا چاہیے۔

(۲) بیلرک میروبلن (Belleic Myrobalan)
یہ ٹرمینالیا (Terminalia Bullerica) کا پھل ہے۔ (غالباً ہریڑیا بھیڑا ہے) جو ایک پتے بیرونی خول کے اندر گری پر مشتمل ہوتا ہے۔ ابن باتھر نے سے بلیلج (Balilij) کا عربی نام دیا ہے۔ ابن سینا کی قدیم لاطینی میں اس کی صورت بلیلگی (Belelegi) ہے۔ فارسی میں اس کے لیے بلیل اور بلیلہ کے الفاظ ہیں۔ گارسیا کے مطابق عربی طبیب کے ہاں یہ بلیلرگی کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ (بلیرج کے قدیم فارسی میں بلیرگ Balerig ہونے کا امکان ہے) جو بلیرکہ کے لیے مستعمل ہے۔

(۳)۔ چیبولک میروبلن (Chebulic Myroobalan)
یہ ٹرمینالیا چیبھولا (Terminalia Chebula) کا پھل ہے۔ اس نام کا اطلاق چیبولی (Chebuli) کے ذیل میں دیا گیا ہے جس کی تصدیق فارسی نام ہلیلہ کابلی (Halila-i- Kabuli) سے ہوتی ہے۔ اس کے کابل کی پیداوار ہونے کا امکان بہت مشکل ہی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ ایران میں یہ اسی راستے سے داخل ہوا ہو جیسے کیلیکوز (Calicoes) نے اپنا نام کیلکٹ (Calicat) سے لیا تھا۔ گارسیا کے مطابق عربوں کے ہاں یہ کیبلجی (Quebulgi) کہلاتی تھی۔ ابن باتھر (Ibn - Baithar) نے سے ہلیلج (Halilaj) کہا ہے۔ بہت سی مقتدر ہستیوں کو جنہیں انہوں نے نقل کیا ہے نے اسے کابلی لکھا ہے۔

(۴،۵) چوتھی اور پانچویں بلیک میروبلن (The Black Myrobalan)
جو ہندوستانی، پیلا، کٹرائن (citerne) بھی کہلاتا ہے۔ رائل (Royle) کے مطابق دونوں ٹرمینالیا۔ چیولا کی پیداواری مختلف صورتیں ہے۔ مگر یہ قدرے یقینی محسوس نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دیگر اقسام کی پہچان بھی کی گئی ہے۔ فلوس ٹرانسیکشن Philos Transaction کی پہلی جلد میں ۹ کو خصوصی طور پر واضح کیا گیا۔ ایک قسم کو سنی (Sini) یا چائیز کہلاتی ہے، کی ابن بتھر نے نشاندہی کی ہے، نیچے درج کی گئی ہے اور حوالہ گارسیا سے دیا گیا ہے۔ سنسکرت میں اودیا ت کے قدیم ترین مصنف چراکا (Charaka) نے میروبلن کی خوبیوں کے پل باندھے ہیں۔ رائل نے کچھ عربی اوراز منہ وسطی کے یونانی مصنفین کا حوالہ دیا ہے۔ جن کے ہاں مختلف قسم کے میروبلن کے مرکب جو ٹائفیر یہ یا ٹائے فلا کہلاتے ہیں، کا ذکر ملتا ہے۔ ایک انتہائی دلچسپ حقیقت ہے کہ یہ ہندؤ ادویہ کا ٹرائی فلا (تین پھل) ہے جو عمارہ کوشہ (Amarakosha) میں نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چراکا کے شاگرد سرسراتا (Susrata) کے نسخے میں بھی نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مقامی ہندوستانی طبیب بھی

اس لفظ سے واقف ہے۔ رائل کے مطابق یہ کالے
، پیلے اور چیبولک (Chebulic) کا مرکب ہے۔ مگر
گارسیا نے اسے ٹن بالا (ہندی میں ٹن بالا۔ تین پھل)
سے اب محسوس ہوتا ہے کہ اس سے مراد Goa میں
جانیوالی تین اقسام ہیں۔ کریٹائن (یا پیلا) ہندوستانی (یا
کالا) اور بلیرک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہاں ادویات
میں ایمبلک (Emblic) استعمال نہیں ہوتا تھا مگر
صرف ساق کو کھٹا کرنے کے لیے مستعمل ہے۔ اب
لگتا ہے عہد وسطیٰ میں جو میر وبلن درآمد کیا گیا تھا۔
وہی اکثر محفوظ کیا جاتا رہا ہے۔ (شربتوں کی صورت
میں؟)

MYSORE,n.p

میسور، اسم معرفہ

تامل زبان میں " مسوّر" جبکہ کنارا میں " مئسور"
کہلاتا
ہے۔ یہ شہر ہندو مملکت کا دار الحکومت تھا۔ وجے نگر
خاندان کے زوال کے بعد آخری بار ۱۶۱۰ء میں ایک
مقامی چیف نے اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ اور یہ نام
دیا۔ سی۔ پی۔ براؤن (C.P. Brown) نے اس
کے لیے ایک اشتقاق تجویز کیا ہے۔ مئسِ ور ،
مئیس (Maisi) پھول دیوی کی طرح مقامی دیوی کا
نام ہے۔ "ور" کے معنی قصبہ یا گاوں کے ہے۔ تاہم
عام طور پر اسے ماہش اسورہ (Mahish - asura)
کی بگڑی ہوئی شکل تصور کیا جاتا ہے۔ ماہش اسورہ
سے مراد "کالی" یا "درگاہ" دیوی ہے، جس سے
بھینسوں کے بھوت پریت کا علاج کیا جاتا ہے۔[رائس
Ries نے اپنی کتاب میسور میں کنارا کے لفظ 'مئیسہ'
کو سنسکرت لفظ 'مہیشہ' سے مشتق بتایا ہے۔، اور 'ور'
کے معنی قصبہ درج ہے۔]

MYSORE THORN

میسور تھارن

ولیم راکسبرگ (William Roxburg)[40] نے اس پودے کا نباتاتی نام کیلپینیہ
سیپئیریہ (Caeasalpinia Sepioria) بتا
یا ہے یہ پودے چھوٹے، تیز، آگے کی طرف بڑھے
کانٹوں سے لیس ہوتے ہیں اور دکن میں زیادہ تر
باڑ بنانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ حیدر علی نے
میسور میں اپنے دور اقتدار میں اسے لگایا اسی لیے یہ
حیدر تھارن یعنی" حیدر کا تخت " یا حیدر کا
جھاڑ کہلاتا ہے۔

حواشی

1۔ پلیٹس اور ڈنکن فاربس کی لغت میں بھی "معبر" کا لفظ موجود ہے۔ پلیٹس نے 'عبر' کو اس کا مادہ بتایا ہے۔ اس کے تین معنی لکھے ہیں۔ ایسی جگہ جہاں سے دریا پار کیا جائے۔ ایک کشتی، کم گہرے پانی والی جگہ جہاں سے چل کر گزرا جا سکے۔ پلیٹس اس لفظ کے ایک اور معنی میں ہر اس شے کو شامل کیا ہے جو پانی کو عبور کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہو جیسے کوئی پل یا کشتیوں کا اڈا۔

جان۔ ٹی۔ پلیٹس (John.T.Platts)، *A Dictionary of urdu Classical Hindi and English* (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۰۴۔

ڈنکن فارسی نے بھی اسے ایک کشتی، گھاٹ اور کم گہرے پانی والی جگہ سے تعبیر کیا ہے۔

ڈنکن فاربس (Duncan Forbes)، *Duncan Forbes Dictionary Urdu and English* (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۶۰۲۔

عربی لغت میں المعبر والمعبرۃ کے معنی "دریا عبور کرنے کا ذریعہ" لکھے ہیں۔

عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۱۹۹۹ء)، ص ۵۰۶۔

2۔ باسک نامعلوم غیر واضح ماخذات کی زبان ہے جو سپین اور فرانس کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ پیری نیز کے دونوں حصوں میں اسے سپین کے قدیم باشندوں کی زبان تصویر کیا جاتا تھا۔

جمیل جالبی، قومی انگریزی اردو لغت (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۸۵۔

3۔ مکاسر کو اجنگ پڈنگ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ دراصل انڈونیشیا (سلیبس) کا یہ شہر مشرق میں واقع ایک جزیرہ ہے۔

4۔ پلیٹس نے مہی کے لغوی معانی زمین، میدان، مٹی، کرہ ارض اور زمینی جائیداد کے دیے ہیں۔ نیز مہی نام کے دریا کی وضاحت بھی کی ہے کہ دریا صوبہ ملوا سے بہنا شروع کرتا ہے اور جنوب میں ۲۸۰ میل کے بعد کیمبے کی خلیج میں جا گرتا ہے۔ لفظ مہی سے کچھ مزید اصطلاحات بھی اخذ کی گئی ہیں۔ مہی بہار یعنی زمین کا بوجھ، اسے انسانی مصیبتوں کا بوجھ مراد لی جاتی ہے جسے وشنو دیوتا نے اٹھا رکھا ہے۔ مہپ یعنی "زمین کا دفاع کرنے والا" اسی سے "مہی پال" کی اصطلاح ہے جو بادشاہ یا حکمران کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ مہی تل: کرہ ارض کی سطح، مہی دیو: ایک پہاڑی یا زمین کا دیوتا، مہین: زمینی یا زمین سے متعلقہ کوئی بھی شے جیسے کوئی حکمران یا شہزادہ۔

پلیٹس، ص ۱۱۰۲

5۔ مالدیو کیلئے اردو میں "مالدیپ" کا لفظ عام مستعمل ہے۔

6۔ 'منچوا' کی املاء کا تعین پلیٹس کی ڈکشنری کی مدد سے کیا گیا ہے۔ پلیٹس نے واضح کیا ہے کہ اس لفظ میں ڈبلیو کی صورت بھی شامل ہے۔ اس کے معنی ایک پلیٹ فارم یا کشتی ہی لکھے گئے ہیں۔

پلیٹس، ص۱۰۷۳ ۔

7۔ ماندرین سے مراد منتری ہی ہے مگر بطور خاص اس کے معنی ملک چین کے عامل کے ہیں۔ یہ چینی سلطنت کے عمال کے نو طبقوں میں کسی بھی طبقے کا عامل ہو سکتا ہے۔ چین کی سب سے بڑی بولی کا نام بھی یہی ہے جو مرکزی چین اور پیکنگ کے گردونواح میں بولی جاتی ہے۔ چینی حکومت نے اسی بولی کو قومی زبان کی حیثیت سے ترقی دی۔

جمیل جالبی،قومی انگریزی اردو لغت،ص۱۱۸۶ ۔

8۔ سنسکرت لفظ "منجو" صفت ہے۔اس کے معانی خوبصورت، حسین، مرغوب، دلکش، خوشگوار، بھینی، نرم اور سریلی کے ہیں۔

پلیٹس، ص۱۰۷۲۔

9۔ گرین وزن کا ایک چھوٹا پیمانہ ہے۔ یہ نہایت خفیف مقدار ہے۔ اس کا وزن نصف رتی کے برابر ہے۔

کلیم الدین احمد، *Jami English Urdu Dictionary*، جلد دوم (نئی دہلی: بیورو فار پرموشن آف اردو، ۱۹۹۸ء)، ص۹۹٦ ۔

10۔ پلیک

کلیم الدین احمد ، *Jami English Urdu Dictionary*، جلد سوم (نئی دہلی: بیورو فار پرموشن آف اردو، ۱۹۹۵ء)، ص۹۵۲۔

11۔ پیپلک یا اوریول جسے "سنہری کوا" بھی کہتے ہیں۔ صفاری سلسلے کے امریکی مغنی پرندوں میں سے ہے جس کے آتشی نارنجی اور سیاہ رنگ کے نر پرندے بڑی محنت سے ٹوکری جیسے آویزاں گھونسلے بناتے ہیں۔ چمکیلے، زرد اور سیاہ رنگ کا یہ مغنی پرندہ مشرقی نصف کرے میں بھی پایا جاتا ہے۔

جالبی،قوی انگریزی اردو لغت،ص۱۳۷۰۔

12۔ ہندوستان میں پائی جانے والی سنہرے رنگ کی مچھلی۔

احمد، جلد سوم، ص۹۵۴۔

13۔ مینگوسٹین کی املا کا ثبوت کلیم الدین الدین کی لغت سے حاصل ہوا۔ یہ جزائر شرق الہند کا ایک درخت ہے جس کے پھل کا رنگ گہرا سرخ ہوتا ہے۔

احمد، *Jami English Urdu Dictionary*، ص۲۹٦۔

14۔ جمیل جالبی نے مینگرو کا منطقہ حارّہ کا درخت ہے۔ یہ دریا کے کناروں اور سمندروں کے ساحلوں پر اگتا ہے۔ اس کے تنے اور شاخوں سے جا بجا جڑیں نکلتی ہیں۔ اس کی چھال چمڑا رنگنے اور دوا کے کام آتی ہے۔

جالبی،قومی انگریزی اردو لغت،ص۱۱۸۸۔

15۔ مانک جور کا ماخذ سنسکرت لفظ 'مانک' ہے۔اس سے مراد یاقوت، لعل یا کوئی قیمتی پتھر ہے۔مانک جور: سارس، مانک قندی: پان سپاری، مانک مال: چینی کی فیکٹری کا اعلیٰ عہدہ، لید کا مانک: ایک گھوڑا۔

پلیٹس، ص۹۸۶ ۔

16۔ ہندوستان میں مستعمل وزن کے پیمانے 'من' کو بگاڑ کر ماؤنڈ کی انگریزی شکل دے دی گئی۔ وزن کا یہ پیمانہ برطانوی ہند کے علاوہ افغانستان، ایران، عرب، خلافت عثمانیہ اور وسطی ایشیاء میں بھی الگ الگ وقتوں میں مختلف ناموں سے رائج رہا ہے۔ مغل حکومت میں اسے من ہی کہا جاتا تھا اور ۴۰ کلو کے برابر تصور کیا جاتا تھا۔ جنوبی ایشیاء کے مختلف علاقوں میں اس کی قدر مختلف رہی ہے۔ ۱۱ کلو سے ۲/۱ ۲۷ یا ۲۷.۵ کلو کے درمیان اس کی قدر مقرر ہوتی رہی ہے۔ مغل حکومت میں ایک من ۴۰ کلو کے برابر تھا۔ انیسویں صدی میں بنگال میں یہ ۴۰ کلو، اجمیر میں ۲۰ کلو، گجرات اور بمبئی میں ۴۰ کلو جبکہ مدارس میں ۲/۱ ۱۲ یا ۱۲.۵ کلو کے برابر تھا احمد نگر کا ۶۴ کلو کا مانڈ سب سے بڑا تھا http://wikipedia.org/wiki/maund. [5th April 2017 7:44 AM]

17۔ آکاڈینڈن ایک سامی زبان ہے جو ۲۰۰۰ قبل مسیح سے ۵۰۰ مسیح تک جنوبی میسوپٹمیہ میں بولی جاتی تھی۔ یہ زبان قدیم خط میخی کندہ کاری، مہروں اور مٹی کی تختیوں کی مدد سے ہم تک پہنچی ہے۔ ۵۰۰ قبل مسیح تک بول چال میں اس کا استعمال ختم ہو گیا تھا تاہم پہلی صدی عیسوین تک اسے تحریر کے لیے استعمال کیا جاتا رہا۔ اس زبان کے اثرات اشوری اور بابلی بولیوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ کنسائس انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (*Concise Encyclopedia Britannica*)، ص۳۵.

18۔ ٹیلنٹ وزن کا ایک پیمانہ ہے جو قدیم تہذیبوں جیسے ایرانی، مصری، یونان اور رومی میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ سونے اور چاندی جیسی قیمتی دھاتوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ قدیم تہذیبوں میں ٹیلنٹ وزن ماپنے کا سب سے بڑا اور بھاری پیمانہ تھا۔ ایک ٹیلنٹ عموماً منیا (mina) ۷۵ پونڈ کے برابر ہیں۔ البتہ کچھ تہذیبوں میں اس کی قدر- http://www.thoughtco.com/what-is-a-talent-700699[6th April 2017 8:15 PM]

19۔ مینا (Mina) وزن کا ایک قدیم پیمانہ ہے۔ قدیم عبرانی تہذیب میں باقاعدہ استعمال ہوتا تھا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اسکی قدر میں فرق واقع ہوتا رہا ہے۔ مختلف تہذیبوں میں استعمال ہونے والے مینا کی شکلیں بھی مختلف ہی ہے۔ ایک مینا عموماً ۶۰ شیکل کے برابر ہوتا ہے یعنی ۱.۲۵ پونڈ یا ۰.۵۷ کلو گرام کے برابر ہے۔

http://www.unitconversion.org/weight/mina[1-june-2017 5:15 PM]

20۔ وزن کا یہ پیمانہ متحدہ امریکہ اور برطانیہ میں رائج ہے۔ یہ نام فرانسیسی لفظ 'اوائر دی پوئس' (avoir de pois) سے آیا ہے جس کے معنی وزن کی حامل اشیاء ہے۔ ایک اوائر دپوئس پونڈ ۷۰۰۰ گرین وزن کے برابر ہے۔ ۱۹۵۹ء کے بعد سے تمام انگریزی بولنے والے ممالک میں اسے باضابطہ طور ۰.۴۵۳۵۹۲۳۷ کلو گرام کے برابر تصور کر لیا گیا ہے۔

http://www.britannica.com/science/avoirdupois-weight[1-june-2017 6:10 PM]

21۔ ارئیس قدیم روم میں استعمال ہونے والا خالص سونے کا سکہ ہے۔ اس کی قیمت رومی ۲۵ چاندی دیناریس کے برابر ہے۔ یہ بغیر کسی وقفے کے پہلی صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوین تک جاری ہوتا رہا ہے۔ حجم میں یہ دونوں سکے برابر ہے مگر ارئیس وزن میں زیادہ ہوتا ہے۔ قیمتی ہونے کے باعث جولیس سیزر سے قبل یہ عام لین دین میں استعمال نہ ہوتا تھا۔ سیزر نے از سرنو اس کی شرح مقرر کی، اس کا وزن تقریباً ۸ گرام کر دیا گیا اور یہ رومی پونڈ کے چالیسوے حصے کے برابر قرار پایا۔ آنے والے رومی حکمرانوں نے اس کے وزن اور قدر میں مزید کمی کی۔ نیرو (Nero) کے عہد میں یہ ۷.۳ گرام اور مارک انتونی کے عہد میں ۶.۵ گرام تک آگیا تھا۔ مگر

ہر دور میں اسکی قدر دینار سے زیادہ رہی ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں حجم اور وزن سے قطع نظر خالص سونے کے معیار میں بھی کمی واقع ہوئی۔ سونے کا یہ سکہ برطانیہ اور امریکہ میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

http://www.forumancientcoins.com/numisiwiki/view.asp?key=aureus[2-june-2017 4:00 PM]

22۔ آرائش محفل (قصہ حاتم طائی) حیدر بخش حیدری کی تصنیف ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے زیر سایہ ہونے والے ادبی کاموں میں شامل ہے۔ پہلی بار ۱۸۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کا رسم الخط اردو تھا۔ بعد ازاں ۱۸۴۵، ۱۸۴۷، ۱۸۶۳اور ۱۸۷۳ء میں بھی اس کے ایڈیشن شائع ہوئے۔

اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ: آغاز تا ۲۰۰۰ء تک، ص ۳۰۵۔

23۔ ۱۰۲۰ء میں جہانگیر کے اپنے عہد حکومت کے چھٹے سال سونے کا مشہور سکہ مہر گولڈ جاری کیا۔ جس کے ایک جانب شراب کا پیالہ منہ کو لگائے ہوئے بادشاہ کی تصویر کندہ تھی اور دوسری جانب سورج کی تصویر کندہ تھی۔ یہ عہد مغلیہ میں ڈھالے گئے بہترین سکوں میں سے تھا۔ ایڈورڈ۔ ایس۔ ہولڈن (Edward S.Holden)۔ *The Mughal emperors of Hindustan* (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۸۹۵ء)، ص ۱۱۷۔

24۔ پلیٹس نے لفظ 'مہر' کے آٹھ مختلف معانی لکھے ہیں۔ ۱۔ ایک ایسا مقام ہے جہاں وہ صوفی سکونت پذیر ہوگے جو دنیا کے خاتمے کے وقت بھی زندہ رہیں گے۔ ۲۔ سردار، چیف۔ ۳۔ بیوی یا عورت۔ ۴۔ حق مہر، ایسا تحریری معاہدہ جو بیوی کے حصول کیلئے کیا جائے۔ ۵۔ سورج، چاند، بادل، ہوا، پانی۔ ۶۔ فارسی مہینے کا نام موسم خزاں کا مہینہ ستمبر۔ ۷۔ محبت، دوستی، ہمدردی، رحم سے اور نقش کے ہیں، ایک ایسا آلہ جو نقش بناتا ہو۔ استعمال کے حوالے سے مہر کی مختلف اقسام ہیں۔ مہر دار، مہر بردار (مہر رکھنے والا)، مہر تقلیدی (جعلی مہر)، مہر حاکم یا مہر منصی (دفتری عہدہ دران کی مہر)، مہر خاص یا مہر دستی (مخصوص ذاتی مہر)، مہر شاہی (حکومتی مہر)، مہر کرنا، مہر لگانا، مہر کنی (میر اکھولنا) کی اصطلاحات بھی مہر کے استعمال کے ضمن میں بولی جاتی ہیں۔ پلیٹس نے لفظ مہر کا بطور سکہ ذکر نہیں کیا۔

پلیٹس، ص ۱۰۹۹

البتہ شیکسپئر نے مہر کے مختلف معنوں میں اسے ایک سکے کا نام بھی بتایا ہے۔ نیز دکنی زبان کے لفظ مہر کے معنی مور لکھے ہیں۔

جان شیکسپئر، *John Shakespear's Dictionary Urdu-English and English-Urdu* (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۷۱۸۔

25۔ اب بھی محرر پولیس کے ایک عہدہ دار کا نام ہے۔ محرر کا کام کسی واقعے یا مقدمے کی ابتدائی رپورٹ لکھنا اور ساری کاروائی کا ریکارڈ محفوظ رکھنا ہے۔

26۔ ہنری یول نے محرم میں نکالے جانے والے جلوسوں کا تعلق حضرت حسن اور حضرت حسین سے جوڑا ہے۔ جب کہ حضرت حسین کا محرم میں منائے جانے والے سوگ سے ہر گز کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسن کی وفات واقعہ کربلا سے پہلے ہو چکی تھی۔ واقعہ کربلا میں حضرت حسین کو شہادت نصیب ہوئی۔ شیعہ مسلمان حضرت حسین کے اس ظالمانہ قتل کی یاد میں محرم میں سینہ کوبی کرتے ہوئے جلوس نکالتے ہیں۔

27۔ پلیٹس نے اس پھل کو "مہوا" ابن بطوطہ نے '' موا" لکھا ہے۔ جبکہ ابن بطوطہ کے مترجم (مولوی محمد حسین) نے حواشی میں تصحیح کر کے 'مہوہ' لکھا ہے۔ پلیٹس نے اس درخت کی باخوبی وضاحت کی ہے کہ اس کے پھول سے ایک نشہ آور شربت تیار کیا جاتا ہے، اس کی گری اور بیجوں سے ایک تیل حاصل کے جاتا ہے جو مکھن کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور گھی بنانے کے کام بھی آتا ہے۔ نیز پلیٹس نے مہوا کا بل اور مہوا شراب کی اصطلاحات بھی لکھی ہیں۔ مہوا کا بل دراصل بیجوں سے حاصل ہونے والا تیل ہے اور مہوا شراب کی اصطلاح پھولوں سے کشید کیے جانے والے نشہ آور مشروب کیلئے بالخصوص ہے۔

ابن بطوطہ لکھتے ہیں اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔ پتے اخروٹ کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن سرخی وزردی مائل۔ اس کا پھل بھی چھوٹے آلو بخارے کی مانند ہوتا ہے اور نہایت شیریں ہوتا ہے اور ہر ایک دانہ کے منہ پر ایک اور چھوٹا دانہ ہوتا ہے جو کشمش کے مشابہ ہے اور بیج میں سے خالی ہوتا ہے۔ موے کے منہ پر جو دوسرا دانہ ہوتا ہے اس کو بھی انگور کہتے ہیں۔۔۔۔ موے کا پھل سال میں دو دفعہ لگتا ہے اسکی گٹھلی کا تیل نکالتے ہیں اور چراغوں میں جلاتے ہیں۔ مترجم نے حواشی میں ابن بطوطہ کی تصحیح کی ہے کہ مصنف نے پھول اور پھل میں تمیز نہیں کی، جس کو وہ انگور کے مشابہ دانہ کہ رہے ہیں، وہ پھول ہوتا ہے اور اس کے گر جانے کے بعد پھل نکلتا ہے۔

پلیٹس، ص ۱۱۰۱؛ ابن بطوطہ، سفر نامہ ابن بطوطہ مترجم خان بہادر مولوی محمد حسین (لاہور: امن پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۷۴، ۵۷۔

28۔ مچلکا اور مچلکہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ مثالیں: مچلکہ لکھوانا، مچلکہ لینا، مچلکہ کروانا، مچلکہ لکھنا، مچلکہ حفظ امن (قیام امن کے لئے لکھا گیا معاہدہ)، مچلکہ نیک کلانی (نیک رویے کا معاہدہ۔

پلیٹس، ص ۱۰۰۵۔

29۔ ولسن نے مچلکہ کو تحریری معاہدہ کہا ہے جو قابل کاشت زمین یا جائیداد وغیرہ کے لین دین کے حوالے سے کیا جائے۔ نیز کسی جرم کے جرمانے کی ادائیگی پر بھی لکھی جانے والی تحریر مچلکہ کہلاتی ہے۔ مجموعی طور پر مچلکہ کا لفظ کسی بھی نوعیت کے معاہدے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ولسن کی کئی گئی تعریف کے عین مطابق پاکستان کے عدالتی نظام میں مچلکہ کا لفظ اور یہ تحریری دستاویز آج بھی رائج ہے۔ ہر نوعیت کی ضمانت کے لیے دیگر ضروری دستاویز کے علاوہ جو بنیادی فارم منسلک کیا جاتا ہے مچلکہ کہلاتا ہے۔

ایچ۔ ایچ۔ ولسن، اصطلاحات عدلیہ و مالگزاری (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۳۴۸۔

30۔ پلیٹس نے منال کو ہمالیہ کا تیتر یا چکور کہا ہے۔

پلیٹس، ص ۱۰۷۰۔

31۔ متصدی کے ایک معنی محاسب، کلرک، مصنف کے ہیں۔ علاوہ ازیں منہ پھیرنا، مخالفت کرنا، مخالفت کیلئے اکسانا بھی اسکے معنوں میں شامل ہے۔

فاربس، ص ۶۶۴۔

پلیٹس نے اس لفظ کو خوب وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اصل لفظ تصدی ہے جو تصدد بمعنی رخ پھیرنا سے آیا ہے۔ اس کا مادہ فعل 'صد' ہے۔ پلیٹس، ص ۹۹۳۔

متصدی گری: کلرک کا دفتر۔

فیلن، *Urdu English Dictionary*، ص۱۰۷۱۔

32۔ مور چل اور مور چھل دونوں ہم معنی ہے اور مستعمل بھی۔ صرف بولیوں اور لہجوں کا فرق ہے۔

پلیٹس، ص۱۰۸۹۔

33۔ "مچوا" ایک کشتی کا نام ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک لفظ 'مچھوا' ہے جس کے معنی مچھیرے کے ہیں۔

پلیٹس، ص۱۰۰۵۔۱۰۰۶۔

34۔ پلیٹس اور شیکسپیئر نے مکھنا کو بغیر دانتوں کے ہاتھی اور آہی خار کے بغیر مرغا لکھا ہے۔

پلیٹس، ص۱۰۶۰؛ شیکسپیئر، ص۱۶۶۸۔

35۔ مگھ قبیلہ کا ملک پیگو تھا۔ یہ لوگ انسان نما حیوان تھے۔ یہ تمام دریائی اور جنگلی جانور کھا لیتے تھے۔ کھانے کی کسی چیز کو حرام تصور نہیں کرتے۔ سوتیلی بہن سے شادی کو جائز خیال کرتے تھے۔ یہ کسی باقاعدہ دین یا آئین کے پابند نہیں تھے۔ یہ تبتی زبان بولتے تھے۔

نور الدین جہانگیر، تزک جہانگیر، جلد اول، مترجم سید حسام الدین راشدی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء)، ۳۹۲۔۳۹۳۔

36۔ پلیٹس کی لغت میں لفظ 'مگر' کے تین معانی درج ہیں۔ ۱۔ اگر، حالانکہ ۲۔ ایک بولی جسے مگری یا منگرا بھی کہتے ہیں۔ مگرمچھ کی شکل کے زیورات خصوصاً وہ جو کانوں میں پہنے جاتے ہیں اور بالا کہلاتے ہیں۔

پلیٹس، ص۱۰۶۱۔

37۔ منگوس کا لفظ سنسکرت زبان سے آیا ہے جس کے معنی" تیز چلنا، مختلف بولیوں میں اس کے لیے دو لفظ عام استعمال ہوتے ہیں۔ نیولہ، نیولا۔ مگر نیولہ کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔

پلیٹس، ص۱۰۸۱۔

38۔ شیکسپیئر نے مشک کو فارسی جبکہ مسک کو عربی الاصل لفظ لکھا ہے۔ مشک اور کستوری کو ہم معنی بتایا ہے۔

شیکسپیئر، ص۱۶۳۲، ۱۳۴۸۔

39۔ میدان کا لفظ انگریزی اور اردو میں یکساں مستعمل ہے۔

طارق رحمن، اردو-انگریزی مشترک ذخیرہ الفاظ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء)، ص۱۵۔

40۔ ولیم راکبرگ (William Roxburg) (۱۷۵۱ء۔۱۸۱۵ء) ایک انگریزی ماہر نباتات ہے۔ دوران ملازمت انھوں نے ہندوستان کے کئی دورے کیے۔ انھیں ہندوستان کے پودوں کا گہرا علم حاصل تھا۔ علم نباتات کے متعلق ان کی تین کتابیں شائع ہوئی۔ *Plants of the Coast of Flora Indica, Hortus Bengalenis, Coromandel* ولیم راکبرگ کے نام کا مستعمل مخفف .Roxb ہے۔ ہنری یول اور شیکسپیئر نے اپنی کتب کے متون میں یہی مخفف استعمال کیا ہے۔

ریڈک، ص۳۱۵۔

"N"

NABOB,s

نبوب،اسم ذات

پرتگالی لفظ نبوبو اور فرانسیسی لفظ نبب دونوں ہندی لفظ "نواب" سے آئے ہیں۔ یہ لفظ نائب کا عربی جمع ہے۔(دیکھیے نائب)یعنی "ایک نمائندہ" اس کا اطلاق حاکم اعلیٰ، وائسرائے، عظیم مغلوں کے گورنروں کے وفد پر بطور واحد کیا جاتا ہے۔[1] مثلاً سورت کے نواب، اودھ کے نواب[2]، آرکاٹ کے نواب[3]، بنگال کے نواب ناظم[4]۔ اس طرح کے استعمال سے یہ لفظ کسی دفتری تعلق کے بغیر ایک عہدے کے نام کی صورت اختیار کر گیا۔ اب یہ ممیز مسلمانوں کو خدمات کی بجاآوری پر کبھی کبھار خاص مواقع پر دیا جانے والا ایک اعزازی خطاب ہے جیسے کے ہندوؤں میں رائے اور راجا ہیں۔[مسٹر سکیٹ کے خیال میں یہ ملاوی زبان میں ہوبسن جوبسن (Hobson Jobson) کے انداز کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ "انک خدا" (Anak Khuda) یعنی گھوڑے کا بیٹا۔]

نبوب کا لفظ دو طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔

ا۔ یہ نواب لفظ کی بگڑی ہوئی ایک سادہ سی شکل ہے ہم اسے پرتگالی لفظ نبوبو سے اخذ کرتے ہیں۔[5]

ب۔ اس کا استعمال اٹھارویں صدی میں شروع ہوا۔ ۱۷۶۸ء میں فٹ (Foots) کا پیش کردہ ڈراما "دی نبوب" اس لفظ کے اس معنی میں استعمال کے لیے خاصا مددگار ثابت ہوا۔[6]

NACODA, NACODER,s

ناخدا،ناخذر،اسم ذات

یہ فارسی زبان کا لفظ ناخدا ہے "ایک جہاز کا کپتان"، مقامی کشتی کا مالک (غالباً اس کا صحیح مفہوم بحری جہاز کا مالک ہے) جیسے اپنے تجارتی جہاز اور عملے کا ذمہ دار شخص تصور کیا جاتا ہے۔[7]

یہ سمجھنا مشکل ہے کہ نویں اور دسویں صدی کی کتب کے متعلق علم رکھتے ہوئے آخر رِنوڈ (Reinaud) نے کیوں اسے فارسی سے اخذ شدہ مالے لفظ قرار دیا ہے۔

NAGA, n.p

ناگا،اسم معرفہ

اس نام کا اطلاق غیر تہذیب یافتہ، کینہ پرور، لڑاکا کردار کے مالک چھوٹے قبیلوں کے بڑے گروہوں پر ہوتا ہے۔[8] یہ پہاڑی علاقے کے مشرقی حصے میں رہتے ہیں جو کہ آسام کو باقاعدہ طور پر تقسیم کرتا ہے (یا برہم پتر کی وادی) کچار اور باسن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑیوں کا ایک حصہ برطانوی اضلاع کا حصہ بنا،

۱۸۶۷ء سے یہ آسام میں شامل ہے مگر ناگا کے چھوٹے قبیلوں کا ایک بڑا حصہ اب تک خود مختار ہے۔ اس نام کا اشتقاق متنازع ہے، کچھ لوگ اس کی نشاندہی ناگا یا پرانے سانپ کے طور پر کرتے ہیں جو بدھ مت کے پیروکاروں کی داستانوں اور مجسمہ سازی میں خاص نمایاں ہے مگر اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ یہ لفظ برہنہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (سنسکرت میں نگنا (Nagna)، ہندی میں ننگا(Nanga)، اور بنگالی میں ننگتا کا لفظ ملتا ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جسے بطلیموس نے اسے اس نام کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ شہاب الدین کی دی گئی املاء بھی اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔ یہ لفظ دادو پنتھی فرقے [9] کے کٹر طبقے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس کا صدر دفتر جے پور میں ہے۔

NAGAREE,s

ناگری، اسم ذات

یہ ہندی میں سنسکرت زبان کے لفظ ناگری سے آیا ہے۔ سنسکرت لفظ کے لغوی معنی میں جو خاصیت پنہاں ہے وہ شہر کے متعلق ہے۔ یہ لفظ دیوناگری بھی کہلاتا ہے یعنی شہر کی الہامی خصوصیت۔

NAIB,s

نائب، اسم ذات

ہندی میں یہ عربی زبان کے لفظ نائب سے آیا ہے جس کے معنی "نمائندے" کے ہیں۔

NAIK, NAIQUE,s

نائک، اسم ذات

یہ ہندی لفظ نائک ہے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو تقریباً تمام دیسی زبانوں میں موجود ہے۔ سنسکرت لفظ نائک کے معنی لیڈر، چیف افسر کے ہیں۔ قدیم پرتگالی مصنفین کے ہاں ہندوستان کے جنوب اور مغرب کے حوالے سے ہمیں اس لفظ کے ایک سے زائد اطلاقات نظر آتے ہیں۔

ا۔ اسے مقامی کپتان، یا کسی بھی نوعیت کا سربراہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ب۔ یہ دکن میں ہندوؤں کے مابین ایک اعزازی خطاب بھی ہے۔

ج۔ یہ تلگو نسل کا ایک نام ہے جیسے وجے نگر [10] کے بادشاہوں (A.D ۱۳۲۵ء۔ ۱۶۷۴ء)اور مادھورا کے مالکوں(۱۵۵۹ء۔ ۱۷۴۱ء)اور دیگر جگہوں کے حکمرانوں کے عمومی نام ہوتے ہیں۔

د۔ اس کا ایک عام اطلاق اینگلو انڈین میں جاسوسوں کے افسر پر ہوتا ہے جو فوجی نائک سے مماثلت رکھتا ہے اور اس عہد کے دو شیوران پہنتا ہے۔

NAIR,s

نائر،اسم ذات

نائر[11]☆ ملیالم زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ بھی سنسکرت میں وہی ہے جو نائک کا ہے۔ یہ مالا بار کی ایک صاحب اقتدار نسل کا کا نام ہے۔ نائر ایک یونانی علاقے کے مالک بھی تھے۔

NALKEE,s

نالکی،اسم ذات

نالکی ہندی زبان کا لفظ ہے۔ یہ مقامی عہدیداران کے زیرِ استعمال ایک قسم کی پالکی ہے۔ یہ لفظ اور شے دونوں بہت واضح ہیں۔ (بہار میں اب بھی یہ دلہن کی پالکی کا نام ہے) غالباً یہ نام پالکی کی قدرتی نقالی ہے[پلیٹس نے سنسکرت لفظ نالکا بمعنی "ایک ٹیوب" کی تجویز پیش کی ہے۔ [11]]

NAMBEADARIM,s

نمبدرم،اسم ذات

ملیالم میں نمبیدری ، نمبی یاتری اسی لفظ کی شکلیں ہیں۔ جن کے معانی "ایک جرنیل" اور "ایک شہزادے" کے ہیں۔

NAMBOOREE

نمبوری

ملیالم میں یہ لفظ نمبودری (Nambudiri) ، تامل میں نمبوری (Namburi)ہے۔ گلوسری کے مطابق نمبوتری(Nambutiri) ، نمبوری (Namburi) ہے دراوڑی لفظ نمبو (Nambuka) کے معنی "یقین "کرنے کے ہیں اور تری (Tiri) سنسکرت لفظ شری یعنی خوش رہے، سے آیا ہے۔ مدراس گلوسری میں ملیالم لفظ نمبو کے معنی "وید مقدس"، اوتھو کے معنی سکھانے اور تری کے معنی مقدس درج ہیں۔

NANKEEN,s

ننکین،اسم ذات

یہ چین سے درآمد کیا جانے والا بھورے پیلے رنگ کا کاٹن کا ایک کپڑا ہے۔ اس کا نام نینکنگ کے شہر سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسے رنگ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ یہ اسی رنگ کی کاٹن سے تیار کیا جاتا ہے۔ تاہم برطانیہ میں رنگی ہوئی کاٹن کی مدد سے اس کی نقل تیار کی گئی۔ اس تیار شدہ نقل کی چین میں کثرت سے برآمد سے قبل ہی ننکین وسط ایشیا کے بازاروں میں ننکہ(Nanka)کے تبدیل شدہ نام کے ساتھ جانا جانے لگا تھا۔

NANKING, n.p.

ننکنگ، اسم معرفہ

یہ ینگ سیکیانگ کے نچلے راستے میں عظیم چین کا ایک شہر ہے[12☆] جسے چنگیز کے منگول خاندان کے خاتمہ کے بعد (مقامی) شاہی خاندان منگ نے اسے (۱۳۶۸ء۔۱۴۱۰ء) دار لحکومت بنایا تھا۔ پہلے یہ شہر کنگ لنگ فو کے نام سے جانا جاتا تھا۔ پھر اس نے ننکنگ یا ساؤتھ کورٹ کی شکل اختیار کر لی۔ تاہم ہیکنگ نارتھ کورٹ پر ۱۴۱۰ء میں بادشاہ چنگ سونے دوبارہ قبضہ کیا۔ جو کہ اب تک بر قرار ہے۔ ننکنگ کا ذکر ایک عظیم شہر کے طور پر کیا جاتا ہے جو چلن فو (کن لنگ) کہلاتا تھا۔ جس کی دیواروں کے گرد فرائراڈرک (Frair Odoric)۱۳۲۳ء نے ۴۰ میل کا دائرہ کھچوایا۔ چین کے پرانے دستاویزات کا ترجمہ آرویلز (R. Willes)نے ہکلیت (Hakluyt)میں کیا ہے ان دستاویزات میں بھی اس کا نام چلم ہی ہے۔

NARCONDAM n.p.

نارکوندم۔ اسم معرفہ

یہ ایک عجیب و غریب نظر آنے والی آتش فشاں پہاڑی کا نام ہے جو ۲۳۳۶ فٹ سیدھی گہرے سمندر سے اُٹھتی ہے۔ یہ انڈیمان (Andamans) کی مشرقی سمت میں جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہے۔ ایک موجودہ مصنف نے مشاہدہ کیا ہے کہ لفظ نارکوندام میں نارک یعنی جہنم کے معنی پوشیدہ ہیں یا شاید نارکوندم کا مطلب "جہنم کا گڑھا" ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ قدیم نظریہ ہو مگر سمندری سمتوں کے ہندی ماہرین کے خیال میں اب بھی یہ آتش فشاں اُبل رہا ہے۔ کچھ برہمن پنڈتوں نے اسے جہنم کے منہ کا نام دیا ہے جو راکھشاس (Rakhasas) کے انڈیمان کے ملحقہ گروہ کے موافق ہے۔

ہمیں آج کل میں ہی ہندوستان کے زمینی سروے کرنے والے مسٹر ایف۔ آرمالٹ (F.R.Mallet) کا خط موصول ہوا۔ جنہوں نے حال ہی میں نارکوندم اور جزیرہ بیرن (Barren) کا دورہ کیا۔ مالٹ صاحب نے لکھا ہے کہ نارکوندم کوئی آتش فشاں کا دہانہ نہیں ہے اور اگر ایسا کچھ تھا تو یقیناً یہ ہزاروں سال قبل معدوم ہو چکا ہو گا۔ دوسری طرف جزیرہ بیرن شدید ڈھلوان کے گھیرے میں مکمل بیضوی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جب کہ پچھلی صدی میں آتش فشاں شدید دھماکے کے ساتھ پھٹا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہنم کے گڑھے کی اصطلاح کا اطلاق نارکوندم کی بجائے بیرن جزیرے پر کرنا زیادہ معقول دکھائی دیتا ہے۔

مالٹ صاحب نے ایک اور خیال پیش کیا ہے کہ دو جزیروں کی شناخت میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نارکوندم کے نام کا اطلاق یقیناً بیرن

جزیرے پر ہوتا ہو گا۔ بیرن جزیرے کا نام کافی حد تک جدید ہے۔ پورڈی (Purdy) کی اورینٹل نیویگیٹر (Or.Navigator) سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ پرتگالی بیرن جزیرے کے لیے الہاالتاکا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہ ایک ایسا نام ہے جس کا بارہا نارکوندم پر اطلاق کیا جاتا رہا ہے۔ بیرن جزیرہ تقریباً ۸۰ فٹ اونچا ہے۔ مالٹ صاحب نے نشاندہی کی ہے۔ ای۔ آئی پائلٹ (E.I.Pilot) یا اورینٹل نیویگیٹر (Oriental Navigator) کے جدولوں میں پرتگالیوں کے مطابق نارکوندم (فیرو Ferro) سے ۱۳ سے ۴۵ ڈگری شمالی عرض بلد اور ۳۵ سے ۱۱۰ ڈگری مشرقی طول بلد پر واقع ہے۔ نارکوندم یا ہائی جزیرہ (High Island) فرانسیسیوں کے مطابق ۲۰ سے ۵۰ درجہ شمالی طول بلد اور ۵۵ سے ۱۱۰ درجے مشرقی عرض بلد پر واقع ہیں۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے جیسے کہ نظر آرہا ہے کہ ان دونوں جزیروں الہا التا (Alhaalta) یا نارکوندم نام سے منسلک ہائی جزیرے میں کچھ نہ کچھ ابہام ہے۔ ہمارے جدولوں میں نارکوندم کا صحیح مقام ۱۳ سے ۲۴ درجے شمالی عرض بلد اور ۱۲ سے ۹۴ درجے مشرقی طول بلد ہے۔ جزیرہ بیرن ۱۲ سے ۱۶ درجے شمالی عرض بلد اور ۵۴ سے ۹۳ درجے مشرقی طول بلد پر واقع ہے۔

(۵۲ میل) عرض بلد کا یہ فرق پرتگالی اور فرانسیسی نارکوندم کے درمیان بہتر طور پر تصفیہ کرتا ہے مگر طول بلد میں (تقریباً ۱۸ سے ۲۰ میل) کا فرق ایک طرح سے مثبت اور ایک طرح سے منفی ہے۔ فرانسیسی گوشوارے میں اس تضاد کی وجہ تحریری غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ ای۔ آئی پائلٹ (۱۷۷۸ء) کے ایک چارٹ میں "منڈے"(Monday) یا بیرن جزیرے کو ہائی جزیرہ بھی کہا گیا ہے۔ ایکونڈا (Ayconda) اور نارکوندم تقریباً موجودہ بیرن جزیرے اور نارکوندم کی جگہ پر واقع نظر آتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مالٹ صاحب کی تجاویز درست بنیادوں پر استوار ہوئی ہوں گی۔

NARD,s

نارڈ، اسم ذات

یہ ولارین (Valarian) سے متصل ہمالیہ کی اونچی پہاڑیوں کے مقامی پودے نارڈوسٹیچس جٹامنسی (Nard Vstachys Jatamansi) کا جڑنماتنا ہے۔ بظاہر یہ ایک ہندوستانی لفظ ہے جو ثقافتی راستے سے سنسکرت لفظ نالڈہ (Nalada) سے آیا ہے۔ اس دوران کسی سبب ایل کا حرف آر میں تبدیل ہو گیا ہے۔ یہ اپنی اس صورت میں عبرانی اور یونانی دونوں جگہ پر نظر آتا ہے۔ پروفیسر سکیٹ کے مطابق فرانسیسی میں یہ لفظ نارڈ، لاطینی میں نارڈس

(Nardus)، فارسی میں نارڈ (Nard) کہلاتا ہے۔ ان سب کا ماخذ سنسکرت لفظ نلڈہ (Nalda) ہی ہے۔ سنبل الطیب سنسکرت لفظ نڈا کے معنی "ایک سرکنڈے" کے ہیں۔ دورِ جدید میں سر ولیم جونز نے سب سے پہلے اس کی شناخت کی۔

NARGEELA, NARGILEH,s

نارجیلا، نارجیلہ، اسم ذات

اسے صحیح طور پر ناریل کہا جائے گا۔ سنسکرت میں اس کی مختلف صورتیں نارکرہ، نارکیلہ، نارکیلی ہیں؛ فارسی میں یہ نارجیل (Nargil) ہے۔ اس کے علاوہ ہبل ببل (Hubble Bubble) یا حقہ [12] کی عام مستعمل شکلیں ہیں۔ یہ ناریل کے خول سے تیار کیا جاتا ہے۔ فارس میں بھی حقہ یا پانی کی نلکی دراصل ایک شیشے یا دھات کی بنی ہوئی چلم کو کہتے ہیں۔

NARROWS, THE n.p.

نیروزدی، اسم معرفہ

یہ نام ہوگلی پائلٹوں (Hoogly Pilots) نے کم از کم دو صدیوں تک ہوگلی پوائنٹ کے قریبی دریا کے حصے کے لیے استعمال کیا۔ [13] اب یہ ہوگلی بائٹ (Hoogly Bight) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

NARSINGA, n.p

نارسنگا، اسم معرفہ

سولہویں اور سترہویں صدی میں جنوبی ہندوستان کے علاقے پر اس نام کا مسلسل اطلاق ہوتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ اصطلاح جزیرہ نما کی طاقتور ہندو ریاستوں وجے نگر اور بسینگر کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ یہ سلطنت ریاست بلالہ کے آثار قدیمہ پر قائم ہوئی۔ جو ۱۳۴۱ء میں دوارہ سُمدرہ میں قائم تھی۔ ۱۴۸۷ء میں وجے نگر کی اصل سلطنت کا خاتمہ کر کے تلگو شہزادے نارسینا نے اپنی حکومت قائم کر لی جو ۱۵۰۸ء تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ پرتگالیوں کی آمد کے وقت بھی وہ صاحبِ حکومت تھا۔ یوں نارسنگا کا نام اس سلطنت کے لیے دو صدیوں تک استعمال ہوتا رہا۔

NASSICK, n.p

ناسک، اسم معرفہ

یہ ہندوؤں کا ایک قدیم مقدس شہر ہے جو گوداوری (Godavery) سے اوپر کی جانب آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس ضلع کا صدر دفتر صدارت بمبئی میں اسی نام سے موجود ہے۔ ۱۸۶۷ء میں رائل جیگرافیکل سوسائٹی (R. Georgraphical Society) میں ایک متجسس بحث نے سر اٹھایا جس کا آغاز جارج کیمپبل (Georg Campbell) کی ایک دستاویز

سے ہوا جس میں دلائل دیتے ہوئے برطانوی ہندوستان کے لیے ناسک کو دار لحکومت بنانے کی حمایت کی گئی تھی۔ مگر صرف دلائل دار لحکومت کا چناؤ نہیں کر سکتے۔ لیکن ان دلائل کو مانتے ہوئے اندیشہ تھا کہ حکومت" ہندوستان " کھو سکتی تھی۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ریاضی کے جرنل میں اے۔ ایچ فراسٹ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں جادوئی مربعوں اور چکور کے حوالے سے بحث کی اور انھوں نے انھیں ناسک مربع اور ناسک چکور کہا ہے۔ اس عرصہ میں وہ ناسک کے قدیم شہر ہی میں سکونت پذیر تھے۔

NAT,s

نات، اسم ذات

برمی میں لفظ نات ہے۔ (بظاہر یہ سنسکرت لفظ ناتھ بمعنی آقا سے اخذ شدہ معلوم ہوتا ہے) یہ اصطلاح تمام روحانی مخلوقات کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جیسے فرشتے، روحیں، جنات اور اس نوعیت کی بہت سی چیزیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس میں ہندوؤں کے دیوتا بھی شامل ہیں۔

NAUND,s

ناند، اسم ذات

یہ ہندی زبان کا لفظ ناند ہے۔ اس سے مراد بھاری مٹی کی ایک بڑی رکابی ہے جس کی شکل شہد کی مکھی کے الٹے چھتے سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ بہت سے معاشی اور گھریلو کاموں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ فیلن (Fallon) کی لغت میں اس کی تعریف "مٹی کا ایک کونڈا" بتائی گئی ہے جو یقیناً ایک غلط خیال کو پیش کرتی ہے۔[14]

NAUTCH,s

ناچ، اسم ذات

یہ عورتوں کا پیش کیا جانے والا ایک سنگیت ناچ ہے؛ سٹیج پر پیش کی جانے والی کسی بھی طرح کی تفریح کے لیے یہ نام مستعمل ہے۔ مراٹھی زبان میں ناچ کا لفظ سنسکرت لفظ "نرتایہ" سے آیا ہے جس کے معنی ناچنے اور سٹیج تماشے کے ہیں۔ یہ پراکرت لفظ مچاچہ سے ہیں۔ پورے ہندوستان میں اس لفظ کو یورپی بھی استعمال کرتے ہیں۔ پگلی ناچ ایک لباس ہے جو روپ بدل دے۔ براؤننگ (Browning) اس لفظ کا استعمال خاص اشتیاق سے کرتے ہیں مگر وہ اس کے غلط استعمال پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ فیفائن (Fifine) کو یورپی ناچ قرار دیتے ہیں جس سے مراد کسی ہندو ناچنے والی کو"ہندوستانی سنگیت ناچ" کے لیے بلانا ہے۔ اسی غلطی کو انہوں نے کئی جگہوں پر دہرایا ہے۔

NAUTCH GIRL,s

ناچ گرل، اسم ذات

ناچ گرل اور ڈانسنگ گرل کی اصطلاحات ناچنے والی عورت کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

NAVAIT, NAITEA, NEVOYAT, n.p

نویت، نائتیہ، نِویت، اسم معرفہ

یہ نام جنوبی کنارہ (Canara) اور کون کن (Kon Kan) میں مخلوط النسل مسلمانوں کو دیا گیا ہے جو کم و بیش مالا بار اور کورومینڈل ساحل کے موپلہ اور لوبیز (Lubbyes) سے ملتے جلتے ہیں۔ نوایت (Navayats) کا صدر دفتر شمالی کنارہ میں ہے اور ان کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد ساتویں صدی عیسوی کے اختتام میں ایران کے گورنر کے مظالم سے بچنے کے لیے خلیج فارس سے فرار ہو گئے تھے۔ بظاہر یہ کون کنی لفظ سنسکرت لفظ نوا بمعنی نیا سے منسلک ہے۔ یوں اس کا صحیح مفہوم "نئے تبدیل شدہ" بنتا ہے۔ (مدارس گلوسری اس لفظ کو فارسی لفظ نایطی) سے اخذ کرتی ہے جو لفظ نایط سے مشتق ہے۔ یہ ایک عرب قبیلے کا نام ہے۔

NAZIR,s

ناظر، اسم ذات

یہ ہندی میں عربی لفظ "ناظر" سے آیا ہے جس کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ (نظر، دیکھنا) اینگلو انڈین عدالتوں میں یہ مقامی افسر کا خطاب ہے۔ کبھی کبھار اس کام کی وجہ سے اسے بگاڑ کر شریف بھی کہا جاتا ہے۔

NEELAM, LEELAM,s

نیلام، لیلام، اسم ذات

ہندی میں نیلام پرتگالی لفظ لیلاؤ (Leilao) سے آیا ہے۔ ہندوستان میں یہ لفظ نیلامی یا عوامی شور شرابے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سکوچ میں روپ (Roup)، مکمل جرمنی میں روفن (Rufen) جب کہ لنسچوٹن کے مترجم نے اسے آؤٹ روپ (Outroop) لکھا ہے۔ تاہم لفظ اپنے ماخذ کے لحاظ سے مشرقی ہے۔ سی۔پی۔براؤن صاحب نے نشاندہی کی ہے کہ پرتگالی لفظ عربی زبان کے لفظ الام (الالام) سے آیا ہے جس کے معنی اعلان یا اشتہار ہے۔ ڈوزی اور انگلمن نے یہ نکتہ نظر انداز کیا ہے۔ انڈیا میں نیلامی کے ذریعے مرے ہوئے یورپیوں کے باقیات کو تلف کرنے کا رواج بہت پرانا ہے۔

NEELGYE, NILGHAU,s

نیل گائے، نیل گاؤ، اسم ذات

ہندی زبان کے الفاظ نیل گاؤ، نیل گائے، لیل گائے سب سے مراد نیلی گائے ہی ہے۔ یہ عظیم بارہ سنگا کا ایک مشہور نام ہے۔ پلاس (Pallas) نے انٹی لوپ ٹریگو کیملس (Antilope Tragocamelus) کو اس کا خاندان بتایا ہے۔ یہ نام اسے اس کے پرانے رنگ نیلے سلیٹی کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اس جانور کا باقاعدہ ہندی نام روجھ ہے۔ سنسکرت میں یہ رسیا یا رشیا کہلاتا ہے۔

NEEM,s

نیم، اسم ذات

یہ ایک درخت ہے جس کا نباتاتی نام این۔ او میلی ایسی (N.O.Meliaceae) ہے۔ اس کا تعلق آزادِراچتا (Azadirachta) کے خاندان سے ہے۔ ہندی میں اس کے لیے نیم کا لفظ ہے۔ پلے فیئر (Play Fair) ۱۷۰ تالیف شریف (Taleef Shareef) کے مطابق یہ لفظ نِب (Nib) ہے۔ مراٹھی زبان میں نِمب کا لفظ سنسکرت نِمبا سے آیا ہے۔ یہ تقریباً ہندوستان کے تمام علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ عام طور پر اسے بہت سی بیماریوں کا علاج جانا جاتا ہے۔ اس کے پتوں کا لیپ بنا کر آنکھوں پر لگایا جاتا ہے۔ اس کا تازہ عرق بہت سی بیماریوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کڑوی چھال بخار میں مفید سمجھی جاتی ہے۔ اس کے پھل کو خون صاف کرنے اور غیر ضروری مادوں کے اخراج کے لیے موثر جانا جاتا ہے۔ یہ پیٹ کے کیڑوں میں بھی مفید ہے۔ اس کے بیجوں سے ایک ادویاتی تیل بھی کشید کیا جاتا ہے۔ مسوڑوں کا علاج بھی اس سے تیار شدہ ادویہ سے ہوتا ہے۔ یہ بکائین[15] سے ملتا جلتا ہے جس کے ساتھ اس کی پیوند کاری جلد کارگر ثابت ہوتی ہے۔

NEGAPATAM, n.p

نگہ پٹم، اسم معرفہ

یہ جنوبی ہندوستان کے ضلع تنجوری کی ایک ساحلی بندرگاہ ہے جسے صحیح طور پر ناگِ پٹنم کہا جاتا ہے۔ جس کا ممکنہ مطلب "سانپوں کا قصبہ" ہو سکتا ہے۔

NEGOMBO, n.p

نگمبو، اسم معرفہ

یہ ایک خوبصورت قصبہ اور ایک قدیم ڈچ قلعہ ہے جو سیلون میں کولمبو کے بیس میل شمال میں واقع ہے۔ پہلے یہ اپنی بہترین دار چینی کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ اس کا اشتقاق قدرے مختلف طریقوں سے پیش کیا گیا ہے۔ حال ہی میں یہ بات ہمارے مطالعہ میں آئی ہے کہ یہ صحیح طور پر ایک تامل لفظ نیر کولمبو ہے جس کے معنی پانی کے اندر کے ہیں مگر ایمرسن ٹینٹ

(Emerson Tennet) کے مطابق اس کا عام ماخذ مگموہ (Migamoa) ہے جس کے معنی "شہد کی مکھیوں کے گاؤں" کے ہیں۔ برنوف (Burnof) کے مطابق اصل میں یہ لفظ ناگہ بھوہے جس کے معنی "ناگوں کی سرزمین" یا "اژدھوں کے پجاریوں کی سرزمین" ہے۔

NAGARIS CAPE, n.p

نگارس کیپ، اسم معرفہ

یہ اراکان (Arkans) کے انتہائی جنوبی سرے پر ایک جزیرے اور کیپ کا نام ہے۔ جدولوں میں اس سرزمین کا انتہائی جنوبی حصہ پگوڈا پوائنٹ کہلاتا ہے۔ شمال مغرب میں سمندر کی جانب ایک ابھار کا نام ہے۔ یہ نام پرتگالی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ غالباً یہ کسی عرب یا ملاوی زبان کے مقامی نام کی شکل ہے جسے برمیوں نے ناگہ ریت سے ظاہر کیا ہے جس کا مطلب ہے "سانپ کا بھنور"۔ یہاں کی تند و تیز سمندری لہریں کشتیوں کو ساحل پر لے جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جگہ اپنی طغیانی کے باعث خاص شہرت رکھتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ برمی نام صرف اس نام کی وضاحت کی ایک کوشش ہو اور یہ جگہ پرانے وقتوں میں ناگرہ اشترہ کہلاتی ہوں۔ ابنِ بطوطہ کا گزر بنگال اور سماٹرا کے سمندری کنارے کے درمیانی حدود سے ہوا جس پر ہاتھی رکھنے والے غیر مہذب لوگوں کا قبضہ تھا جسے انہوں نے برنگار کا نام دیا ہے۔ یہ جگہ نگارس کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ امکان بھی نظر آتا ہے کہ قدیم مصنفین کے ہاں تسلسل کے ساتھ استعمال ہونے والی اصطلاح "برادی نگارس" ابنِ بطوطہ کے دیئے گئے پرانے نام کی غلط تشریح ہو۔

NELLY, NELLE,s

نیلی، اسم ذات

ملیالم زبان میں لفظ نل (Nel) ہے جس کے معنی چھلکے سمیت چاول کے ہیں۔ تلگو اور تامل زبان میں لفظ نِلی ہے یعنی "چاول جیسا"۔ یہ پیڈی کا ہم معنی دراوڑی لفظ ہے جہاں جنوبی ہندوستان میں انگریز موخر الذکر لفظ استعمال کرتے ہیں وہیں اکثر فرانسیسی اور پرتگالی بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔

NELLORE, n.p

نیلور، اسم معرفہ

یہ مدراس کے شمال میں واقع ایک قصبہ اور ضلع ہے۔ یہ تامل نام نلور (Nall-ur) یعنی "اچھا قصبہ" بھی ہو سکتا ہے جب کہ مقامی لوگ لفظ نِل بھی استعمال کرتے ہیں۔ مقامی دستاویز میں یہ سنسکرت لفظ دھنیا پورم ہے جس کے معنی چاولوں کا قصبہ ہے۔ (سیشگری ساستری (Seshagiri Sastri) مدراس

کا دستاویز (۲۱۴) کے مطابق یہ لفظ نل اُر (Nall-ur) بمعنی "اچھا قصبہ" ہے مگر گلوسری میں نیلو کو "پیڈی" اور اُر (ur) کو "گاؤں" کا معنی دیا گیا ہے۔ بُسویل (Boswell) نے تجویز پیش کی ہے کہ یہ لفظ نیلی چیت درخت سے اخذ کیا گیا ہے جس کے نیچے مشہور لینگام کو رکھا گیا ہے۔

NERBUDDA R,n.p

نربودا آر، اسم معرفہ

سنسکرت زبان کے لفظ نرمدا کے معنی "خوشی کا سبب" ہے۔ ڈِین ونسنٹ (Dean Vincent) کے خیال میں اس کا ماخذ نہر بدھا ہے جس کے معنی بدھا کی نہر ہے۔ یہ دیگر اندازوں کے مخالف ایک محتاط اندازہ محسوس ہوتا ہے۔

NERCHA,s

نرچا، اسم ذات

نرچا ملیالم زبان کا لفظ ہے اس کے معنی "ایک عہد" کے ہیں۔ اتفاق کرنا یا وعدہ کرنا۔

NEERICK, NEERUCK, NICK,s

نیرخ، نرخ، نک، اسم ذات

یہ ہندی میں فارسی لفظ نرخ (Nirkh) سے آیا ہے جسے بعض اوقات بگاڑ کر نِرک (Nirak) یا نِرخ (Nirikh) بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد محصول، قیمت یا موجودہ مالیت ہے۔ خصوصاً وہ جو انتظامیہ کے حکام نے متعین کی ہو۔ ہندوستان میں قیمتوں اور تنخواہوں کا انتظامیہ کی طرف سے تعین کا نظام کئی نسلوں سے چلا آرہا ہے۔ غالباً اب تک یہ نظام ہمارے (یورپی) ممالک میں بھی معدوم نہیں ہو۔ [صوبائی گزٹ میں اب تک موجودہ قیمتوں کی لسٹ شائع ہوتی ہے مگر حکام کے ذریعے ان پر عمل درآمد کرنے کے لیے خاطر خواہ اقدامات نہیں اٹھائے جاتے۔] فرانس میں قوتِ بازو رسے نافذ کیا جاتا ہے اور بظاہر اس کے کوئی بُرے اثرات سامنے نہیں آئے۔

NGAPEE,s

نگپی، اسم ذات

نگپی برمی نام ہے، اس کے معنی کٹی ہوئی مچھلی کے ہیں۔ [16] اس کا ذائقہ بالا چونگ کی ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔[17]

NICOBAR ISLANDS, n.p

نکوبار آئی لینڈ، اسم معرفہ

صدیوں سے اس نام کا اطلاق سماٹرا کے شمال میں واقع مشترکہ جزیروں پر ہوتا رہا ہے۔ یہ قدیم عـــربـــ ریلیشن کا لکھا بالس ہے۔ سر جارج

برڈوڈ انھیں بیل کے جزائر تصور کرتے ہیں جہاں سند باد کو اس کے پانچویں بحری سفر میں لے جایا گیا تھا۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں ڈنمارک نے اسے اپنی نوآبادیات بنانے کی کوشش کی تھی۔ ان مختلف کوششوں کا بیان وایج آف دی نوارہ (Voyage of the Novara) میں ملتا ہے۔ ۱۸۶۹ء میں حکومت برطانیہ انڈیمان کے نواحی علاقوں پر جزوی طور پر قابض ہو گئی۔ لنکھا اور نکوارم کی پرانی شکلوں کا موازنہ کرتے ہوئے برہنگی کو ان لوگوں سے مسلسل منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نام کا تعلق "ننگا" سے ہو۔ (مین صاحب لکھتے ہیں "اے۔ ڈی۔ کینڈول (A.De.Candole) کے ۱۸۸۵ء کے مقالے دی اوریجن آف دی کلٹیویٹڈ پلانٹس "The origin of the Cultivated Plants" کے نچوڑ سے ایک ممکنہ اشتقاق کی تجویز ملتی ہے۔ ایشیاء میں ناریل کی تین چار صدیوں قبل موجودگی کا ثبوت مختلف سنسکرت ناموں سے ملتا ہے۔ ملاوی کے کچھ ایسے نام ہیں جو جزائر میں عام ہو گئے ہیں۔ کلپہ، کلپہ، کلپو، ساٹرا اور نکوبار میں ہمیں نجور ،نیور کے نام بھی ملتے ہیں۔ فلپائنی میں نیوگ، مالی میں نجو اور نیو ہے۔ نکوبار طویل عرصے سے ناریل کی بہترین پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ صرف نگاٹ (Ngoat) ایک ایسا لفظ ہے جو اوپر بیان کی گئی صورتوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کے معنی "پکے ہوئے پھل" کے ہیں اور نی ناؤ کا مطلب "آدھا پکا ہوا پھل" ہے۔

NIGEER,s

نگیر، اسم ذات

انگریزوں کا مقامی لوگوں کو اس نام سے پکارنا، ان کے قدیم ظالمانہ رویے کا غماز تصور کیا جاتا ہے۔ قدیم پرتگالی بھی سیاہ فام لوگوں کے لیے نیگرو کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ تاہم ان دونوں الفاظ کے استعمال کے پیچھے کسی بھی قسم کا بغض موجود نہیں تھا۔ یہ نام افریقی اور ایشیائی لوگوں کے لیے بلاارادہ استعمال ہوئے ہیں۔

NILGHERRY, NEILGHERRY, n.p

نلگھری، نیلگری، اسم معرفہ

یہ میسور کے آخری حصے پر واقع جزیرہ نما پہاڑی کا نام ہے جو کہ مدراسی صدارت میں سناتاریہ (Sanataria) پہاڑی کا اہم مقام ہے۔ (اصل میں یہ ملئی نادو یعنی پہاڑی علاقے کے نام سے جانی جاتی ہے)۔ سنسکرت لفظ نیلگری کے معنی "نیلی پہاڑی" کے ہیں۔ "نیلہ" یا "نیلادِر" دونوں نام نیلگری کے مترادفات ہیں ان کا تعلق کائنات کے بیان کے کسی اساطیری یا جزوی طور پر اساطیری سلسلے سے ہیں۔

علاوہ ازیں اس کا اطلاق بہت سے تصدیق شدہ علاقوں کے سلسلوں پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اڑیسہ اور جنوبی ہندوستان میں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یورپیوں نے ۱۸۲۰ء میں اوٹاکمند سلسلے کو غلطی سے یہ نام دے دیا ہوگا۔ (اس خیال میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یورپیوں کی آمد سے قبل ہی مقامی لوگوں نے اس سلسلے کو یہ نام دے دیا ہوگا جیسے کہ گرگ (Grig) نے کنگو دیسار جکل (Kongu desa Rajakal) میں نقل کیا ہے۔ یہ نام کرنل مکینزی (Mackenzie) کے ۱۸۱۶ء میں لکھے گئے خط میں نظر آتا ہے۔ ٹی۔ایم۔ ہرس فال (T.M.Hors Fall) لکھتے ہیں۔ "یہ نام جنوبی ہندوستان میں مقامی لوگوں کے تمام طبقات میں عام استعمال ہوتا ہے مگر اگر کہیں یہ مخصوص ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس مسئلے کا ممکنہ حل یہ نظر آتا ہے کہ ہم قیاس کریں کہ انگریز پہاڑی سلسلوں میں سب سے پہلے نیلگری سے متعارف ہوئے۔ چنانچہ ان کی دی ہوئی اولیت کے باعث یہ نام ان سے منسلک ہو گیا۔ یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا کہ آخری صدی کے اوائل میں انگریزوں نے ہی ان پہاڑیوں کو دریافت کیا ہو، انہوں نے ہی ان کو تسخیر کیا ہو اور انہیں ایک طویل سنسکرت نام دیا ہو۔)

NIPA,s

نیپا، اسم ذات

ا۔ یہ بغیر تنے کے ایک کھجور کا نام ہے۔ (اس کا نباتاتی نام نیپا فروٹیکن ہے) یہ دریائے گنگا کے مشرقی دہانے کے ڈیلٹا پر کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ تناسیرم (Tenasserim) اور مالے سے گزر کر آسٹریلیا کے شمال میں، جزائر میں اس کے پتے خاص طور پر چھتوں کو ڈھکنے کے کام آتے ہیں۔ کرافرڈ (Crawfurd) کہتے ہیں کہ انہوں نے فلپائنیوں سے نیپا کے رس کے سوا اس کا کوئی ذکر نہیں سنا۔ یہ شربت بنانے کے لیے، سرکہ بنانے کے عمل اور سپرٹ کشید کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یوں یہ ہسپانوی حکومت کے سالانہ زرِ مبادلہ میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ یہ حقائق اس عمل کو باور کرانے کے لیے کافی ہے لفظ اپنی دوسری صورت میں بھی انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ب۔ دیسی شراب کھجور کے رس سے تیار کی جاتی ہے۔ یہ چیز اپنے معنی میں فلپائنی ہونے کی پابند نہیں ہے۔ پرتگالی بھی اس سپرٹ کے لیے "نیپا" کا لفظ مناسب تصور کرتے ہیں۔ وہ اس درخت کو "نپئیرا" کہتے ہیں۔

ہمارے خیال میں اس بات میں کچھ شبہ ہے کہ سپرٹ کی چسکیوں کے لیے نپ کا مستعمل لفظ بازاری بولی میں موجود لفظ "نیپا" سے آیا ہے (مگر ڈچ لفظ نیپن

کے معنی بھی ایک چسکی لینے کے ہے۔ اس کا موازنہ ایک قدیم لفظ نیپنٹھم سے کیا جاسکتا ہے جو تیز شراب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

NIRVANA,s

نروانہ، اسم ذات

نروانہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی موم بتی کی طرح جلنے کے ہیں۔ یہ بدھ مت کے فلسفے کی تکنیکی اصطلاح ہے جس کا اطلاق وہ نیکی کے تاج کی خواہش میں شعور کے خاتمے کی کوشش پر کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کا یقینی مطلب جاننے کے لیے چلڈر پالی (Childer Pali) کی لغت میں نبانہ (Nibbana) کے ذیل میں دیکھیے جس کے ایک مضمون میں سے ہم چند جملے نقل کر رہے ہیں۔ بدھ مت میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ یہ لفظ یورپ میں بھی عام ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں شوپینھار[13☆] کے اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے بھی یہ لفظ عام ہوا ہے مگر اکثر اوقات اس لفظ کا غلط اطلاق بھی کیا جاتا ہے۔ پرچپاز وہ قدیم یورپی کتاب ہے جس میں اس لفظ کی موجودگی کا ہمیں علم ہے۔

NIZAM, THE, n.p

نظام دی، اسم معرفہ

یہ سلطنت حیدرآباد کے شہزادوں کا موروثی انداز حکومت ہے۔ یہ دفتری انگریزی محاورے میں ہزہائی نس (His Highness) یعنی عزت ماب کے مترادف ہے۔ اس کی مکمل صورت نظام الملک ہے۔ یہ اس سلطنت کے بانی اورنگ زیب کے دربار کے وزیر اور ہنرمند سپاہی تھے۔ دکن میں ۱۷۱۳ء میں صوبیدار بنے، ان کا خطاب آصف جاہ تھا۔ اسی وجہ سے دو صدی قبل احمد نگر سلطنت کے بانی کا بھی یہی خطاب تھا جسے پرتگالی نظام ملو کو کہتے ہیں۔ حیدرآباد حکومت کے قیام کے وقت پیش آنے والے حالات بھی بالکل اس ہی جیسے تھے۔ ۱۷۴۸ء میں آصف جاہ کی وفات کے وقت وہ دکن کی سلطنت کے حیدرآباد میں رہائش پذیر ایک آزاد خودمختار حکمران تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایک بڑی سلطنت چھوڑی جسے ایک لمبے عرصے تک ان کے ورثاء سنبھالتے رہے۔

NIZAMALUCO, n.p

نظاملوکو، اسم معرفہ

کوریا (Correa) میں اکثر ازام ملوکو (Izam Maluco) کی شکل نظر آتی ہے۔ یہ ان ناموں میں سے ایک نام ہے جو پرتگالی مصنفین کی ہندوستان پر لکھی گئی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ یہ نظام الملک کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ دکن کے بہمنی بادشاہ کے درباری وزیروں میں سے ایک کا خطاب تھا جو درحقیقت ایک

برہمن غلام تھا۔ ۱۴۹۰ء میں اس کے بیٹے احمد نے سلطنت احمد نگر کے نام سے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جو تقریباً ایک صدی سے زیادہ عرصے تک قائم رہی۔ اس ریاست کے بانیوں کو پرتگالیوں نے نظاملو کو کا نام دیا۔ ان کا اپنا خطاب نظام شاہ تھا یہ نظامکھ بھی کہلاتے ہیں۔

NOKAR,s

نوکر، اسم ذات

ایک گھریلو، عسکری یا سرکاری ملازم، اس کی جمع "نوکر لوگ" یا "ملازمین" ہے۔ ہندی میں نوکر کا لفظ فارسی سے آیا ہے۔ نوکر لوگ کی جگہ نوکر چاکر بھی بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی بھی "ملازم" کے ہیں۔ یہ دوہرے ہم صوتی الفاظ کا ایک ایسا محاورہ ہے جو انگریزوں کی نسبت مشرقیوں کو زیادہ لطف بخشتا ہے۔ چاکر فارسی لفظ ہے جب کہ نوکر منگولی لفظ ہے جسے فارس میں چنگیز خان نے متعارف کروایا تھا۔ آئی۔ جے۔ سچمدت (I.J.Schmdit) کے مطابق نوکر کا لفظ ایک مددگار، انحصار کرنے والے یا دوست کے لیے مستعمل ہے۔

NAL-KOLE,s

نلکولی، اسم ذات

یہ ہندوستان میں ایک اچھی پیداوار والی سبزی کا عام اینگلوانڈین نام ہے۔ برطانیہ میں اسے اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی دی جانی چاہیے۔ یہاں (گو کہ کم نظر آتی ہے) اسے کل ربی، کہل ربی، کیبج ٹرنپ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا نباتاتی نام براسیکا اولراسیا ہے۔ اس کا سرا اوپر سے گول ہو کر چقندر کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی حصہ کھایا جاتا ہے۔ میرے دوست سر جارج برڈوڈ (George Birdwood) نے اپنی کتاب بمبئی پروڈکٹس میں اسے نلکھل لکھا ہے۔ بظاہر یہ ڈچ لفظ نل کول بمعنی شلجم گو بھی ہے۔

NON-REGULATON, adj.

نان ریگولیشن، اسم صفت

یہ برطانوی ہندوستان کے صوبوں کا انداز ہے (جن کا بڑا حصہ براہِ راست مرکزی حکومت کے بدیسی شعبہ کے اختیارات کے تحت آتا ہے) جن میں عام قوانین (جنھیں ماضی میں ریگولیشن کہا جاتا ہے) قابلِ عمل نہیں ہوتے تھے یا صرف اس وقت قابل عمل ہوتے تھے جب انھیں ہندوستان کی حکومت قابلِ عمل قرار دے۔ اس طرح کے صوبوں میں انتظامیہ کا حقیقی طریقہ کار یہ تھا کہ تمام تر شعبہ جات کے اختیارات اجتماعی طور پر ایک ضلعی چیف کی ماتحتی میں ہوا کرتے تھے۔ اور یوں اس چیف کے ہاتھ میں ایک موروثی قسم کا غیر آئینی اقتدار ہوا کرتا تھا لیکن بتدریج انفرادی قوانین کی پابندی، مثبت قوانین پر

عملدرآمد کے اضافے اور ذمہ داریوں کی تقسیم کی وجہ سے اب ریگولیشن اور ڈس ریگولیشن کے درمیان فرق قائم ہو گیا ہے۔

ہمارے دوست ایف۔ سی۔ کاٹن (F.C.Cotton) اور آر۔ ای (R.E) ہمیں بتاتے ہیں کہ لارڈ ڈلہوزی نے اپنی حکومت کے اختتام پر نیلگری پہاڑیوں کا جو دورہ کیا اس میں گورنر جنرل کے ساتھ گھوڑے پر کچھ نئی عمارتوں کے دورے کے دوران انہوں نے جنرل سے کہا "گو کہ یہ کوئی ایسی بات تو نہیں جسے عوام میں کہا جائے مگر یہ درست ہے کہ تمام ہندوستانیوں کو نان ریگولیشن کہا جانا چاہیے۔" پنجاب بہت عرصے تک نان ریگولیشن صوبے کی ایک بڑی مثال رہا ہے۔ اسی طرح کا نظام برما اور دوسرے صوبوں میں اسی طرح قائم ہے کہ وہاں سرکاری دفاتر کا اقتدار ابھی بھی فوج کے ہاتھ میں ہے۔

NORIMON,s

نورِمُن، اسم ذات

یہ جاپانی لفظ ہے۔ جاپان میں استعمال ہونے والی ایک طرح کی دستی کرسی کے لیے مستعمل ہے۔

NOR-WESTER,s

نارویسٹر، اسم ذات

ایک شدید اور اچانک آنے والا طوفان ہے جو عام طور پر ہر گرم موسم میں آتا ہے۔ ابتدائی طور پر اپنے ساتھ گرد کا طوفان لے کر آتا ہے، بعد میں موسلادھار بارش اور ژالہ باری میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

NOW BEHAR, n.p

نوبہار، اسم معرفہ

یہ نام بہت عرصے سے بہت سی جگہوں پر بدھ مت کی ایک قدیم اضافے کی یادگار کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ تاہم سندھ میں مسلمانوں کی قدیم تاریخ میں ہمیں ایک مندر نووہار کا بار بار ذکر ملتا ہے (نووہار کے معنی "نئی خانقاہ" کے ہیں)۔

NOWROZE,s

نوروز، اسم ذات

نوروز فارسی زبان کا لفظ ہے یعنی "نئے سال کا پہلا دن" ہے۔☆[14] اس سے مراد شمسی سال کا پہلا دن ہے۔ ہندوستان میں پارسی اسے مناتے ہیں۔

NOWSHADDER,s

نوشادر، اسم ذات

نوشادر فارسی زبان کا لفظ ہے۔ (مگر جدید سنسکرت میں نرسار [18] (Narasara) ہے)۔ امونیائی جیسے امونیم کلورائیڈ۔

NUDDEA RIVERS, n.p

ندیہ ریورز، اسم معرفہ

یہ دریائے ہوگلی کی شاخیں ہیں جو ضلع ندیہ (Nadiya) کو تقسیم کرتی ہے۔ گنگا سے کلکتہ کی جانب براہِ راست راستے کو کھلا رکھنے کے لیے ایک خاص افسر کے زیرِ نگرانی مزدوروں کی بڑی تعداد سے کام لیا جاتا ہے اور پہلے بھی لیا جاتا تھا۔ سخت خشک موسم میں ان نہروں کی کھدائی کی ممکنہ کوشش کی جاتی رہی ہے۔

NUGGURKOTE, n.p

نگر کوٹ، اسم معرفہ

پرانے زمانے سے اب تک یہ اصطلاح قدیم قلعے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ صوبہ پنجاب ہمالیہ میں واقع ہے۔ عام طور پر کوٹ کانگرہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ دونوں نام نگر کوٹ بمعنی قلعوں کا شہر اور کوٹ کانگرہ ایک ہی شے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ (مفہوم کے لحاظ سے کانگرہ دراصل کوٹ کانگرہ کی بگڑی ہوئی شکل بھی ہو سکتی ہے۔ کانگرہ کے اصل اشتقاق کے متعلق علم نہیں ہو سکا۔ ایک خیال کے مطابق یہ ہندی لفظ خان کھڑا بمعنی سکڑا یا خشک کو ظاہر کرتا ہے) محمود غزنوی کی تاریخ میں یہ بھیم نگر (Bhim Nagar) کے نام سے نظر آتا ہے۔ نگر کوٹ کا لفظ قدیم یورپی مصنفین کے ہاں ہمالیہ کی پہاڑیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

NUJEEB,s

نجیب، اسم ذات

یہ ہندی میں عربی لفظ "نجیب" بمعنی پُروقار سے آیا ہے۔ یہ مقامی حکومت کے زیرِ نگرانی ایک قسم کی نیم تربیت یافتہ پیدل فوج ہے۔ ایک وقت میں یہ لفظ برطانوی حکومت کی فوج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ انہیں یہ اعزازانہ لقب رضاکارانہ شمولیت کے باعث دیا جاتا تھا۔

NULLAH,s

نالہ، اسم ذات

یہ ہندی لفظ نالا ہے جس کے معنی گزر گاہ کے ہیں۔ ضروری نہیں کہ کوئی خشک آبی گزر گاہ ہو، تاہم اسے اینگلوانڈین میں اکثر وبیشتر انہی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

NUMDAM, NUMNA,s

نمدا، نمنا، اسم ذات

ہندی زبان میں نمدہ، نمدا کے الفاظ فارسی زبان کے لفظ نمد سے آئے ہیں۔ (سنسکرت زبان میں لفظ "نمتہ" ہے) ایک قسم کا اونی کپڑا ہے جو گھوڑے کی

کاٹھی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔[19] ممکن ہے کہ یہ عربی لفظ "نمت "(Namat)یعنی تخت پوش ہو جو معززین کے تخت پر بچھایا جاتا ہے۔

NUMERICAL AFFIXES, CO-EFFICIANTS or DETERMINATIVES

عددی لاحقے، تعارفی نمبر یا تعینی نمبر

غالباًان اظہارات کے معنی پر مرحوم قابل احترام جان کرافرڈ کی تحریر کردہ ملاوی کی گرائمر کے نچوڑ سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے:

"کچھ اشیاء کی گنتی کے لیے ملاوی میں کچھ ایسے انوکھے محاورے موجود ہیں جو میں نے جزائر کی کسی اور زبان میں نہیں دیکھے۔ ان الفاظ کے استعمال کی نوعیت وہی ہے جو مویشیوں کی کہانی میں سروں کی یا بحری جہازوں کی گنتی میں بادبان کی ہوتی ہے مگر ملاوی میں اس کا استعمال بہت سی شناسا اشیاء تک بڑھا ہوا ہے۔ الائی (Alai):اس کے اصل معنی معلوم نہیں ہیں۔ اس کا اطلاق پتوں اور گھاس جیسی نازک اشیاء پر ہوتا ہے۔ بتنگ (Batang) بمعنی تنا اور تناور؛کا اطلاق درختوں، درختوں کے تنے، نیزے اور برچھیوں پر ہوتا ہے۔ بنٹک (Bantak)کے اصل معنی بھی معلوم نہیں ہو سکے۔ اس کا اطلاق چھلے وغیرہ پر ہوتا ہے۔ بڈنگ (Bidang)کے معنی پھیلاؤ اور کشادگی کے ہیں۔ یہ چٹائیوں، قالینوں، گھاس پھوس، جھونپڑیوں، بادبانوں، جانوروں کی کھال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بیجی (Biji)کے معنی بیج کے ہیں۔ اس کا اطلاق بیجوں، پتھروں، کنکریوں، نگینوں، انڈوں، جانوروں کی آنکھوں، چراغوں، موم بتی دانوں وغیرہ پر ہوتا ہے۔ کرافرڈ کے مزید آٹھ یا نو اصطلاحات کا ذکر بھی کیا ہے جو مختلف اشیاء کے گروہوں کی گنتی میں ہمیشہ عدد کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ جیسے انگریزی میں کچھ روزمرہ ہمیں یوں کہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ نیزوں کے دو تنے، قالینوں کے چار بچھونے، ہیرے کے چھ دانے، حقیقت میں ہم سب یوں ہی بولتے ہیں۔ جانوروں کے بیس سر، سپاہیوں کی دس فائلیں، جہازوں کے سو بادبان، توپ کے بیس گولے، بندوقوں کے درجن بھر سٹینڈ، مگر پھر بھی کسی بھی ایک معاملے میں یہ انداز اختیار کرنا لازمی نہیں ہے۔ یہ انداز تکنیکی اور غیر معمولی ہے۔ حتیٰ کہ مجھے یاد ہے کہ قدیم ریفارم بل (Reform Bill)کے دنوں میں جب صوبائی قصبوں میں کشیدگی متوقع تھی۔ ایک لڑکے نے حالاتِ حاضرہ سے باخبر ایک خاتون سے سنا کہ پڑوس میں موجود مالکن عورت اس قدر چوکس تھی کہ اس نے قصبے کے لیے بندوقوں کا پورا اسٹینڈ منگوالیا ہے۔

کسی حد تک یہ روزمرہ دیگر یورپی زبانوں بشمول فرانسیسی، جرمن میں بھی موجود ہے۔

کرافرڈ کی پیش کردہ ملاوی میں موجود محاورات جیسا یہ انوکھا محاورہ برمی میں بھی پایا جاتا ہے۔ برمی لاحقے تعداد میں زیادہ محسوس ہوتے ہیں اور ان کی تقسیم کسی حد تک زیادہ خود مختارانہ اور پرکشش ہے۔ یوں لفظ اُوس(Oos) میں ایک جڑ کا مفہوم ہوتا ہے۔ چیف (Chief)یا فسٹ (First)کا بادشاہوں، الہیات اور پادریوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ یاک (Yauk) بمعنی "ایک نر" کا اطلاق خدائی کی بجائے منطقی وجود پر ہوتا ہے۔ گانگ (Gaung) بمعنی "ایک خونخوار ریچھ" کا اطلاق غیر منطقی وجود پر ہوتا ہے۔

پیا (Pya)لفظ میں سطحی وسعت کا مفہوم ہے۔ اس کا اطلاق ڈالروں، ملکوں، تھالوں اور کمبلوں پر ہوتا ہے۔ لفظ لُن (Lun)میں "گولائی" کا مفہوم ہے اور اس کا اطلاق انڈوں، ڈبل روٹیوں، بوتلوں، پیالیوں، پنجوں، انگلیوں، موم بتیوں، بانسوں، ہاتھوں، پاؤں وغیرہ پر ہوتا ہے۔ لفظ تسنگ (Tseng)اور گنینگ (Gyaung)میں سیدھی لائن میں توسیع کے معنی ہیں۔ اس لفظ کا اطلاق ڈنڈوں، لائنوں، نیزوں اور سڑکوں پر ہوتا ہے۔ یہی روزمرہ تھائی لینڈ کی زبان میں بھی موجود ہے۔ اس کا سراغ ہمیں چائنہ اور تبت کی سرحدوں پر آباد قبائل کے کچھ ذخیرہ الفاظ سے ملا ہے۔

ان ذخیرہ الفاظ میں ہندسوں کی بہت سی مثالوں سے اعداد کے ضروری حصے میں اس کے ماخذ کی شناخت ہوتی ہے۔ تغیر کی مدد سے پورے لفظ کو مختلف تناظر میں پیش کیا جاتا ہے جو عددی لاحقے کو ظاہر کرتا ہے۔ (یا جسے برین ہیجسن (Brain Hadgson)صاحب غلامانہ لاحقہ قرار دیتے ہیں)۔ یہ روزمرہ بذاتِ خود چین کی بولیوں کے اصولوں میں موجود ہے۔ یہ روزمرہ چینی بولیوں سے انگریزی پیجن میں منتقل ہوئے ہیں جو اس انوکھی عوامی بولی میں عددی لاحقے کے طور پر تمام کائنات میں مستعمل محسوس ہوتا ہے۔

یہ پیجن محاورہ عوامی بولیوں میں مستعمل کثیر تعداد کو ظاہر کرتا ہے۔ کچھ زبانوں میں یہ ایک اضافی حیثیت رکھتا ہے جو یقیناً غیر ملکیوں کے اس کے عام استعمال کی مہارت کے حصول میں ایک بڑی مشکل ہے۔ اس موضوع پر ایک شماریاتی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

یہ محاورے کورین اور جاپانی زبانوں میں بھی نظر آتے ہیں مگر یہاں انہیں دیسی محاورہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ چینی زبان سے لیے گئے ہیں۔ یہ وسطی امریکہ کی بہت سی زبانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ گوئٹے مالا کی کوئچی (Quinche) اور میکسیکو کی زبان نہولت میں موجود ہیں۔ کم از کم اسی علاقے کی دو مزید زبانیں ٹپ (Tep)اور پرندہ (Perinda) بھی ہیں۔ درج ذیل تعارفی نمبر یا تعینی

نمبر بڑی حد تک میکسیکن (یا نہولت) میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا برمی اور ملاوی میں استعمال کی مثالوں سے موازنہ کریں۔

تتل (Tetl) یعنی "ایک پتھر" یہ لفظ گول نما اور بیلن نما اشیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے انڈے، پھلیاں، کوکوکے دانے ، چیری، خاردار ناشپاتی، ہسپانوی روٹیاں وغیرہ۔ نیز اس کا اطلاق کتابوں اور پرندوں پر بھی ہوتا ہے۔

پنتلی (Pantli) یہ لفظ چیزوں اور انسانوں کی لمبی قطاروں کے لیے مستعمل ہے۔ دیواروں اور نالیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

تلیمنتلی (Tlamantli) (اس لفظ کا مادہ "منا" ہے اس سے مراد ایسی اشیاء ہیں جو زمین پر پھیل جائیں) جیسے جوتے، برتن، پیالے، کاغذ وغیرہ مگر یہ تقاریر اور تبلیغ وغیرہ کے لیے بھی مستعمل ہے۔

الوتل (Olotl) یعنی "مکئی ، دانے" یہ مکئی کے دانوں، کوکو کی پھلیوں اور کیلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ سنگ اور تیروں کے سروں کے لیے بھی مستعمل ہے۔

میں نے اپنے دوست پروفیسر ترین دی لاکوپری (Terriem de la Cauperie) کی مدد سے تقریباً ایسی پچاس زبانوں کی لسٹ مرتب کی ہے جن میں یہ متجسس روزمرہ موجود ہے مگر یہاں ان سب کا تذکرہ زیادہ جگہ کا متقاضی ہے تاہم چین کی دیسی زبانوں میں دی گئی گرائمر کے مطابق تعین کرنے والے نمبروں کی شماریات یہ ہیں۔

دیسی چینی شنگھائی میں ۳۳اور فچاؤ (Fachau) میں ۱۱۰ ہے۔ کورئین (Corean) میں ۱۲، جاپانی میں ۱۶، انامائیٹ (Annamite) میں ۱۰۶، سامی میں ۲۴، شان میں ۴۲، ہری میں ۴۰، ملاوی اور جاوی میں ان کی تعداد ۱۹ ہے۔

اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو چند درندوں اور پرندوں کو مخصوص تکنیکی اور موزوں نام دینے کا رجحان دراصل قدیم انگریزی جملہ بندی کی معاونت میں ایک بڑی پیش قدمی تھا۔ اس خیال کی جڑیں اب تک اسی صورت میں جزوی طور پر موجود ہے جیسے کہ تجریدی نمبروں کے خیال کو گرفت میں لانے کی مشکل اور ان کے استعمال کو ناپسند کرنا۔ بہت سال پہلے ایک اقتباس سے یہ احساس مجھ پر واضح ہوا نیز زیرِ غور اور اس کے ماخذ کے متعلق بھی علم ہوا مگر اس کو زیادہ قابلِ اعتبار نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ مصنف نے کسی بھی زبان میں اس کی روزمرہ کی موجودگی کا کوئی بھی حوالہ پیش نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ مصنف کو خود بھی اس کا علم نہ ہو۔

چاہے ملاوی کے روزمرہ کی بات کی جائے یا قدیم جملہ بندی میں معاونت کی، تعاونی نمبر کا استعمال اسی مشکل کو ختم کرنے کی کوشش دکھائی دیتا ہے جس میں عام

مضبوط اصطلاحوں کا مختلف نامعلوم اشیاء پر اطلاق کر کے انہیں شناخت کیا جاتا ہے۔

یک طرفہ رجحان کے نقوش محض ایک فیشن کی طرح مصنوعی طور پر نمو پاتے رہے ہیں جو کہ ہندوستانی اور فارسی زبان میں بالخصوص منشیوں کا دفتری انداز تحریر ہے جو میرے خیال میں دانستہ طور پر دو صفحات پر الفاظ کا اصراف کر کے خوشی محسوس کرتے تھے یا اس سے پہلے کہ ہند چینی روزمرہ میری توجہ کا مرکز بن جائے۔ جان بوجھ کر الفاظ کے زائد استعمال کی مثالیں پیش ہیں مثلاً دو شیٹیں، رضائیوں، قالینوں وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پانچ "رسی" بھینسوں کا راس Ras، دس "زنجیریں" ہاتھیوں کی، بیس "قبضے" تلواروں کے (قبضے) وغیرہ۔ میں منشیوں کی تحریر میں اس روزمرہ کی توسیع سے آگاہ نہیں تھا۔ مجھے اس کی وضاحت کارینگی (Carnegy) صاحب کی کتاب کچہری ٹیکنیکلٹس (Kachahri Technicalitics) میں محاورے (روزمرہ یا محاورے) کے ذیل میں ملی۔ اوپر نقل کیے گئے کے علاوہ بھی ہمیں کچھ ایسے اعداد ملے ہیں جو سکوں برتنوں اور بغیر بازو کے کپڑوں کے لیے مستعمل ہیں۔ "دانہ" کا لفظ موتیوں اور منکوں کے لیے۔ "دست" کا لفظ شکرباز، ڈھال یا اعزازی لباس کے لیے مستعمل ہے۔ جلد کے لغوی معنی کھال کے ہیں مگر یہ کتابوں کے والیم (Volume) کے لیے مستعمل ہے۔ سار کے لغوی معنی ناک کے نتھنے کے ہیں۔ یہ لفظ اونٹ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ قطعہ: (لغوی معنی حصے یا ٹکڑے کے ہیں) مگر یہ لفظ قیمتی پتھروں، باغوں، ٹینکوں، کھیتوں، خطوں کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ منزل: (لغوی معنی سفر کے ایک مرحلے یا اترنے کی جگہ کے ہیں) مگر یہ لفظ ٹینٹوں، کشتیوں، گھروں، بار برداری کی گاڑیوں، بستروں، عماری وغیرہ کے لیے مستعمل ہے۔ ساز: (لغوی معنی ایک آلہ) یہ گٹار کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ سلک: (لغوی معنی دھاگہ) ہر طرح کے ہار وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے بہت سے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے الفاظ ترکی الاصل ہیں جو اسمنلی (Osmanli) ترکی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

NUNCATIES,s

نان کتائیز، اسم ذات

یہ جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کے بنائے گئے عمدہ کیک ہیں۔ یہ خاص طور پر سورت سے بمبئی برآمد کیے جاتے تھے۔ یہ فارسی زبان کا لفظ "نان خطائی" ہے یعنی "چین یا کیتھی کی روٹی"۔ جس سے یہ لفظ منسلک ہے۔ سوات کے کلکٹر ویئر (Weir) صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حقیقتاً "نان خطائی" ہی ہے۔ فارسی لفظ نان بمعنی "روٹی" اور مراٹھی الفاظ خط اور شط کے معنی چھ کے ہیں۔ اس سے مراد کیک کی ایک ایسی قسم

ہے جو چھ اجزاء سے مل کر تیار ہو۔ گندم کا آٹا، انڈے، چینی، مکھن، گھی، تاڑی اور اناج سے تیار شدہ خمیر اور بادام۔

NUT,s

نت،اسم ذات

نتھ ہندی زبان کا لفظ ہے، سنسکرت لفظ نستا (Nasta) کے معنی ناک کے ہے۔ یہ ہندوستانی عورتوں کی پہنی جانے والی نتھنی کا نام ہے۔

NUT PROMOTION,s

نٹ پروموشن،اسم ذات

اپنی قیاسی ناقبل ہضم خصوصیت کے باعث یہ جنوبی ہندوستان میں کاجو کی پھلی کا پرانی وضع کا ایک نام ہے جہاں اسے گرم کر کے بھونا جاتا ہے۔ میٹھے کھانوں میں اس کا استعمال بہت پسند کیا جاتا ہے۔

NUZZER,s

نذر،اسم ذات

یہ ہندی زبان میں عربی لفظ" نذر "سے آیا ہے۔ بنیادی طور پر اس کے معنی ایک وعدے، نذر کرنے اور پیش کرنے کے ہیں مگر عام استعمال میں اس سے مراد رسمی تحفہ لیا جاتا ہے۔ خصوصاً کم تر کا برتر کو پیش کیا گیا۔ یہ انعام کا متضاد ہے۔ نذرات اور اس کا ماخذ ایک ہی ہے۔

حواشی

1۔ لفظ "نبوب" کے یورپ و امریکہ میں انہی معنوں میں استعمال کا جواز بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے سے ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے سفر نامے "دھنک پہ قدم" میں امریکہ کے شہر سان فرانسکو میں اس نام سے موسوم ایک پہاڑی کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہے "NOB HILL" مخفف ہے NABOB HILL کا جہاں پرانے زمانے کے نواب اور روسا رہتے تھے جنہوں نے یہاں اوٹ پٹانگ رنگ برنگ محل دو محلے بنا کر اس کو بھی ایک انوکھا علاقہ بنا دیا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین، دھنک پہ قدم، (لاہور: پاکستان رائٹرز کواپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۱۸۔

2۔ ۱۷۲۴ء سے ۱۸۵۶ء تک کے اودھ کے حکمران اودھ کے نواب کہلاتے ہیں۔ ان کے نام ان کے عہد حکومت کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

نام حکومت	عہد حکومت
سعادت خان	۱۷۲۴ء۔۱۷۳۹ء
صفدر جنگ	۱۷۳۹ء۔۱۷۵۴ء
شجاع الدولہ	۱۷۵۴ء۔۱۷۷۵ء
آصف الدولہ	۱۷۷۵ء۔۱۷۹۷ء
وزیر علی	۱۷۹۷ء۔۱۷۹۸ء
سعادت علی	۱۷۹۸ء۔۱۸۱۴ء
غازی الدین حیدر	۱۸۱۴ء۔۱۸۲۷ء
ناصر الدین حیدر	۱۸۲۷ء۔۱۸۳۷ء
علی شاہ	۱۸۳۷ء۔ ۱۸۴۲ء
امجد علی شاہ	۱۸۴۲ء۔۱۸۴۷ء
واجد علی شاہ	۱۸۴۷۔۱۸۵۶ء

فرانسس روبنسن (Francis Robinson)، *The Cambridge Encyclopedia of India, Pakistan, Bangladesh, Srilanka, Nepal, Bhutan and the Maldives*، (لندن: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۰۹

3۔ آرکاٹ کے ۱۷۰۳ء سے ۱۸۶۷ء تک کے حکمران آرکاٹ کے نواب کہلاتے ہیں۔

نام حکومت	عہد حکومت

داؤد شاہ	۱۷۰۳ء۔۱۷۱۰ء
محمد سعید سعادت اللہ خاں	۱۷۱۰ء۔۱۷۳۲ء
دوست علی خاں	۱۷۳۲ء۔۱۷۴۰ء
صفدر علی خاں	۱۷۴۰ء۔۱۷۴۲ء
انور الدین محمد	۱۷۴۴ء۔۱۷۴۹ء
ور جاہ محمد علی	۱۷۴۹ء۔۱۷۸۵ء
عمدۃ الاسراء	۱۷۹۵ء۔۱۸۰۱ء
عاظم الدولہ	۱۸۰۱ء۔۱۸۱۹ء
اعظم جاہ	۱۸۱۹ء۔۱۸۶۷ء

ایضاً

4۔ بنگال کے ۱۷۰۳ء سے ۱۷۷۰ء تک آنے والے حکمران بنگال کے نواب کہلاتے ہیں۔

نام حاکم	عہد حکومت
مرشد قلی ظفر خاں	۱۷۰۳ء۔۱۷۲۷ء
شجاع الدین	۱۷۲۷ء۔۱۷۳۹ء
سرفراز خاں	۱۷۳۹ء۔۱۷۴۰ء
علی وردی خاں	۱۷۴۰ء۔۱۷۵۶ء
سراج الدولہ	۱۷۵۶ء۔۱۷۶۰ء
میر قاسم	۱۷۶۰ء۔۱۷۶۳ء
میر جعفر	۱۷۶۳ء۔۱۷۶۵ء
نجم الدولہ	۱۷۶۵ء۔۱۷۶۶ء
سیف الدولہ	۱۷۶۶ء۔۱۷۷۰ء

ایضاً

5۔ جارج کلفورڈ وائٹ ورتھ نے بھی "نبوب" کو نواب کی بگڑی ہوئی شکل لکھا ہے۔

جارج کلفورڈ وائٹ ورتھ، *An Anglo-Indian Dictionary*،(لاہور: سنگِ میل پبلشرز، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۱۸۔

6۔ سموئل فٹ (Samuel Foote) برطانوی ڈرامہ نگار اور ایکٹر تھے۔ انھیں مزاحیہ کردار کے طور پر زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ۲۷ جنوری ۱۷۲۰ء میں برطانیہ میں پیدا ہوئے اور ۲۱ اکتوبر ۱۷۷۷ء میں ان کی وفات برطانیہ ہی میں ہوئی۔ "دی نبوب" سموئل فٹ کا لکھا گیا ایک مزاحیہ ڈراما تھا۔ پہلی مرتبہ ۲۹ جون ۱۷۷۲ء میں ہے مارکیٹ تھیٹر Haymarket میں پیش کیا گیا۔ اس ڈراما

میں "سر میتھ یو مائٹ" ایسے امیر نواب کا کردار ہے جو ہندوستان سے انگلستان واپس آکر اعلیٰ طبقے میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

7۔ فیلن نے "ناخدا" کو جہاز کا کپتان یا بحری سفر میں تجارتی عملے کا ذمہ دار شخص لکھا ہے اور فارسی الاصل قرار دیا ہے۔ جارج کلفورڈ وائٹ ورتھ کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی بحری جہاز کے کپتان کے ہیں۔
فیلن، ص ۴۸، ۱۱؛ وائٹ ورتھ، ص ۲۲۰۔

8۔ فیلن اور فاربس دونوں نے ناگا کو ہندی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ یہ ہندوستان کے بھکاریوں کی ایک جماعت ہے جو اکثر برہنہ گھومتی ہے۔ فاربس کے مطابق کبھی کبھار یہ مقامی شہزادیوں کے تحفظ کے لیے دہشت گردوں کی طرح مسلح بھی نظر آتے ہیں۔ فیلن کی رائے میں ناگا کا لفظ آسام کی جنوبی سرحدوں پر واقع پہاڑوں میں بسنے والے قبائل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
فاربس، ص ۷۲۸؛ فیلن، ص ۱۱۵۱۔

9۔ دادو پنتھی ہندوستان کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقے کا بانی دادو تھا۔ دادو ۱۵۴۴ء میں احمد آباد میں پیدا ہوا۔ دادو خود کو کبیر داس کا پیروکار کہتا تھا۔ دادو نے تمام مذاہب سے استثنیٰ کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا نہ میں مسلمان ہوں نہ ہندو اور نہ سکھ۔ میرا مذہب بس خدا سے محبت ہے۔ دادو نے ویدوں کی تعلیمات کا انکار کیا۔ مذہبی رسومات کی ادائیگی کی مخالفت کی۔ دادو کی خواہش تھی کہ تمام مذاہب کی مشترکہ روح کو تلاش کر کے اور سب لوگوں کو کسی ایک نقطے پر اکٹھا کر لے۔ وہ بین المذہب ہم آہنگی کا خواہ تھا۔ مذاہب سے پھیلنے والی تفریق اسے سخت ناپسندیدہ تھی۔ ذات پات کی تفریق کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ دارو نے خدا اور انسانی کے روحانی رشتے کی اہمیت پر زور دیا۔ دارو کی یہ تعلیم شاعری کی صورت میں تھی۔ جس کے ۵۰۰۰ اشعار محفوظ ہے۔ دارو کی حیثیت ایک صوفی کی تھی جس نے مختلف علاقے گھوم کر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ ۱۶۰۳ء میں اس صوفی کے انتقال کے بعد اس کے پیروکاروں نے اس کی روحانی فکر کی شکل بدل دی۔ دادو کے نام پر مندر بنائے گئے۔ دادو جنگوں اور خون ریزی کے خلاف تھا مگر اس کے ماننے والوں میں یہ تمام برائیاں موجود تھی۔ خصوصاً ناگا جنگجو شخصیت کے مالک تھے۔
سٹوڈنٹس برٹانیکا انڈیا (*Students Britannica India*)، (جلد دوم) (نئی دہلی: انسائیکلوپیڈیا یا برٹانیکا پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۰۰ء)، ص ۳۔

10۔ وجے نگر کی سلطنت کا قیام چودھویں صدی عیسوی میں عمل میں آیا۔ یہ ہندوؤں کی آخری بڑی سلطنت تھی۔ تقریباً پورا جنوبی ہندوستان اس سلطنت میں شامل تھا۔ یہ عظیم ہندو سلطنت سولہویں صدی تک قائم رہی۔ یہ مسلم بالادستی کے زمانے میں ہندوؤں کی ایک مضبوط سلطنت تھی۔ مصالحہ جات اور سوتی کپڑے کی تجارت نے سلطنت وجے نگر کو معاشی استحکام بخشا۔ اس کی بنیاد ہری ہرہ اور بکا دونوں بھائیوں نے مل کر رکھی۔ ہری ہرہ سلطنت کا پہلا حکمران تھا۔ ان دونوں بھائیوں کے عہد کو سنگم بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے عہدِ حکومت میں سنسکرت زبان کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ ان کے بعد سولا دوں شاہی خاندان اور پھر تولا وا اہی خاندان نے وجے نگر پر حکومت کی۔ ۱۵۶۵ء میں وجے نگر کی فوج کو تالیکوٹ کے مقام پر بیجاپور، بیدار، احمد نگر اور گولکنڈا کی مسلم ریاستوں سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست نے وجے نگر کو تباہی سے دوچار کیا مگر آخری شاہی خاندان آرویدو نے ۱۵۸۶ء تک اس حکومت کو قائم رکھا۔ اس تاریخی سلطنت کے کھنڈرات ریاست کرناٹک میں ہامپی کے مقام پر اب بھی موجود ہے۔

ہر من کلکی، ڈائٹ مر روتھر منڈ،A History of India (لندن ، سڈنی: کروم ہیلم، ۱۹۸۶ء)، ص۱۸۷۔

11۔ پلیٹس نے نالکی کا لفظ بھی پیش کیا ہے مگر شاید ولیم کرک کی نظر سے نہیں گزرا۔ پلیٹس نے بھی نالکی سے پالکی ہی مراد لی ہے۔ البتہ نلکا کو نلوا کا ہم معنی قرار دیتے ہوئے نلوا کو ایک ٹیوب لکھا ہے۔ اسے بانس کا اندر سے خالی ایسا ڈنڈا بتایا ہے جس میں خطوط بھیجے جاتے تھے۔

پلیٹس، ص۱۱۱۷، ۱۱۵۲۔

12۔ عربی میں حقہ سے مراد ایک ایسا ڈبہ ہے جس میں دوائیں اور جواہر وغیرہ رکھے جائے۔ غالباً یہ ڈبہ ناریل کے خول ہی سے تیار کیا جاتا ہو گا۔

مولوی سید تصدق حسین رضوی، لغات کشوری (فارسی-اردو)، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص۴۲۰۔

13۔ ہگلی پائلٹ دریائے ہگلی پر سترھویں صدی کی آخری دہائیوں میں جہازوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے رکھے گئے۔ دریائے ہگلی ہندوستان کے شمال مشرق میں بہتا ہے۔ یہ تجارتی حوالوں سے دریائے گنگا کا سب سے اہم دھارا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اسی دریا کے ذریعے بنگال میں اپنے تجارتی نظام کو چلاتی تھی۔ باقی یورپی ممالک نے بھی اس دریا کو تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ خلیج بنگال کے راستے کلکتہ میں داخل ہوا ہے۔ یہ بنگال میں ۱۶۰ میل تک بہتا ہے۔ یہ خلیج بنگال میں دریا کے ۳ سے ۲۰ میل تک کے چوڑے دہانے کے راستے داخل ہوتا ہے۔ جسے دو بڑے پلوں کی مدد سے ملا دیا گیا ہے۔

دریائے ہگلی سترھویں صدی کے آغاز ہی سے تجارتی اہمیت کا حامل ہے مگر یہاں جہازوں کی آمدورفت کے حوالے سے لاحق خدشات سے بھی سبھی آگاہ ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ ہگلی کے کم گہرے پانیوں اور کناروں میں فرق نہ ہونا ہے۔ اس کے علاوہ مون سون کے دوران کمزور رویت اور موسم سرما کی تیز ہواؤں میں جہازوں کا راستے سے ذرہ بھی ہٹنا باعث تباہی ہو جاتا تھا۔ دریائے ہگلی کے تنگ راستے، تیز لہریں اور ریتلے کنارے جہازوں کا رُخ بدل دیا کرتے تھے۔ ان خطرات کے پیش نظر مقامی معلومات کے حامل تجربہ کار پائلٹ درکار تھے۔ چنانچہ دریائے ہگلی کے لیے بنگال پائلٹ کے نام سے جہاز رانوں کا ایک گروہ ترتیب دیا گیا جنہیں ہگلی پائلٹ بھی کہا جاتا ہے۔

برٹانیکا کنسائس انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، (http://www.Britannica.com,2006)ص۹۰۵۔

14۔ فیلن نے ناند کو ایک "مٹی کا کونڈا" بتایا ہے۔ ہنری یول نے فیلن کی تعبیر سے اختلاف کیا ہے جب کہ سید احمد دہلوی نے بھی ناند کو ایک بہت بڑا کونڈا کہا ہے جس میں نانبائی آٹا گوندھ کر رکھتے ہیں، دھوبی کپڑے دھوتے ہیں اور رنگریز کپڑے رنگتے ہیں۔ شیکسپئر نے بھی اسے ایک بڑا مٹی کا تسلہ لکھا ہے۔

فیلن، ص۱۱۵۴؛ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ (جلد چہارم)، (لاہور، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، سن ندارد)، ص۵۴۴؛ شیکسپئر، ص۱۷، ۵۲۔

15۔ بکاین کا درخت نیم کے درخت سے بہت حد تک مماثل ہوتا ہے۔ بنگالی میں اسے مہانیم کہا جاتا ہے۔ مہانیم کا لفظ سنسکرت نام "مہانمبا" ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

یول، برنل، ص۱۱۸۔

16۔ نگپی برمی زبان کا لفظ ہے۔ اس سے مراد مچھلی کی لبدی ہے۔

وائٹ ورتھ، ص ۲۲۷۔

17۔ بالاچونگ (Balac Hong) ہند چینی اور ملائی خاندانوں میں عام کھایا جانے والا ایک کھانا ہے جو جھینگوں اور مچھلیوں کے مرکب سے تیار کیا جاتا ہے۔

یول، برنل، ص ۵۱۔

18۔ نوشادر اور نوسادر دونوں ہم معنی ہے مگر موخر الذکر سنسکرت لفظ ہے۔

شیکسپیئر، ص ۱۸۰۲۔

19۔ نمد، نمدہ یا نمدا اسے مراد اُون یا پشم کا بستر یا وہ کپڑا ہے جو پشم کو صابن وغیرہ کی لاگ سے جما کر بناتے ہیں جیسے پٹو، پوستین، اونی ٹوپی۔ نمد پوش؛ وہ شخص جو پٹو یا پوستین پہنے رہے۔ نمد زین؛ وہ نمد جو زین کے نیچے گھوڑوں کی پشت پر ڈالتے ہیں۔ نمدہ؛ وہ اونی کپڑا جو گھوڑوں پر ڈالتے ہیں۔

دہلوی، فرہنگ آصفیہ (جلد چہارم)، ص ۲۰۳۔

"O"

OART,s

اُورَت،اسم ذات

اُورَت سے مراد ناریل کا باغ ہے۔ یہ لفظ خاص طور پر جنوبی ہندوستان میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ پرتگالی الاصل ہے۔ (عام طور پر اسے "ہُرتہ" بولا جاتا ہے) ماہم (Mahim) اور گیگوم (Girgaumn) میں کسی بھی آدمی کے ذاتی قبضے میں موجود ناریل کے باغ کو اُس کا "اُورَت" کہا جاتا ہے۔

OBANG,s

اوبان،اسم ذات

جاپانی میں یہ "اوبان" کہلاتا ہے۔ اس کے لغوی معنی "بڑے حصے" کے ہیں۔ یہ کوبانگ (Kobang) سے ملتا جلتا جاپانی سونے کا ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ مگر کوبانگ کے مقابلے میں اس کی قیمت دس گُنا زیادہ ہے۔ پانچ سے چھ انچ لمبائی، تین سے چار انچ چوڑائی کے ساتھ اس کا اوسط وزن ۲۵۶۴ گرین ہے۔ یہ پہلی بار ۱۵۸۰ء میں اور آخری بار ۱۸۶۰ء میں جاری ہوا۔

OLD STRAIT, n.p

اولڈ سٹریٹ،اسم معرفہ

یہ سنگاپور اور مین لینڈ کے درمیان ایک تنگ راستے کا پرانا نام ہے۔ بحری جہاز اسی راستے سے چین جاتے تھے لیکن کافی عرصہ قبل سنگاپور کے جنوب اور بنٹانگ (Bintang) کے شمال میں موجود ایک متبادل کشادہ راستہ اختیار کر لیا گیا ہے۔ مالے میں اسے ایک کھائی جانے والی مچھلی کے دوسرے حصے سلات تمبرو (Salat Tambru) سے پکارا جاتا ہے۔
سنگاپور کا یہ تنگ راستہ ماہرین سمت کی مدد سے استعمال کیا جاتا تھا۔ جنوب میں موجود چوڑا راستہ "نیو سٹریٹ" یا "گورنر سٹریٹ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

OLLAH,s

اُولا،اسم ذات

تامل زبان میں اسے اُولائی اور مالاوی میں اُتلا بولا جاتا ہے۔ یعنی "کھجور کا پتہ"۔ مگر یہ لفظ خاص طور پر تاڑ کے درخت کے پتے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[1] (بوراسیس فلیبلفارمس (Borassus Flablliformis) اس کا نباتاتی نام ہے۔) یہ پتہ لکھنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اکثر غلطی سے اس کے لیے کیڈجن (Cadjan) کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ پرانی کتابوں میں "اُتلا" کا لفظ مقامی خط کے لیے استعمال ہوا ہے۔

OMEDWAUR,s

امیدوار،اسم ذات

ہندی زبان میں یہ فارسی لفظ "امیدوار" سے آیا ہے۔

اس کا مادہ "امید" ہے۔ اس کے لغوی معنی "ایک پُرامید شخص" کے ہیں یعنی کوئی ایسا شخص جسے کسی نوکری کی توقع ہو یا کوئی ایسا شخص جو اپنی درخواست کے حوصلہ افزاء جواب کا منتظر ہو۔

OMLAH,s

عملہ، اسم ذات

بنیادی طور پر یہ عربی زبان کے لفظ "عامل" یا "عملۃ" (اسم جمع) سے اخذ شدہ لفظ ہے۔ یہ اصطلاح ہندوستان کے صوبہ بنگال میں مجموعی طور پر عوامی عدالتوں اور کچہریوں کے مقامی افسروں، کلرکوں اور دیگر ملازمین کے لیے مستعمل ہے۔

OMRAH,s

امراء، اسم ذات

پچھلے لفظ کی طرح یہ بھی ایک عربی جمع ہی ہے۔ (امراء لفظ امیر کی جمع ہے) یہ اصطلاح بالخصوص عظیم مغل بادشاہوں کے دور میں مسلم عدالتوں کے اعلیٰ عہدہ داران کے لیے مجموعی طور پر استعمال ہوتی تھی لیکن قدیم یورپی مصنفین نے اسے واحد لفظ کے طور پر برتا ہے۔

اسے عدالت کے لارڈ یا بلند مرتبہ آدمی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہندوستان میں اس کا استعمال بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہندی جمع "امرایان" کا ہے۔ بلوک مین (Blochmann) کے مطابق یہ اصطلاح منصب دار سے مماثلت رکھتی ہے۔ ہزار سپاہیوں پر مقرر نائب کو امراء کبار یا امراء اعظم کا نام دیا جاتا ہے۔ جن کے معانی "عظیم امیروں" کے ہیں۔ ان الفاظ کی درست صورت "امراء" ہی ہے۔ کچھ بہت اعلیٰ مراتب پر فائز افسروں کے لیے امیر الامراء کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ یہ نام سب سے پہلے خلفاء کی عدالتوں میں استعمال کیا گیا تھا۔

OMUM WATER,s

امم واٹر، اسم ذات

یہ جنوبی ہندوستان کی ایک عام گھریلو دوا کا نام ہے جو تیز بو والے پودے ایمبلیغیروس (Umbelliferous) سے حاصل کی جاتی ہے جس کا نباتاتی نام کیرم کاپٹیکم (Carum Copticum) ہے۔ تامل زبان میں یہ "امم" کہلاتا ہے۔ (یہ لفظ سنسکرت لفظ یمانی یا یوانی سے آیا ہے۔ ہندی میں اسے "اجوائن" کہتے ہیں۔

OOJYNE, n.p.

اُجینی، اسم معرفہ

"اُجینی" یا جدید دیسی زبان میں اسے "اُجین" [2] بولا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان کے سات مقدس شہروں میں سے ایک انتہائی قدیم شہر ہے۔ یہ بادشاہ وکرم دتیہ کا دارالحکومت تھا۔ نیز یہی ہندو ماہر فلکیات کی پہلی چوٹی بھی تھی جہاں سے وہ طول بلد کا حساب لگاتے تھے۔

عرب جغرافیہ دانوں نے "اُجین" نام پر طویل متجسس بحثیں کی ہیں یہ خط نصف النہار ہے جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہند و طول بلد پر اِس مقام کو صفر سمجھتے تھے۔ جن عربی مصنفین نے ہندوؤں سے یہ نام ادھار لیا وہ اسے "اذین" (Azin) لکھتے ہیں۔ مگر محض ایک امتیازی نقطے کے ترک کرنے سے اس لفظ نے "آرین" کی صورت اختیار کر لی۔ یوں ازمنہ وسطیٰ میں عربوں سے خط استواء پر واقع ایک خیالی مقام کا نام عیسائی جغرافیہ دانوں میں منتقل ہو گیا۔ یہ دائرہ خط نصف النہار کو وسط سے قطع کرتا ہے۔ مزید یہ کہ غالباً نقشوں پر یہ نقطہ یا بدلا ہوا شہر محراب کی شکل میں نظر آتا ہے۔ (ازمنہ وسطیٰ کے نقشوں میں شہروں کو ایسے ہی نشانوں سے ظاہر کیا جاتا ہے) یوں یہ ارین یا ارم کا محراب یا زمین کا محراب کہلاتا ہے۔ صدیوں تک اِس مقام کو جغرافیہ کے جدولوں میں ایک اہم مقام کی حیثیت حاصل رہی۔ زمین کے قطر کا ۱۸۰ ڈگری حصہ قابل رہائش ہے۔ یہ مقام جسے مریڈن کہا جاتا ہے زمین کے اس قابلِ رہائش حصے کو نصف میں تقسیم کرتا ہے مگر چونکہ کچھ جزیرے یورپ کی حدود کو وسیع کرتے ہیں۔ اس سے عربوں کو یہ علم ہوا کہ مرکزی خط نصف النہار ہندو خط نصف النہار کی طرح مشرق میں واقع نہیں ہے۔ یوں ان کی توجہ مغرب کی جانب مبذول ہوئی مگر اس کے ساتھ انھوں نے اس علامتی "آرین" کو بھی خطِ استواء کے ساتھ مغرب میں منتقل کر دیا۔ عہد وسطیٰ کے یورپی طالب علم بھی "آرین" اور "سایِنی" (Syene) کے درمیان الجھ جاتے ہیں۔ اس الجھاؤ میں مزید اضافہ اصل نام "اذین" کی موجودگی سے بھی ہوتا ہے۔ "آریم" (Arym) کے ماخذ کے متعلق بہت سے لاحاصل اندازے لگائے جاتے ہیں۔ سیڈلاٹ (Sedillot) صاحب بہت مثبت انداز میں کہتے ہیں کہ وہ اس بابت جتنا علم حاصل کر چکے ہیں اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔ مگر رناڈ (Reniaud) صاحب نے "آرین" کو "اجین" کی بگڑی ہوئی شکل قرار دے کر یہ معاملہ بہت سادگی سے سلجھا دیا ہے۔

عربی زبان میں اِس نام کا غلط اطلاق اِس قدر عام ہو گیا ہے کہ معتدل درجہ حرارت اور خصوصیات والی جگہوں کو یہ نام دے دیا جاتا ہے۔

OOLOOBALLONG,s

اُلوبلنگ، اسم ذات

یہ ملاوی کا لفظ ہے یعنی ایک منتخب کیا ہوا جنگجو یا فاتح (سکیٹ صاحب کے مطابق "اُلو" اور "اُلُ" کے معنی "سردار" کے ہیں۔ خاص طور پر اس سے مراد "راجا" ہے غالباً بلنگ کے معنی "لوگوں" کے ہیں۔ یوں "اُلوبلنگ" کے معنی "لوگوں کے سردار" یا "محافظ" کے ہیں۔)

OOPLAH,s

اُپلا، اسم ذات

اُپلا گائے کے گوبر سے تیار کیا جاتا ہے۔ گوبر کو کیک کی شکل میں خشک کر کے ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ایندھن مغربی ایشیاء اور مصر میں عام استعمال ہوتا ہے۔

OORD, OORUD,s

اُرد، اُرُد، اسم ذات

یہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ یہ دال کی ایک قسم ہے جس کا نباتاتی نام فیسولس ریڈیٹس (Phascolus Radiatus) ہے۔ فیسولس کی قسم سے تعلق رکھنے والی یہ سب سے مہنگی دال ہے۔ یہ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر کاشت کی جاتی ہے۔

OORDOO,s

اُردو، اسم ذات

یہ ہندوستان میں بولی جانے والی ایک زبان ہے۔ اُردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی تاتار خان کے لشکر کے ہیں۔ دوسری جانب روسی لفظ "اردہ" کو بھی اس کا ماخذ خیال کیا جا سکتا ہے۔ (سچیلر (Schuyler) کے مطابق روسی سپاہی اور سرحدی فوجی دستے اردہ کا لفظ مضحکہ خیز انداز میں ایشیائی لوگوں کے لیے استعمال کرتے ہیں)۔ "سنہری اُردِ" کسی تاتاری قبیلے کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد شاہی لشکر ہے۔ لِٹر (Littre) کے مطابق یہ لفظ سولہویں صدی میں بھی مستعمل تھا۔ ابھی بھی ترکستان کے علاقے تاشقند میں قلعے کے لیے "اردا" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ غالباً شاہی لشکر کے معنوں میں اِس لفظ کی ہندوستان میں آمد بابر کے ساتھ ہوئی۔ دہلی میں شاہی رہائش کے لیے "اردو معلّٰی" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ لشکروں اور عدالتوں میں جس ملی جلی زبان نے جنم لیا اسے "زبان اردو" کہا جاتا ہے یعنی "لشکری زبان"۔ یوں اِس طویل سفر کے بعد لفظ نے "اردو" کی صورت اختیار کی۔ ابھی بھی پشاور کی سرحدوں پر بری فوج کے لشکروں کے لیے اُردو کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

OORIAL

اُریل

اُریل کا لفظ پنجابی زبان سے آیا ہے۔ یہ ایک جنگلی بھیڑ ہے جو کوہستان نمک اور سلیمانی پہاڑوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا حیاتیاتی نام اُوس سیکلو کیرس (Ovis Cycloceros) ہے۔

OORIYA, n.p

اُڑیہ، اسم معرفہ

یہ صفت "اڑیسہ" کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ ہندی زبان میں اسے "اُڑیہ" بولے گے۔ اِس علاقے کا اصل نام "اُڑیدشہ" یا "اڑوشَ" ہے۔ بالکل اسی طرح

انھیں "اُڑیہ" یا "اُڑیہ" بولا جاتا ہے۔ ["اُڑیہ خدمتگار" کلکتہ کا ایک بہت پرانا ادارہ ہے جو امراء کو اُن کی پالکی اٹھانے کے لیے افراد مہیا کرتا تھا۔ ۱۷۷۶ء میں لگائے گئے تخمینے کے مطابق ہر سال یہ ادارہ اِسی کام سے تقریباً تین لاکھ کماتا ہے۔]

OOTACAMUND, n.p

اُٹاکمنڈ، اسم معرفہ

نیلگری پہاڑیوں میں واقع یہ ایک اہم مقام ہے۔ مدراس کے گورنر کی گرمیوں کی رہائش گاہ بھی یہیں ہے۔

OPAL,s

اُپَل، اسم ذات

بلاشبہ یہ لفظ ہندی الاصل ہے۔ سنسکرت لفظ "اُپلہ" کے معنی "پتھر" کے ہیں۔ یورپ میں اس لفظ کا ذکر سب سے پہلے پلینی (Pliny) کے ہاں نظر آتا ہے۔ اِس سنسکرت لفظ سے یہ خاص معنی کب اور کیسے حاصل کیے اِس کے متعلق کچھ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔

OPIUM,s

اوپیم، اسم ذات

یہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ (پلینس نے اسے سنسکرت کے لفظ "افینہ" سے اخذ کیا ہے جس کے معنی "سانپ کی دشمنی" کے ہیں۔ یہ اشتقاق درست معلوم نہیں ہوتا۔) عربوں نے یہ لفظ یونانیوں سے لیا۔ عرب میں یہ "افیون" کہلاتا ہے۔ ڈسکورڈس (Dioscordies) اسے خشخاش کا عرق قرار دیتے ہیں۔ جب کہ پلینی نے اسے ایک مکمل نشہ آور دوا بتایا ہے۔ خشخاش سے بنائی گئی اوپیم نویں صدی میں عربوں نے چین میں متعارف کروائی۔ اس کا ابتدائی چینی نام "افُینگ" تھا جو کافی حد تک عربی نام ہی کی ترجمانی کرتا تھا۔ بعض اوقات عربی لفظ افیون کو بگاڑ کر "افین" بھی بولا جاتا ہے۔ بنگالی اسے "افعی ہو" یعنی "افعی کے گھر" سے اخذ کرتے ہیں۔

ORANGE,s

اورنج، اسم ذات

یہ لاطینی لفظ "اورنتیم" (Ourantium) سے نکلی ہوئی غلط مگر قابلِ تعریف اصطلاح ہے۔ لاطینی لفظ عہدِ وسطی میں ایجاد کیا گیا ایک مقامی لفظ ہے۔ بلاشبہ یہ عربی لفظ نارنج سے آیا ہے۔ یہ فارسی لفظ نارنج اور نارنجی ہی کی ملتی جلتی شکل ہے۔ ہندوستان میں اورنج کو عام طور پر نارنجی بھی کہا جاتا ہے۔ یقیناً فارسی کے ان الفاظ کا سنسکرت لفظ "نارنگہ" کے ساتھ کچھ تعلق ضرور ہے۔ مگر انھیں کوئی قابل اطمینان اشتقاق نہیں کہا جا سکتا۔ غالباً یہ کسی جنوبی حصہ کی زبان سے اخذ کیے گئے ہوں گے۔ مدراس کے ڈاکٹر انڈرسن (Anderson) نے لفظوں کے متعلق ایک منفرد

فلسفہ پیش کیا ہے کہ تامل کی لغت میں موجود "نر" سے شروع ہونے والے الفاظ کا تعلق کسی نہ کسی خوشبو سے ہوتا ہے جیسے لیموں کے گھاس کو نرتم، چکوترے کو نارتی، جنگلی مالٹے (اورنج) کے درخت کو نارتہ مانم، ہندوستانی چنبیلی کو نارم ہنی، تیز خوشبو دینے والے پھول کو "نار ملری" کہتے ہیں۔ بلاشبہ ہم بہت سی اصطلاحات کی درست پہچان کرنے سے قاصر ہیں مگر اس بات کا یقین ہے کہ تامل اور ملیالم دونوں زبانوں میں "نُر" کے معنی خوشبو کے ہیں۔

اورنج (مالٹے) کا وطن ہندوستان کی شمالی سرحد کے پاس کہیں ہو گا۔ اورنج فراہم کرنے والے پودے میٹھے اور کڑوے دونوں ہیں ۔یہ گروال، سیکم (Sikkim)اور کاشیا (Kasia)میں پائے جاتے ہیں۔ موخر الذکر اب بھی بہترین اورنج کی بھرپور پیداوار کے حوالے سے شہرت رکھتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یورپ میں پہلے پہل بویا جانے والا اورنج کڑوا تھا۔ ہیہن (Hehn)نے یورپ میں ترش پھلوں کی مختلف اقسام کی تاریخ کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ یورپ میں پرتگالی چین سے ۱۵۴۸ء میں پہلی بار میٹھا اورنج لائے لیکن تحقیق کے مطابق اِس سے قبل بھی اِس پھل کی کچھ عمدہ اقسام یورپ میں موجود تھی۔ چودھویں صدی کے آغاز میں ہمیں ابو الغداء کی تحریر میں سنترے پھل کی تعریف نظر آتی ہے۔ بابر نے اپنی سوانح میں (اورنج) کو مشہور ہندی اور فارسی نام "سنگترہ" دیا ہے۔ [3] "سنترے" کا نام پرتگال میں اس پھل کے پھیلاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے مختلف نام ہیں جیسے عربی میں مالٹے کو برتقان کہتے ہیں۔ [4] ہنری صاحب کے خیال میں سنگترے کے معنی "سبز پتھر" کے ہیں مگر ہمارے خیال میں انھیں ابو الغداء کی کتاب میں موجود اقتباس نے مغالطے کا شکار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ سنگترہ مالٹے (اورنج) جیسا ایک پھل ہے مگر یہ سائز میں بڑا اور میٹھا ہے، کرنل جارت (Jarrett) نے سنگترے سے اشتقاق پر اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ بویرج (Bweridge)صاحب کے نزدیک ہمایوں اِس پھل کو "سنترہ" کہتا تھا۔ اُن کے خیال میں سنترہ شائد اِس پھل کا پہاڑی نام ہے۔ "سنگترہ" بھی شاید اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وہ بھوٹان کی پہاڑیوں کے دامن میں موجود ایک گاؤں کا حوالہ دیتے ہیں جہاں مالٹے کے درختوں کے جھنڈ میں موجود ہیں۔ اِس گاؤں کو "سنترہ باری" کہا جاتا ہے۔

ORANG-OTANG, ORANG OUTAN, &c,s

اورنگ اوتان، اسم ذات

یہ سماٹرا اور برنیو (Borneo)کے گوریلے کی طرح کا بڑا سا آدمی ہے۔ سب سے پہلے بونٹیس (Bontius)نے یہ نام استعمال کیا۔ اوورنگ اوتان ملاوی کا لفظ ہے یعنی "جنگلی جنس انسانی"۔ برنیو میں

اِس جانور کا اصلی نام میاس (Mias) ہے۔ کرافرڈ کے مطابق مقامی لوگوں نے کبھی بھی اس کے لیے اورنگ اوتان کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس نام کے استعمال نہ ہونے کی وجہ اِس جانور نما انسان کی عدم موجودگی بھی ہو سکتی ہے۔ مشرقی بنگال میں مقامی لوگوں کے منہ سے "جنگلی آدمی" کا لفظ سنا گیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو "اورنگ اوتان" کے لغوی معنی "جنگلی آدمی" ہی کے ہیں۔ سکاٹ (Scott) صاحب کے مطابق اورنگ اوتان کا یہ مخصوص اطلاق مالے میں اِس لفظ کے استعمال سے مطابقت نہیں رکھتا۔

کرافرڈ اور سویٹنہم (Swettenham) نے اِس نقطے کو نظر انداز کیا ہے جب کہ کلنکرٹ نے اس استعمال کی مکمل طور پر نفی کی ہے۔ یہ بے یقینی کی کیفیت اِس علاقے نے جنم دی ہے جس کے مقامی لوگوں نے اِس جانور کو خود دیکھا ہے۔ والک (Wallace) صاحب کی تحقیق کے مطابق کسی ولندیزی یا سماٹرا کے فرد نے ایسا کوئی جانور نہیں دیکھا۔ یورپی اِس نام سے تقریباً ۲۶۰ سال پہلے سے واقف ہیں۔ یہ ایک لمبا عرصہ ہے، بہت حد تک امکان ہے کہ مالے میں اِس دوران حالات بدل گئے ہوں یا پھر کم از کم اِس نام کا استعمال ہی بدل گیا ہو۔ سکیٹ صاحب نے کرافرڈ کی تائید کی ہے کہ مقامی لوگوں نے کبھی بھی اورنگ اوتان کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ یہ کسی جہاز ران کی غلطی ہو یا مالے کی کسی ایک فرد کا چھوڑا ہوا چٹکلا۔ تاہم جزیرہ نما سے باہر اورنگ اوتان کا لفظ وحشی جنگلی قبائل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یوں میاس (Mias) اور مواس (Mawas) کے الفاظ مالے میں صرف اساطیر کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ اساطیر نے اورنگ اوتان اور مواس کے درمیان کبھی کوئی مغالطہ پیدا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جن جزائر پر مواس موجود ہیں انھیں کبھی بھی وہاں اورنگ اوتان نہیں کہا گیا۔ دراصل اورنگ کا لفظ خاص طور پر انسانی جنس کی نمائندگی کرتا ہے۔

ORANKY, ORANGKAIO, Sc.s

اُرنکے، اورنگ کایہ، اسم ذات

اورنگ کایہ (Orang Kaya) ملاوی کا لفظ ہے۔ بحرالجزائر میں اِس کے معانی سردار، باعزت و باوقار آدمی کے ہیں۔ ہندوستانی لفظ امراء اس کا ہم معنی ہے۔ اس کے لغوی معنی "امیر آدمی" کے ہیں۔ قدیم فرانسیسی مصنفین نے اسے امیر آدمی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ [سکیٹ صاحب کی معلومات کے مطابق ۱۸۹۱ء۔ ۱۸۹۲ء میں ابھرنے والے مالے رہنما کو "اورنگ کایہ پہلوان" کے نام سے جانا جاتا ہے]

ORGAN,s

آرگن، اسم ذات

یہ مٹریلیس (Mitrailleuse) کی ایک مشرق شکل کا نام ہے۔ سٹین گس (Steingess) نے اپنی لغت

میں "ارگان" اور "ارگون" کو اس کے فارسی نام بتایا ہے۔

ORISSA, n.p

اوڑیسہ، اسم معرفہ

(سنسکرت لفظ "اُڑرا شٹرہ" کے معنی "اڑرس کی سرزمین" کے ہیں۔ پراکرت میں شمال کے لیے اترا (Uttara) یعنی شمال کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ نام کانگا کے شمالی حصے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
یہ ایک قدیم سلطنت اور نئے صوبے کا نام ہے جو بنگال اور کورومینڈل ساحل کے درمیان واقع ہے۔

ORMESINE,s

ارمُزین، اسم ذات

یہ ایک قسم کا ریشم ہے جس کی جامع تعریف ناممکن ہے۔ (ڈریپر (Draper) کی لغت کے مطابق ارمُزین (Armozeen) ایک کالے رنگ کی سلک ہے جسے میت کی تجہیر و تکفین پر آنے والے سوگوار اپنی ٹوپیوں کے بینڈ اور سکارفوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات کلیسا کے عملے کے افراد اس سے اپنے گاؤن بنواتے ہیں۔ اس کا اشتقاق واضح نہیں ہے۔ سٹانف (Stanf) کی لغت میں ارمُزین کو ایسا کپڑا بتایا گیا ہے جسے اُرمز سے برآمد کیا جاتا ہے۔

ORMUS, ORMUZ, n.p

ارمز، اسم معرفہ

صحیح طور پر "ہرمز" لکھا اور بولا جاتا ہے۔ خلیج فارس کے دہانے پر واقع ایک چھوٹے سے ملک اور سمندر کے کنارے آباد مشہور شہر کا نام ہے۔ شہر کی حقیقی جگہ خلیج کے شمالی کنارے پر تھی۔ یہ جگہ بندر عباس کے مشرق میں ۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۱۳۰۰ عیسوی میں تاتاریوں کے حملے کے نتیجے میں یہ شہر جرون (Jerun) کے چھوٹے سے جزیرے پر منتقل ہو گیا۔ یہ اس سلطنت کا پایہ تخت تھا جس پر پرتگالی حکمران البوکیرکی (Alboquerque) نے ۱۵۰۶ء میں حملہ کر کے قبضہ کیا۔ طویل عرصہ تک یہ پرتگالیوں کے قبضے میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۶۲۲ء میں شاہ عباس نے سورت کے انگریزی فوجی دستے کی مدد لے کر اس پر قبضہ کر لیا۔ فارس کے لوگوں کے حملے نے اِس جزیرے کو برباد کر دیا تھا۔ تباہی کے باوجود یہاں آبادی ہے۔ نیز پرتگالیوں کے تعمیر کے گئے قلعے اور پانی کی ٹینکیاں بھی موجود ہیں۔ سلطنت عمان کے حکمران کرمان (Kerman) کے ساحل پر واقع ہرمز، کشم، بندر عباس اور دیگر بندر گاہوں کی دیکھ بھال فارس سے حاصل شدہ املاک کے طور پر کرتے رہے۔ یہاں تک ۱۸۵۴ء میں اس پر ایک بار پھر میر فارس نے زبردستی قبضہ کر لیا۔

OROMBARROS,s

اُرم بروس، اسم ذات

یہ انوکھا لفظ "اناڑی" کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مالے لفظ "ارونگ بہرو" یا "اُورنگ بھرو" ہے یعنی "نو آموز" یا "نیا آدمی"۔ [سکیٹ صاحب کے مطاق یہ لفظ پرتگالی اثرات لیے ہوئے ملاوی میں داخل ہوا ہے۔]

ORTOLAN,s

اُرٹلن، اسم ذات

یورپی لوگ چھوٹے ہندوستانی چنڈول کو اِس نام سے پکارتے ہیں۔ اِس کا حیاتیاتی نام کلنڈریلا بریکڈ کٹلا (Calandrella brachydactyla) ہے۔ تامل اور ہندی میں اسے "برگل" یا "بگری" کہتے ہیں۔ (سنسکرت میں اسے "ورگہ" کہتے ہیں یعنی "جھنڈ")

OTTA, OTTER,s

آٹر، آٹا، اسم ذات

لفظ "آٹا" [5] کو بگاڑ کر مختلف طریقوں سے بولا جاتا ہے۔ اس ہندی لفظ کا کوئی سنسکرت ماخذ نہیں ہے۔ (مگر پلٹس نے ایک سنسکرت لفظ "اردرہ" کو بطور ماخذ پیش کیا ہے جس کے معنی "نرم" کے ہیں۔)

OTTO, OTTER,s

عطرُ، عطر، اسم ذات

عام طور پر "گلابوں کا عطرُ" بولا جاتا ہے۔ بعض لوگ "گلابوں کا عطر" بھی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں گنگا کے قریب غازی پور میں گلاب کی پتیوں سے یہ عرق تیار کیا جاتا ہے۔ "عطر" عربی الاصل لفظ ہے۔ اس کے معنی خوشبو کے ہیں۔ خوشبو بنانے والے کو "عطار" کہتے ہیں۔ لفظ "عطاری" عطار کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

[کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی ملکہ نور جہاں[16]☆ نے بادشاہ جہانگیر[17]☆ سے اپنی شادی کے موقع پر گلاب کا عطر ایجاد کیا۔[6] ملکہ کے اعزاز میں محل کے باغوں کی نالیوں کو عرقِ گلاب سے بھرا گیا تھا۔ ملکہ نے پانی کی تہہ پر جھاگ دیکھ کر اسے اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ اُس سے بہت خوبصورت مہک اٹھتی محسوس کی۔ یوں یہ ایجاد عطر جہانگیر کہلائی]

OUDH, OUDE, n.p

اودھ، اسم معرفہ

"اودھ" ایودھیا کا ایک قدیم اور مقدس شہر ہے۔ یہ "راما" کا دارالحکومت ہے۔ یہ دریائے سرایو کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ دریا گوگرا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ایودھیا بھی اسی صوبے کا ایک حصہ تھا۔ ۱۷۳۲ء کے بعد ۱۷۷۰ سال تک یہ لکھنو کا دارالحکومت رہا۔ سلطنت نواب کے بعد ۱۸۱۴ء میں اودھ کے

بادشاہوں نے حکومت سنبھال لی۔ ۱۸۵۶ء میں اودھ برطانوی حکومت کا حصہ بن گیا۔ ۱۸۵۸ء میں بغاوت کے کامیاب ہونے پر انگریزوں سے اس کا قبضہ واپس لے لیا گیا۔ ۱۸۷۹ء میں حکامِ اعلیٰ نے شمالی مغربی صوبوں کے گورنروں کے ساتھ اتحاد کر لیا۔

OUTCRY,s

آوٹ کرائے، اسم ذات

سستے داموں اشیاء کی فروخت کے لیے استعمال ہونے والی اِس اصطلاح کا انگلستان سے زیادہ ہندوستان میں چلن ہے۔

OVERLAND

اُور لینڈ

یہ اصطلاح خاص طور پر ہندوستان کی طرف جانے والے سمندری راستوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ماضی میں انٹیئوک سے خلیج فارس کی طرف جانے والا ایک زمینی راستہ بھی اِس میں شامل تھا۔ ابھی بھی یہ راستہ معروف ہے۔ البتہ آج ہم لیسپس (Lisscps) صاحب[7] کے مشکور ہے کہ ان کی وجہ سے زمینی سفر کا رجحان ختم ہو گیا ہے۔

OVIDORE,s

اُوڈور، اسم ذات

اُوڈور پرتگالی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "سامع" یا "محاسب" کے ہیں۔ پرتگالی عہد کے ہندوستان کی تاریخ میں ایک ایسے حکومتی اہلکار کا مستقل ذکر ملتا ہے۔ کہیں کہیں برمی سرکاری اہلکاروں کے لیے بھی اِس اصطلاح کا استعمال نظر آتا ہے۔ یقیناً انھوں نے اسے پرتگالیوں ہی سے لیا ہو گا۔ کچھ برمی عہدوں کا نام "نکھن داوٗ" ہے۔ جس کے معنی "سرکاری کان رکھنے والے" کے ہے۔

OWL,s

اَول، اسم ذات

ہندی میں کسی بڑی وبا کے لیے "اُول" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسے طاؤن اور ہیضہ وغیرہ

حواشی

1۔ تاڑ کی شاخیں درخت کے اوپری سرے پر ہوتی ہین۔ تار کی شاخوں پر ڈیڑھ گز تک کوئی پتا نہیں ہوتا گز ڈیڑھ گز کے بعد تیس چالیس پتے شاخ پر ایک ساتھ نکلے ہوتے ہیں۔ ان پتوں کی لمبائی تقریبا ایک گز ہوتی ہے۔ ہندوستان میں اکثر تحریریں ان ہی پتوں پر لکھی جاتی تھی۔ تاڑ کے پتوں سے تیار کی گئی بالیاں بازاروں میں بکتی ہے۔ ہندوستانی لوگ یہ بالیاں اپنے کانوں میں پہنتے ہیں۔
سید صباح الدین عبد الرحمن، عہد مغلیہ مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں،(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲ء)، ص ۳۸

2۔ اجین وسطی ہندوستان کی ریاست مدھیہ پر دیش کا ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ یہ اندور کے نزدیک دریائے سپرا کے کنارے سطح مرتفع مالوہ پر آباد ہے۔ یہ ہندوستان کے سات مقدس شہروں میں سے ایک ہے۔ یہ شہر قدیم نیم افسانوی ہندوستانی ریاست اوانتی کا صدر مقام تھا۔ آٹھویں صدی عیسویں میں یہ سنسکرت علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ ۱۲۳۵ء پر یہاں مسلمان قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کے قبضے کے نتیجے میں یہاں آباد بہت سی ہندوستانی زیارت گاہیں تباہ کر دی گئیں۔ ۱۷۵۰ء میں ہندوؤں سے دوبارہ اس کا قبضہ حاصل کر لیا۔ یوں ۱۷۵۰ء سے ۱۸۱۰ء تک یہ ریاست گوالیار کا دار لحکومت رہا۔ یہاں کپڑے، افیون اور کپاس کی بہت بڑی منڈی ہے۔ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی چار لاکھ تیس ہزار چھ سو انسٹھ تھی۔
اردو انسائیکلو پیڈیا (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۸۴ء، ص ۵۴۔

3۔ تزک بابری میں مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر مالٹے یا اورنج کے لئے سنگترے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بابر کے مطابق نارنج اور نارنگ ایک ہی پھل کے دو نام ہے۔ ترنج اور سنگترہ دو الگ پھل ہے مگر یہ دونوں نارنج سے بہت زیادہ مماثلت رکھتے ہیں۔ نارنج کا ذائقہ ترش ہوتا ہے۔ ترنج دو قسم کے ہوتے ہیں کچھ میٹھے اور بے مزہ ہوتے ہیں۔ ان کا مربہ ڈالا جاتا ہے۔ کھٹے ترنج سے تیار کردہ شربت مزے لے کر پیا جاتا ہے۔ سنگترے وضع اور رنگ مین نارنج سے ملتے ہیں۔ اس کا پوست صاف ہوتا ہے۔ یہ ترنج سے تھوڑا سا چھوٹا ہوتا ہے۔ (ترنج تقریبا چھوٹے خربوزے جتنا ہوتا ہے)۔
ذائقے کے اعتبار سے سنگترے کی بھی دو اقسام ہوتی ہیں۔ شیریں سنگترے مزے کے ہوتے ہیں۔ جبکہ کھٹے سنگترے با مشکل کھائے جاتے ہیں۔ سنگترہ معدے کے لئے مفید ہوتا ہے جبکہ نارنج معدے کو نقصان پہنچاتا ہے۔
عبد الرحمن، ص ۳۸۔۳۹۔

4۔ عربی میں مالٹے کے لیے برتقان اوت برتقال دونوں نام استعمال ہوتے ہیں۔

5۔ فیلن نے لفظ آٹا کو فارسی زبان کے لفظ "آرد" سے اخذ کیا ہے۔ آٹا سے مراد پسی ہوئی گندم ہے۔ یا کسی بھی شے کو پیس جو سفوف تیار ہوتا ہے آٹا کہلاتا ہے۔ ملن نے لفظ آٹا کی روز مرہ اور محاورے سے مندرجہ ذیل مثالیں دی ہے۔

آٹا کرنا یعنی پیس کر سفوف بنانا، آٹا گیلا ہونا یعنی اپنی اصل شکل کی بجائے قدرے پتلی صورت میں آجاتا۔ آٹا مٹی ہونا یعنی پوری طرح تباہ ہونا، آٹے میں نون یعنی کسی شے کی کل کے مقابلے میں بہت مقدار اتنا نفع کھاؤ جتنا آٹے میں نون یعنی آٹے میں نمک کے برابر (انتہائی کم) نفع حاصل کرو۔

فیلن، ص ۲۵

6۔ تزک جہانگیری میں اس عطر کو عہد جہانگیر کی اختراع بتایا گیا ہے جو ملکہ نور جہاں کی والدہ محترمہ عصمت بیگم کی کوشش سے ظہور میں آئی۔ اس کے بنانے کا طریقہ بھی درج ہے کہ جب پھولوں سے عرق گلاب کھینچا جاتا ہے تو ان برتنوں کے اوپر جن میں گرم گرم عرق گلاب نکالتے ہیں روغن کی سی تہہ جمع ہو جاتی ہے۔ برتنوں کے بالائی حصے پر تھوڑی مقدار مین جمع ہو جانے والے اسی روغنی مادے کو اکٹھا کر لیا جاتا ہے۔ یوں گلاب کے بہت سے پھولوں سے جن سے عرق کشید کیا جاتا ہے یہ مادہ قابل ذکر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس کی خوشبو اتنی تیز ہوتی ہے کہ اگر اس گلاب کی بہت سی کلیاں ایک ساتھ کھل جائے تو بھی اس مہک کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ بادشاہ جہانگیر نے لکھا ہے اس کی خوشبو مردہ دلوں کی زندگی اور پر مردہ جانوں کی شگفتگی بخشتی ہے۔ اس عطر کو سلیمہ سلطان بیگم اور نور اللہ مرقدھا نے "عطر جہانگیر" کا نام دیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے موجد کو موتیوں کا ہار بطور انعام دیا تھا۔ بادشاہ جہانگیر کو یہ عطر اس قدر پسند آیا کہ اس نے بادشاہ اکبر کی وفات کے بعد ایجاد ہونے پر افسوس کا اظہار کیا کہ میرے والد اس عمدہ خوشبو سے اپنے مشام جان کو معطر نہ کر سکے۔

نور الدین محمد جہانگیر، تـــوزک جہـــانگیری، جلد اول، مترجم سید حسام الدین راشدی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء)، ص ۳۴، ۱۴۔

7۔ فرڈیننڈ میری ویکومت دی لیسپس (۱۸۰۵ء۔ ۱۸۹۴ء) ایک فرانسیسی سفیر اور انجینئر تھا۔ اپنے سیاسی سفر کا آغاز ۱۸۲۵ء میں کاؤنسلر کے عہدے سے کیا۔ بعد ازاں بحیثیت فرانسیسی سفیر خدمات انجام دیتا رہا۔ مصر میں ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۷ء کے دوران لیسپس نے نہر سویز کا منصوبہ تیار کیا۔ بطور سفیر اپنی خدمات سر انجام دینے کے بعد ۱۸۴۸ء سے ۱۸۴۸ء تک مصر کے وائسرائے سعید پاشا کے ساتھ رہا۔ ۱۸۵۴ء میں اپنے بنائے گئے منصوبے پر نہر سویز کی تعمیر کی اجازت حاصل کر لی۔ اس نہر کی تعمیر کا کام ۲۵ اپریل ۱۸۵۹ء میں شروع ہوا۔ باضابطہ طور پر ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ کو یہ نہر استعمال کے لئے کھول دی گئی۔ انجینئرنگ کی صلاحیتوں کے اعتراف میں اور نہر سویز کے کارنامے پر لیسپس کو بہت سے اعزازات سے نوازا گیا۔ نہر پانامہ بھی اسی ماہر انجینئر کا کارنامہ ہے۔ نہر سویز کی کامیاب تعمیر کے بعد نہر پانامہ کے منصوبے میں انھیں فرانسیسی کمپنی کا صدر بنا دیا گیا تھا۔ مگر کچھ مالی اور سیاسی وجوہات کی بنا پر نہر پانامہ کی تعمیر روکنی پڑی تھی۔ تحقیقات کے نتیجے میں لیسپس صاحب اور ان کے بیٹے کو کمپنی کے سرمائے میں ردوبدل کا ذمہ ٹھہرا کر قید کر لیا گیا تھا۔

رابرٹ۔ ایس۔ فلپ (Robert.S.Phillip) ودیگر *Funk and Wagnalls New Encyclopedia*، جلد ۱۶ (امریکہ: فنک اینڈ وگنل)، ص ۴۷

"P"

PADDY,s

پیڈی،اسم ذات

چھلکے سمیت چاول: مگر بناوٹ کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق، نمو پاتے ہوئے چاولوں پر ہوتا ہے۔ بظاہر اس لفظ کے دو ماخذ ہو سکتے ہیں۔

ایسا ایک لفظ بٹی (Batty) ہے جس کا استعمال ہندوستان کے مغربی ساحل کے مصنفین کے ہاں نظر آتا ہے۔ غالباً اس لفظ نے ہمارے (لفظ) پیڈی کے استعمال کو پھیلانے میں مدد دی ہے۔ یہ کنارا کے لوگوں (زبان) کا لفظ بٹہ یا بھٹہ محسوس ہوتا ہے۔ (جس کے معنی ہیں) "چھلکے سمیت چاول"۔ مراٹھی زبان کا لفظ بھاٹ اپنی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہندی میں پکے ہوئے چاولوں پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ آخر الذکر معنی سنسکرت لفظ بھکتا کے ہیں۔ غالباً یہی ان تمام صورتوں کا ماخذ ہے۔

مگر ملاوی زبان میں لفظ پیڈی ہے ۔[سکیٹ صاحب کے نزدیک عموماً اسے پیئڈی بولا جاتا ہے]۔ جاوا میں "پاری "کا لفظ خوشوں میں موجود چاولوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم بظاہر بحر الجزائر سے ہی ہندوستان میں اس لفظ کی آمد کے آثار دکھائی دیتے ہیں جو غالباً جاوا سے چاولوں کی قدیم بر آمد کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

کرافرڈ اس سوچ کا حامل نظر آتا ہے کہ ملاوی اور جاوی الفاظ ہندوستان سے پرتگالیوں کے ساتھ آئے ہوں گے۔ مگر یہ ناممکن ہے جیسا کہ انہوں نے خود اس بات کا اظہار کیا ہے۔ لفظ پاری کم و بیش تخصیص کے ساتھ بحر الجزائر کی تمام اہم زبانوں بشمول مڈغاسکر میں پایا جاتا ہے۔ جس کا تعلق مالے کے علاقے سے پرتگالیوں کی آمد سے کہیں پہلے ختم ہو گیا تھا۔

PADDY BIRD,s

پیڈی برڈ،اسم ذات

یہ یورپیوں کی طرف سے بگلوں کے خاندان کی مخصوص بنیادی نسل کو دیا گیا ایک عمومی نام ہے۔ یہ عام طور پر چاولوں کے کھیتوں میں چرتے ہوئے مویشیوں سے تھوڑے فاصلے پر اُن کے پیچھے موجود ہوتے ہیں۔ جرڈن (Jerdon) نے اسے ارڈاولا لیکوپوٹرا (Ardeola leucoptera) کا یورپی نام دیا ہے۔ بوڈائرٹ (Boddaert) اسے ہندوؤں کا اندھا بگلا کہتے ہیں، ایک ایسا پرندہ جو تقریباً رنگین ہوتا ہے۔ اگر ہم غلطی پر نہیں ہیں تو بنگال میں اس کا اطلاق ایک مکمل سفید پرندے پر ہوتا ہے۔

PADDY FIELD,s

پیڈی فیلڈ، اسم ذات

پانی میں مکمل ڈوبا ہوا چاولوں کا کھیت۔

PADRE,s

پادری، اسم ذات

ایک عیسائی مبلغ، مسیحی کلیسا کے عملے کا فرد یا وزیر؛ موافقت قائم کرنے کے لیے یورپیوں سے گفتگو کے دوران مقامی لوگ اپنے مبلغین کے لیے اس اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کبھی کبھار چرچ کا لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

یہ لفظ پرتگالیوں (پرتگالی زبان) سے لیا گیا ہے۔ ابتداء میں یقیناً اس کا اطلاق صرف رومی کیتھولک مبلغین پر ہوتا تھا۔ مگر اس لحاظ سے پرتگالیوں میں اس کے ہندی استعمال میں ایک نمایاں وصف موجود ہے۔ پیڈیلا ویلی (P.dellavalle) کے مشاہدے کے مطابق گوا (Goa) میں اس کی عملی صورت کافی منفرد تھی۔ وہ پادری کا خطاب لادینی مبلغین کو دیتے تھے۔ جب کہ اٹلی میں اس لفظ کو عیسائی گرجوں کے مبلغین کے لیے محفوظ رکھا گیا ہے۔ بلیٹو (Bluteau) کی وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود پرتگال میں ماضی یا حال میں اس کا استعمال وہی رہا ہے جو اٹلی میں تھا۔ جو عیسائی مبلغ سب سے پہلے ہندوستان گئے وہ راہب تھے۔ بظاہر یہ نام پرتگالیوں میں تمام مبلغین کے لیے عام ہو گیا تھا۔

یہ الفاظ کی زندگی کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ سولہویں صدی میں ہندوستان میں جو لفظ پہلے ہی سے وسیع استعمال میں تھا اب اس صدی میں اس کا استعمال اور بھی بڑھ گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے تمام عیسائی مبلغین کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کا اطلاق اٹھارہویں صدی کے مدراسی پروٹسٹنٹ عملے کے افراد پر ہوتا ہے۔ بشپ کا لفظ آقا کے متبادل کے طور پر جانا جاتا ہے۔

PADSHAW, PODSHAW,s

پادشاہ، پودشاہ، اسم ذات

ہندی زبان میں پادشاہ کا لفظ فارسی زبان سے آیا ہے۔ (فارسی زبان کے الفاظ پاد اور پات کے معنی تخت کے ہے، جب کہ شاہ لفظ کا معنی شہزادہ ہے)۔ ایک حاکم، عظیم مغل حکمران؛ ایک بادشاہ۔

PAGAR,s

پگار، اسم ذات

ا۔ یہ ملاوی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "باڑ" یا "احاطہ بندی" کرنے کے ہیں۔ فیکٹریوں کے ساتھ اس لفظ کے استعمال میں اور مقامی ہندوستانی لوگوں کے لیے کیے جانے والے استعمال میں کافی حد تک مماثلت ہے۔ ہندی زبان میں یہ عربی لفظ احاطہ سے آیا ہے۔

جس کے معنی "باڑ" یا "احاطہ بندی" کے ہے۔ عملداری کے معنوں میں اس کے استعمال کی صورت یوں ہوں گی۔ بمبئی کا احاطہ، بنگال کا احاطہ، شیکسپئر اور فوربس (Forbes) کے ہاں یہ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ (البتہ فیلن اور پلیٹس نے اِس لفظ کے یہی معنی لکھے ہیں۔[1] سکیٹ صاحب اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ملاوی کا لفظ "پاگر" مالے کے جزیرہ نما میں فیکٹری کی باڑ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ بعض جگہ اس کا استعمال فیکٹری کے ذخائر کے معنوں میں نظر آتا ہے۔

ب۔ بمبئی کی گھریلو بولی میں یہ لفظ عام طور پر دہاڑیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مراٹھی زبان میں یہ لفظ "پگار" ہے۔ یہ لفظ پرتگالی زبان میں بھی موجود ہے۔ پرتگالی میں اِس کے معنی "ادا کرنے" کے ہیں۔

PAGODA,s

پگوڈا، اسم ذات

یہ مبہم اور غیر معمولی لفظ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ا۔ بتوں کا مندر[18☆]: خاص طور پر اس سے مراد چین کے شہر ننکنگ کی ایک مذہبی عمارت ہے۔[2] جس کے مشہور چینی مٹی کے بنے ہوئے مینار اب تباہ ہو چکے ہیں۔ اسے مخصوص نوعیت (کی عمارت کے طور پر) یاد کیا جا سکتا ہے۔[3] سترہویں صدی ہمیں اس لفظ کا غلط اطلاق مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر نظر آتا ہے جیسے کہ فریاسوسا (Faria-Y-Sausa) نے مکہ کے لیے پگوڈا کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ب۔ ایک بت

ج۔ یہ ایک سکہ ہے[19☆] جو جنوبی ہندوستان میں بہت عرصے تک چلتا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سکے سونے اور چاندی دونوں دھاتوں سے بنائے جاتے تھے۔ مگر عموماً یہ سونے کے ہوا کرتے تھے۔ سونے کے پگوڈا کو مقامی باشندے ورایا ہن کہتے تھے۔ اول الذکر نام (نرسور کے لیے سنسکرت زبان سے آیا ہے)۔ وشنو دیوتا کے نرسور کے اوتار سے لیا گیا ہے جو جنوب کے مختلف قدیم سکوں پر نقش کیا گیا تھا۔ بلاشبہ موخر الذکر لفظ میں سونے کا مفہوم ہے۔ ۱۸۱۸ء تک مدراس میں پگوڈا، فنم[4] (Fanams) اور کاس (Kas) حساب کے لیے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ ایک پگوڈا= ۴۲ فنم =ایک فنم =آٹھ کاس۔ جس سال ایک معیاری سکے کے لیے روپے کا نام متعارف کروایا گیا۔ اس وقت پگوڈا کی قدر ساڑھے تین روپے کے برابر شمار کی گئی۔

اِس لفظ کے اصل کے لیے دی جانے والی تجاویز میں ہمیشہ اولیت معنی کو دی گئی ہے کیونکہ (لفظ کے باقی استعمالات) سے قبل استخراج زیادہ اہم ہے۔ ایسی بہت سی تجاویز درج ذیل ہیں۔

چینی ماخذات ایک سے زیادہ صورتوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر پاؤٹہ (Paotah) یعنی قیمتی اون اور پکو ہٹہ Pohkuhtah(سفید ہڈیوں کا ڈھیر)۔ اشتقاق کے لحاظ سے چینی یک ہجائی الفاظ سے کچھ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ بہر حال بلاشبہ، یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق چینیوں کی طرف سے کثیر الاضلاع شکل کے میناروں پر ہوتا تھا جسے چین میں غیر ملکی خاص طور پر پگوڈا کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس لفظ کو کسی بھی طرح پگوڈا کی نقل میں ڈھالا گیا ہو۔ ایسا غیر ملکیوں کے مسلسل بولنے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے یہ کسی لفظ کو مستعار لینے کی واحد مثال ہو گی مگر ہم اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ پگوڈا کا لفظ چینیوں سے لیا گیا ہو۔

ایک اور اشتقاق پر تگالی لفظ پگاؤ سے پیش کیا گیا ہے جس کے معنی بے دین کے ہیں۔ (اس اشتقاق کو ایک انتہائی قابل ماہر اشتقاق ایچ۔ ویج وڈ (H.Wedgwood)نے بھی اختیار کیا ہے)۔ ممکن ہے کہ اس لفظ نے پر تگالیوں کے اختیار کردہ لفظ پگوڈا کو سہل بنانے میں مدد کی ہو مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ اس لفظ کی تخلیق کا سبب یہی ہو۔ ایک تیسرا خیال "پگوڈا "کو" ڈگوڈا" تبدیل شدہ صورت بتاتا ہے، موخر الذکر سیلون میں مستعمل ایک اصلی لفظ ہے مگر بر صغیر ہند میں بدھ مت کے خاتمہ کے بعد یہ لفظ بہت کم اور غیر معمولی انداز میں جانا جاتا ہے۔

ایک چوتھا خیال اسے سنسکرت لفظ بھگ وت "مقدس دیوتا" یا" بھگ وتی" سے جوڑتا ہے۔ جس کا اطلاق درگا اور دوسری دیویوں پر ہوتا ہے۔

پانچویں خیال کے مطابق یہ فارسی لفظ بت کدہ "بتوں کا مندر" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اونگٹن (Ovington)نے یہی اشتقاق دیا ہے۔ غالبا اصل ماخذ انہی دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔

اس معاملے میں اِس کتاب کے دونوں مصنفین کی رائے میں بھی اختلاف ہے۔

ا۔ بھگ وت بمعنی "مقدس" یا مراٹھی زبان کے لفظ بھگ ونت سے اشتقاق کے خلاف یہ اعتراض ہے کہ آغاز سے ہی اس لفظ پگوڈ (Pagode)کے آخر میں "ای" ہے جو کہ لازمی طور پر بولا جاتا ہے۔ ہندوستان کی کسی بھی زبان میں بھگ ونت کسی مندر کا نام نہیں ہے جب کہ دوسری جانب بت کدہ وہ فقرہ ہے جو پر تگالی مسلمانوں سے مسلسل سنتے تھے۔ جن کے ساتھ پر تگالیوں کو ہندوستان میں اپنی پہلی آمد کے ساتھ نبٹنا تھا۔ یہ وہ خیال ہے جس کی رناڈ نے کافی اعتماد کے ساتھ تصدیق کی ہے۔ یہی اشتقاق لٹر (Littre)کی طرف سے بھی پیش کیا گیا ہے۔

جہاں تک سکے کی بات ہے۔ اسے قدرتی طور پر کافی حد تک فرض کر لیا گیا ہے کہ انھیں پگوڈا کہا گیا تھا

کیوں کہ ان میں سے کچھ کی شکلیں ایک مندر کے مماثل تھیں۔ مدراس ٹکسال کے بنائے ہوئے سکے (پگوڈا) ان اشکال کے متحمل تھے۔ اسے پرنسپ (Prinsep)میں بھی دیکھا جا سکتا ہے مگر حقیقت میں اس نقش کے حامل سکے سب سے پہلے اکیری (Ikkeri)میں ڈھالے گئے تھے۔ اس وقت لفظ پگوڈا پہلے ہی سے پرتگالیوں کے ہاں مستعمل تھا۔ تاہم تقریباً سب ہی کے ایک رُخ یا بعض اوقات دونوں اطراف پر دیوتاؤں کی نفاست سے عاری تصاویر کندہ ہوتی تھی۔ ان میں سے کچھ اشکال کی وضاحت پرنسپ میں ملتی ہیں۔ ورتھیما (Varthema)ان کے بارے میں کہتا ہے "ان سکوں کے ایک طرف شیطان صفت آدمی اور دوسری طرف کچھ الفاظ نقش ہوتے تھے"۔ یہاں "بھگ وت" سے اشتقاق میں صداقت محسوس ہوتی ہے۔

دوسری طرف اس بات پر بھی زور دیا جا سکتا ہے کہ بت کدہ اور پگوڈا کے مابین مماثلت مشکل سے ہی ہے۔ نیز بت کدہ سے اشتقاق اس لفظ کے تمام استعمالات کے لیے باآسانی وجہ نہیں بن سکتا۔ یقیناً پچھلے اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ بھگ وت کا ان معنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کوئی تعلق ضرور ہے۔

البتہ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ لفظ کے تمام استعمالات میں اس کا ماخذ بھگ وت سے ہو یا پھر یہ اس لفظ کی کچھ حالیہ تبدیلیاں ہوں؟ ہمیں مارکوپولو سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی اصطلاح اس کے دور میں جنوبی ہندوستان کے غیر ملکی سیاحوں میں جانی جاتی تھی۔ وہ اصطلاح جو بولنے میں تقریباً پگوڈا سے مماثل لگتی تھی اور اپنے معنوں میں مذہبی استعمال کی حامل تھی۔ تاہم یہ مندر کے لیے مستعمل نہ تھی پس ہمارے پاس لفظ پکٹوت (Pacaute)اور پگوڈا کے چار الگ استعمال ہیں جنہیں تیرہویں صدی کے آخر تک ہندوستان کے ساحلوں پر غیر ملکیوں نے سیکھا۔ جیسے کے ہندوؤں کے رسمی بول، جو ہندو عبادت گاہوں، ہندو بتوں اور بتوں کی تصویر والے ہندو سکوں کے لیے تھے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ سب کا سلسلہ بھگ وت "مقدس" سے جا ملے گا یا پھر بھگ وت یا بھگ وتی بدھ مت کے وقت اور علاقے میں بدھا کے معبودوں کے ناموں کے لیے مستعمل تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے برہمنیت کے وقت اور علاقے میں کرشنا اور درگا کے نام تھے۔(یہ استعمالات حقیقی ہیں)مالابار میں عبادت کی ایک شے کے طور پر "بھگ وت" کا استعمال کس قدر عام تھا، کو ایک مثال سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مالابار میں "بھگ وتی" لفظ کا اس نوع کا استعمال تکرار کے ساتھ ملتا ہے۔ کتاب کے اس حصے میں ہمارے پاس ایک اہم نوٹ ہے۔ "بھگ وتی کا ایک مندر"، "مندی بھگ وتی دیوی کا مندر"، "پنائنر کیو بھگ وتی کا مندر"، "پڈی پرکیوِ بھگ وتی کا

مندر"، "بھگ وتی کا مندر"، "بھگ وتی دیویوں کا بیان"، "یلنگا بھگ وتی دیویوں کے بیان"، "وَلر بھگ وتی دیویوں کا بیان" ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مالا بار میں بھگ وتی کی اصطلاح مندروں میں عبادت کی اشیاء کے ساتھ ہمیشہ منسلک رہی ہے۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ کیٹل صاحب اپنے ایک مضمون "کورگ سُپر سٹیشیس" (Coorg Superstitious) میں توضیحی انداز میں تحریر کرتے ہیں کہ بھدرا کالی پگوڈی یا پَوڈی بھی کہلاتی ہے یعنی بھگ وتی کا تڈبھَوا (Tadbhawa) ہے۔ ایک ضمنی بیان ہمیں پگوڈی کے ممکنہ ماخذ کے بہت قریب لاتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس کا وسیع امکان ہے کہ لفظ کی کچھ صورتیں جیسے پگوڈی یا پگوڈِ پرتگالیوں کی آمد سے قبل غیر ملکیوں کی زبانوں پر تھیں لیکن اگر یہ لفظ پرتگالی الاصل ہے تو غالباً بہت آسانی سے بھگ وتی اور بت کدہ کے سننے میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے الجھن پیدا ہو گئی ہو گی جس سے ایک نیا لفظ تشکیل پایا۔ اعتراض کرنے کے لیے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ بھگ وتی وہ اصطلاح نہیں ہے جو مقامی افراد نے مندر کے لیے استعمال کی، جب کہ اصل سوال یہ ہے کہ غیر ملکیوں کی طرف سے کیا کوئی غلط فہمی یا غلط تلفظ اس مقامی اصطلاح کا سبب بنا ہو گا؟

اس موضوع پر والٹر ایلیٹ نے باخوشی یہ تحریر مہیا کی ہے جس کا نچوڑ درج ذیل ہے۔

"مدراس میں قیام کے دوران میں نے اس لفظ کی اصل تک پہنچنے کے لیے کچھ توجہ سے کام کیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ لفظ عام طور پر عبادت کی اشیاء کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء سے وجود میں نہیں آیا۔ بھگ وت (سے مراد) دیوتا اور بھگ وتی سے مراد دیوی ہے تاہم ہندو مندر کا شاندار دروازہ فوراً اپنی جانب توجہ مبذول کراتا ہے۔ ایک اجنبی پوچھتا ہے یہ کیا تھا (اسے) بتایا جاتا ہو گا کہ یہ بھگ وتی کا گھریا مکان ہے۔ تمام جنوب میں گاؤں کی الہامی حیثیت ہمیشہ ایک درگا کی صورت میں رہی۔ جسے عام طور پر سادہ لفظوں میں دیوی کہا جاتا ہے۔ اسی انداز میں درگا کی یہ صورت زیادہ تر سونے کے ہُن (مثلاً پگوڈا سکے) میں پائی جاتی ہے۔ دکن میں موجود غیر ملکی پوچھے کہ یہ کس قسم کا سکہ تھا یا کیسی صورت نقش تھی تو اسے بتایا جائے گا کہ یہ دیوی تھی یعنی یہ بھگ وتی دیوی تھی۔

میرے دوست ڈاکٹر برنل اپنی رائے پر زیادہ اصرار نہیں کر سکتے۔ یہاں اب اس مضمون کے بارے میں ان کی رائے کو سامنے لانا زیادہ درست محسوس ہوتا ہے۔ جو ۱۰ مارچ ۱۸۸۰ء کو تنجوری سے آئے ہوئے ایک خط میں ملتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنی رائے سے متعلق آپ کی رائے کو نظر انداز کیا کہ لفظ پگوڈ میں ای (e) کو بولا جاتا تھا نیز اسے بھگ وت سے اخذ کرنے میں یہی مشکل تھی۔ جدید پرتگالی میں ای (e) ادا نہیں کیا جاتا مگر اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سولہویں صدی میں ادا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب اگر پگوڈا میں کوئی آخری علت ہے تو یہ ضرور بھگ وتی سے آیا ہوگا مگر چونکہ جنوب میں دیویوں کی پوجا ایک حد تک ہوتی تھی اس لیے ان کے لیے نام بھی مختلف تھے۔ گنڈرٹ (Gundert) اور کٹیل (Kittel) پگوڈی کو ذرگا مندر کے نام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں مگر یقیناً یہ بھگ وتی کی بگڑی ہوئی شکل نہیں ہے مگر پگوڈا ہے! ملیالم اور تامل دونوں زبانوں میں ایسے بہت سے اختیار کردہ الفاظ موجود ہیں۔ بھگ وتی کا استعمال کم ہے، دیوی کی توجیح پگوڈا کو ایک عام مندر کا نام دینے کے لیے ناکافی ہے۔

بھگ وت کا لفظ صرف جنوبی ہندوستان کی اپنی (سنسکرت) زبانوں میں ہی نظر آتا ہے۔ یہ بھگوان کی نامزد کردہ شکل ہے۔ ایسے ہی یہ تامل اور ملیالم زبان میں وشنو اور شیوا کے برابر ہیں مگر پگوڈا کا لفظ بھگوان سے نہیں لیا جا سکتا۔ اگر ہم شمالی ہند میں مستعمل صورتوں کی طرف نظر دوڑائیں بھگ ونت وغیرہ کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ یہاں ای (e) کے متعلق کچھ بھی کہنا مشکل ہے اور "نت" کے متعلق بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بربوس کے خیال میں پہلے پہل ۱۵۱۶ء کی تاریخ میں اس کے استعمال اور مندروں کے مخصوص گروہوں پر اس کے اطلاق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

PAGODA-TREE

پگوڈا ٹری

ایک عامیانہ فقرہ، جو ایک عرصہ میں ہندوستان کی بجائے انگلستان میں خوش قسمتی کے آغاز کے اظہار کے لیے رائج تھا۔ ایک وقت میں (یہ فقرہ) ہندوستان میں بھی مستعمل رہا ہے۔ سکیٹ صاحب لکھتے ہیں "غالباً سکے والے درخت کا تصور کم از کم کچھ مشرقی اقوام کے مابین سکوں کو سانچے میں ڈھالنے کے عمل سے وجود میں آیا ہوگا۔ جس کا خاکہ ایک درخت کے منصوبے پر مبنی ہوگا۔ مالے جزیرے کے مشرقی ساحل پر کیش ٹری کے نام کا اطلاق اس صورت میں ڈھالے گئے سکوں پر ہوتا تھا۔ سونے اور چاندی کے سکے (بطور خراج) باجگزار ریاستوں کی طرف سے سیام کو بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے پتے عام درختوں کے پتوں کی طرح ہیں۔

PAHLAVI, PEHLVI

پہلوی

اس نام کا اطلاق قدیم فارسی زبان کے اس مرحلے پر

ہوتا ہے جو کہ ساسانی بادشاہت کے آغاز سے لے کر اس وقت تک کے عرصہ پر محیط ہے جب عربی کے اثرات سے اس میں تبدیلیاں واقع ہوئی۔ بہت سے عربی کے الفاظ اور محاورات فارسی نے اختیار کیے۔ یورپیوں نے پارسیوں کے استعمال سے پہلوی کا نام اختیار کیا۔ اچامینیاں (Acheamenian) بادشاہوں کے عہد حکومت میں (قدیم ایرانی حکمران خاندان) یہ مغربی ایران کی زبان تھی، یہ پرسپلس (Persepolis)، بہستن (Behistun) اور ان کے علاوہ بھی کئی جگھوں پر خط میخی کے کتبوں (نقوش) کی شکل میں محفوظ ہے، تقریباً یہ زنداوستا [20]☆ کی بولیوں سے ملتی جلتی ہے اور ایسی بہت سی تصریفات کی حامل ہے جو اوستا اور سنسکرت سے مطابقت رکھتی ہیں۔ تصریفی خاتمے کی تحلیل کو پہلے ہی اچامینیاں کے نقوش اور زنداوستا کے بہت سے حصوں میں بطور آغاز ظاہر کیا جا چکا ہے۔ مگر اس کے راستے کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ ارسکڈے (Arsacidae) کے عہد میں فارسی زبان کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ اردشیر پاپکان (۲۲۶ سے ۲۴۰ عیسوی) کے عہد میں سکوں اور چٹانوں پر اس کے نقوش ملتے ہیں۔ ایران کے اردشیر بگان کے عہد میں زبان اس صورت میں وجود میں آئی جسے پہلوی کہتے ہیں۔ مگر حتمی طور پر بات کی جائے تو قرونِ وسطی کی فارسی زبان پہلوی کہلاتی ہے جو جدید فارسی حروفِ تہجی کے اختراع سے قبل مستعمل رسم الخط میں سے کسی ایک میں لکھی جاتی تھی۔ پہلوی تحریروں میں ایک انوکھا رمزیہ طریق اختیار کیا گیا۔۔۔ قدیم اشوریہ کی طرح، پارتھیائی عہد کے ایرانیوں نے اندازِ تحریر ایک غیر ملکی نسل سے مستعار لیا۔ جب کہ سامی اشوریہ نے تورانی صوتی اجزا وعلامات کے جدول کو اپنایا۔ بعد میں آنے والے آریا ایرانیوں نے سامی حروفِ تہجی کو قبول کیا۔ تاہم حروفِ تہجی کے علاوہ، جسے وہ اپنے الفاظ کے ہجے کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے کچھ خاص مکمل سامی الفاظ کو اپنی زبان میں منتقل کیا، جو ان کی اپنی زبان کے مشابہ الفاظ کی نمائندگی کرتے تھے۔ فارسی جملوں میں پھیلے ہوئے سامی الفاظ پہلوی کو مرکب زبانوں کی مخلوط صورت ظاہر کرتے ہیں۔۔۔ مگر یہ گمان کرنے کی معقول وجوہات ہیں کہ زبان جیسے لکھی گئی ہے ویسے بولی نہیں گئی۔ بول چال والی زبان خالصتاً فارسی لگتی ہے۔ تاہم سامی الفاظ بولے جانے والے فارسی الفاظ کی تحریری ترجمانی کے لیے استعمال ہوئے۔ جیسے ایرانی بادشاہوں کے بادشاہ کو "ملکن ملکا" لکھتے ہیں مگر اسے شہنشاہ پڑھتے ہیں۔ سامی الفاظ ایرانی مطابقت کے لیے محض پہلوی طرز تحریر کا حصہ تھے۔ (جسے انگریزی میں "یعنی کہ" لکھنے کا طریقہ viz ہے) یہ (سامی الفاظ) پہلوی تحریر کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ ایرانیوں نے فوراً اپنے الفاظ

نئے حروفِ تہجی کے ساتھ لکھنا شروع کیے، بالکل ویسے ہی جیسے وہ انھیں بولتے تھے۔
دستیاب شدہ پہلوی تحریریں پارسیوں تک ہی محدود ہیں۔ اوستا اور دیگر کے کئے گئے سبھی تراجم تقریباً مذہبی نوعیت کے ہیں جہاں زبان کی نقل یا تو اوستا کی علامات یا پھر جدید فارسی حروفِ تہجی میں کی گئی ہے۔ یوں یہ اس (غیر معمولی) نظام سے مبرا ہیں جس کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے۔ اسے پازند کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اسے اوستا زبان کے لفظ پیٹی زنٹی (Paitizanti) سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کے معنی دوبارہ وضاحت کے ہیں۔
اصطلاح پہلوی کی بہت سی وضاحتیں پیش کی گئی ہیں۔ اب یہ عموماً رومن مصنفین اور یونانیوں کے پارتھیائی خط میخی کے تبدیل شدہ نقوش کے طور پر قبول کی جاتی ہے۔ گو کہ پارتھیائی ایرانی النسل نہیں ہیں مگر انہوں نے پانچ صدیوں تک ایران میں حکومت کی۔ اس بات کا امکان غالب ہوتا ہے جو بھی قدیم چیز اپنے عہد کے حکمران سے متصل ہو انھیں کے نام سے پکاری جانے لگتی ہے۔ یہ بظاہر وہی لفظ ہے جو "پہلو" یا پہلوان کی صورت میں ایرانی اور آرمینی دونوں قوموں میں جنگجو یا غالب رہنے والے کا لقب بن چکا ہے۔ اصل میں اسے شدید جنگجو پارتھیائی لوگوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ بات ابھی تک حل طلب ہے کہ "پہلوا" اور استعمال کردہ ناموں کے مابین کوئی مماثلت تھی۔ جس کا اطلاق سنسکرت کی کتابوں میں مذکور لوگوں پر ہوتا ہے۔
لفظ پہلوی کے ساتھ متصل معنی اپنے آپ میں مشرقی ہے چاہے عربی میں لکھا جائے یا فارسی میں (خصوصاً پارسی میں) عموماً بظاہر یہ وقت اور لہجے کی قید سے مبرا "قدیم فارسی" محسوس ہوتی ہے۔ تاہم اس کا اطلاق خط میخی کے نقوش پر ہوتا ہے۔

PAILO,s

پئلو/پائلو، اسم ذات

برائے نام فتح منانے کی محرابیں یا دروازے، یہ وسیع چینی زمینی منظر میں نمایاں خدوخال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دراصل یہ گزرے ہوئے نیک لوگوں کے اعزاز میں بنائی گئی یادگار عمارتیں ہیں۔ چینی زبان میں پئی سے مراد "تختہ" اور لو سے مراد ایک "چبوترہ" ہے۔ فرگسن صاحب (Fergusson) نے نشاندہی کی ہے کہ یہ طرز تعمیر ہندوستان کے مذہب بدھ مت سے اخذ کیا گیا ہے۔ [چنانچہ جاپان میں مستعمل لفظ گوری سنسکرت لفظ ٹورانہ "ایک ڈیوڑھی" کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے]

PALAGILASS,s

پالگلاس، اسم ذات

یہ لفظ گھریلو ہندی زبان میں "مارچوب" کے لیے

مستعمل ہے۔

PALANKEEN, PALANQUIN,s

پالنکین، اسم ذات

ڈبے کی شکل کی سفر کے لیے استعمال ہونے والی ایک شے، جس کے آگے اور پیچھے ایک سوراخ میں ایک لمبا ڈنڈا لگا ہوتا ہے جس کی مدد سے چار یا چھ آدمی اسے اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں۔۔۔ بنگال میں ہمیشہ چار لوگ، تلگو کے علاقے میں بعض اوقات چھ لوگ اسے اٹھاتے ہیں۔

اس لفظ کی اصل میں کوئی شبہ نہیں ہے تاہم کسی بھی طرح یہ واضح نہیں ہوتا کہ پرتگالیوں نے اس لفظ کی ٹھیک صورت کیسے حاصل کی، جو انھوں نے ہمیں فراہم کی۔ غالباً اس لفظ میں سے نون غنہ کا خاتمہ پرتگالیوں نے ہی کیا کیونکہ ان کے استعمال میں بہت سے دوسرے الفاظ اور ناموں کے ساتھ ایسا ہی ہوا مثلاً مندرن (Mandarin)، بکیم (Bacaim)وغیرہ۔ ان سب صورتوں کی بنیاد سنسکرت لفظ پرینکہ یا پلنکہ یعنی "بستر" ہے۔ جس سے ہمارے پاس ہندی اور مراٹھی زبان میں لفظ پلنگ آیا ہے۔ ہندی زبان کے لفظ پالکی سے مراد ایک پالکن ہے۔ (غالباً پرتگالی لفظ کی اصل تلگو زبان کا لفظ پالکی ہے)۔ پالکی پنکو سے مراد "صوفہ، گدے دار نشت، بستر یا پالنکن ہے۔ جاوی اور ملاوی میں پلنگی سے مراد ایک گدے یا ڈولی کے ہیں۔ (کرافرڈ)

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ایک ہسپانوی لفظ پلنکہ ایک ایسے ڈنڈے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی مدد سے دو لوگ مل کر اپنے کندھوں پر وزن اٹھاتے ہیں۔ یہ آمد و رفت کا ایک ایسا طریقہ ہے جو انگلستان کی بجائے جنوب میں زیادہ عام ہے۔ انگریزی کے قدیم محاوروں میں ہمیں ایک دستہ دار دیگ کو اٹھانے والے ڈنڈے کا ذکر نظر آتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس لفظ نے (اس لفظ کی) صورت کو متاثر کیا ہو جسے پہلے پہل ہندوستان میں جانے والے پرتگالی سیاح قبول کر چکے ہوں۔ (گو کہ یہ (لفظ) ہمیں پرتگالی لغات میں نہیں ملتا)

یہ بات پہلے ہی رامائن میں ظاہر ہو چکی ہے۔ اس کا ذکر ابن بطوطہ اور جان میری گنولی نے بھی کیا ہے مگر دونوں میں سے کسی نے بھی یہ ہندی نام استعمال نہیں کیا۔ اکبر بادشاہ[21]☆ سے پہلے پالکی لفظ کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

آئین اکبری میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ لنسچوٹن(Linschoten) کی طرف سے توجہ دلائی گئی ہے اور بمبئی میں گروس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ پالنکن بانس کے ڈنڈوں کے ساتھ لٹکی ہوتی تھی جو سواری پر قوس کی شکل میں جوڑی جاتی تھی۔ غالباً یہی وہ صورت ہے جس کا استعمال ابھی تک ختم نہیں

ہوا۔ ولیمسن(Williamson)نے پالنکن کے طرز میں مختلف تبدیلیوں کی ایک روداد بیان کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس کی موجودہ صورت اٹھارہویں صدی کے تقریباً آخر تک آئی ہو گی۔ ۱۸۴۰ء سے ۱۸۵۰ء تک کلکتہ میں بہت سے لوگوں کے پاس پالنکن اور کچھ اٹھانے والوں کا گروہ (عموماً اڑیسہ کے مقامی باشندے) موجود تھا، مگر یہ طریقہ اور سواری، اگر مکمل طور پر نہ سہی تو کافی حد تک یورپین کے اعلیٰ طبقے میں اب متروک ہو چکی ہے۔ اسی دور تک پالنکن اٹھانے والوں کی باریوں کی تبدیلی کے ذریعے اٹھائی جاتی تھی۔ (یہ سواری) سرکاری محکمہ پوسٹ آفس کی طرف سے سامنے لائی گئی۔ علاوہ ازیں نجی چوہدریوں نے اسے ہندوستان میں وسیع سفر کو مکمل کرنے کا ذریعہ بنایا اور موجودہ مصنفین میں بزرگ ترین نے اس سواری پالنکن کے متروک ہونے کے بعد (چھوٹے سفر کو نکال کے) بمشکل ۸۰۰۰ یا ۹۰۰۰ میل کا طویل سفر جھیلا ہو گا۔ مگر مذکورہ دہائی میں کچھ بڑی سڑکوں پر پالنکن کا آغاز ہوا، بعد میں جس کی جگہ ڈاک گاڑی نے لے لی (ایک پالکی یا پالنکن سواری، سڑک پر سرکاری محکمے پوسٹ آفس کی زیرِ نگرانی چلائی جاتی ہے، جسے گھوڑے کھینچتے ہیں)۔ اگلی دہائی میں ریلوے کے وسیع پھیلاؤ، پہیوں سے چلنے والی دیگر سواریوں کے متعارف ہونے سے پالنکن کے استعمال میں واضح کمی واقع ہوئی۔ اب یہ صرف گنجان آباد علاقوں سے دور ہی استعمال کی جاتی ہے۔

PALVERAM,n.p

پلاوِرم،اسم معرفہ

یہ مدراس کے جنوب مغرب میں ۱۱ میل کے فاصلے پر واقع ایک فوجی چھاؤنی اور قصبہ ہے،یہ نام پلاورم ہے۔ غالباً پلاوِرم یا پلاویورہ ہے جس کے معنی پلاس کا قصبہ ہے۔ موخر الذکر ایک ذات ہے جو کنجورم کے حکمران پلاوس(Pallavas)کی نسل ہونے کی دعویدار ہے۔(سیشاشاستری)(مدراس گلوسری میں ان کا نام تامل زبان کے لفظ پالم "نشیبی زمین" سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ عموماً ان لوگوں کو گیلی زمین کی کاشت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے)۔

PALE ALE

پیل ایل

ہندوستانیوں کے استعمال کے لیے جو الکحل بنائی جاتی تھی اسے یہ نام دیا جاتا تھا۔

PALEMPORE,s

پلم پور،اسم ذات

ایک قسم کے رنگین چمکدار کپڑے کی پوشش، جو بستر پر بچھائی جاتی ہے۔ بعض اوقات خوبصورت

نقوش سے تیار کی جاتی ہے۔ ماضی میں یہ ہندوستان میں مختلف جگہوں خصوصاً سدرس اور میسولپٹم(Masulipatam)میں بنایا جاتا تھا جس کی یورپ میں درآمد کافی حد تک متروک ہو چکی ہے، مگر ہندوستانی صنعت کاروں کی پذیرائی نے اس کے دوبارہ رواج کے امکانات کو اجاگر کر دیا ہے۔ اشتقاق بالکل واضح نہیں ہے۔ ہم اس(لفظ) سے منسوب کسی بھی جگہ کے متعلق نہیں جانتے۔ غالباً یہ (فارسی اور ہندی) کی بگڑی ہوئی مخلوط شکل ہے۔ پلنگ پوش"پلنگ پر بچھایا جانے والا کپڑا"جو نیچے لٹکتا ہے۔ ممکن ہے کہ سلم پور (Salempore)یا اس جیسے کسی لفظ کی موجودگی سے اس کی شکل میں تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔

میسولپٹم میں صنعت کے طریقہ کار کے لیے پرنگل صاحب نے اس کے اشتقاق پر سوال اٹھایا ہے۔ نیز یہ خیال پیش کیا ہے کہ یہ لفظ گجرات میں پلنپور(Palanpur)کی ریاست اور قصبہ سے لیا گیا ہو گا جو شمالی ہند کی صنعتوں کا مرکز نظر آتا ہے بلکہ اسی نوعیت کے چمکدار رنگین کپڑے کی بنت کے لیے بھی خاصا مقبول تھا۔

PALI,s

پالی،اسم ذات

یہ جنوبی بدھ مت کے پیروکاروں کی مقدس زبان ہے۔ درحقیقت ان کی جانی پہچانی مگدھی روایات کے مطابق، یہ وہی بولی ہے جسے اب ہم جنوبی بہار کے ساتھ جوڑتے ہیں جس پر سکیامنی (Sakya Muni)نے مقالہ تحریر کیا ہے۔ یہ ہندوستان کی پراکرتوں یا آریاؤں کی مقامی زبانوں میں سے ایک ہے۔ غالباً کم و بیش دو ہزار سال سے یہ مردہ زبانوں کی فہرست میں شامل ہے۔ سنسکرت میں پالی کے معنی لکیر، قطار یا سلسلے کے ہیں۔ بدھ مت کے پیروکار اسے اپنے مقدس متون کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یوں پالی بھاشا مقدس متون کی زبان ہے۔

جن ممالک نے سیلون کے راستے ہندوستان سے اپنا مذہب اخذ کیا۔ ان تمام ہند چینی ممالک میں اسے مقدس زبان کے طور پر اختیار کیا گیا۔ پالی پراکرتوں میں اپنی ودیعت کردہ شوکت اور طاقت کی وجہ ہے، ایک طرح کا ٹسکن(Tuscan)زبان کا لفظ ہے۔ پالی میں مستعمل سنسکرت کے الفاظ کی تبدیلی کے مقابلے میں ٹسکن زبان تمثیل کے قریب تر ہے جیسے اطالوی میں لاطینی الفاظ مستعمل ہیں۔

رابرٹ ناکس(Robert Knox)سیلون میں پالی زبان کے نام سے آگاہ نہیں ہے۔ وہ اسے مذہبی کتابوں کی ایک خاص طرز بتاتے ہیں جسے بد تہذیب لوگ نہیں سمجھتے۔ ایک اور اقتباس میں لکھتے ہیں کہ "ان کے پاس ناشائستہ زبان سے مختلف ایک زبان

ہے جس میں ان کی کتابیں لکھی گئی ہیں (جیسے ہمارے پاس لاطینی زبان ہے)۔

PALKEE-GARRY,s
پالکی گاڑی، اسم ذات

ایک پالکن سواری، ہندوستان میں یہ مخصوص نام ایسی سواری کو دیا جاتا ہے جس کی شکل پہیوں پر رکھی پالکن جیسی ہو۔ ہندی زبان میں یہ لفظ پالکی گاڑی ہے بہر حال یہ لفظ یورپیوں کے زیر اثر تشکیل پایا۔ (سب سے پہلے پالکی گاڑی اور ٹرک کے ذریعے مسافروں کو بھیجنے کا نظام کانپور اور الہٰ آباد کے درمیان مئی ۱۸۴۳ء میں قائم کیا گیا۔ اسی سال نومبر میں اس کی آمدورفت کو علی گڑھ تک بڑھا دیا۔ دہلی، آگرہ اور میرٹھ ۱۸۴۵ء میں اس کے دائرہ کار میں شامل ہوئے۔ تاہم موجودہ لائن جنوری ۱۸۴۶ء تک تیار نہ ہوئی تھی۔

PALMYRA,s
پلمیرا، اسم ذات

پنکھ تاڑ (براسس فلبلی فارس (Barassus Flabelliformis)۔ یہ عموماً جنوبی ہند اور سیلون میں کاشت کیے جاتے ہیں۔ (یہ وادی گنگا میں فرخ آباد سے لے کر نیچے ڈیلٹا کے سرے تک کاشت کیے جاتے ہیں)۔ پس پرتگالیوں کی طرف سے اسے پراکسیلنس پلمیرا (Par Excellence Palmeira) یا تاڑ کے درخت کا نام دیا گیا۔ سرجے ہوکر (J.Hooker) لکھتے ہیں۔ "مجھے یقین ہے کہ تاڑ کا درخت ہندوستان میں کہیں بھی ناپید نہیں ہے" مگر اس کے متعلق ہمیشہ یہ شبہ قائم رہا ہے کہ یہ بھی املی کی طرح افریقہ سے آیا ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان، سیلون اور بحر الجزائر کے حصوں میں معاشی اعتبار سے ایک اہم درخت ہے۔ اس کی لکڑی چھت کی شہیروں اور تختے کی پٹیوں کے لیے جبکہ پتے، چھپر چٹائیاں، چھتریاں، پنکھے اور کاغذ بنانے کے لیے مواد فراہم کرتے ہیں۔ اس درخت کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے استعمال ہیں۔ بلاشبہ یہ انسان کی تقریباً تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ ایک تامل ضرب المثل کے مطابق اس سے آٹھ سو ایک استعمالات منسوب ہے۔

PALMYRA POINT, n.p
پلمیرا پوائنٹ، اسم معرفہ

ویسے اسے پرتگالی میں پیڈرو بھی کہا جاتا ہے۔ (یہ پرتگالی لفظ پنتہ دس پدرس کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کے معنی ہے پتھریلا علاقہ۔ یہ ایک ایسا نام ہے جو ساحل کے قدرتی وصف کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ مقام سیلون کے شمال مشرق میں واقع ہے جہاں اس کے اونچے پام کے درخت نمایاں نظر آتے ہیں۔

PALMYRAS POINT, n.p

پلمیرس پوائنٹ، اسم معرفہ

یہ اڑیسہ کے ساحل پر قدرے نشیبی جگہ پر موجود راس ہے۔ مہاندی اور برہمنی دریاؤں کے مشترکہ ڈیلٹا کے زمینی ابھار میں یہ سب سے نمایاں مقام ہے۔ ماضی میں اسے خصوصاً جنوب سے ہگلی کے دہانے تک جانے والے بحری جہازوں کے لیے اہم نشان سرحد کی حیثیت حاصل تھی۔ مزید یہ کہ یہاں خطرناک مچھلیوں کے جھنڈ پائے جاتے ہیں۔ دریائے مہاندی کے ڈیلٹا سے ۲۴ میل جنوب مغرب پر واقع مقام فالز پوائنٹ کہلاتا ہے۔

PAMBRE,s

پمبری، اسم ذات

یہ مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہونے والا کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے جیسے سکارف اور پگڑی وغیرہ۔ یوسف علی صاحب نے مونو گراف آن سلک فیبرک (Monograph on Silk Fabrics) میں اسے ان کپڑوں میں شمار کرتے ہیں جو عام طور پر مرد اور خواتین سر اور کندھے پر لپیٹتے ہیں۔ مزید کہتے ہیں "ہندوؤں میں پمبری عام طور پر خواتین اور بچے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے نمونے کچھ تین گز لمبے اور ایک گز چوڑے ہوتے ہیں۔ عموماً یہ خالص سلک یا کاٹن سلک کے بنے ہوتے ہیں ان پر آرائشی گوٹ بھی لگائے جاتے ہیں۔ یہ لفظ ہندی لغات میں نظر نہیں آتا، مگر مولزورتھ نے مراٹھی زبان کے لفظ پامری کی نشاندہی کی ہے جس کے معنی ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہے۔

PANCHANGAM,s

پنچانگم، اسم ذات

سنسکرت میں اس سے مراد پانچ حصوں پر مشتمل (شے) کے ہے۔ جنوبی ہندوستان میں یہ نام مقامی جنتری کو دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں پانچ موضوعات پر معلومات ہوتی ہیں۔ شمسی دن، قمری دن، ستاروں کا جھرمٹ، یوگا، کرناس (Karnas) (مہینے کے دنوں کی علم نجوم کے حوالے سے تقسیم)۔ بوچنان (Buchanan) نے لفظ پنچنگہ کا استعمال جنتریاں رکھنے والے برہمنوں کے لیے کیا، جو گاؤں کے لوگوں کے لیے اس (جنتری) کی تشریح کرتے تھے۔ (غالباً اسے سنسکرت لفظ پنچانگی ہونا چاہیے)۔

PANDAL, PENDAUL,s

پنڈل، پنڈال، اسم ذات

ایک گودام۔ تامل زبان میں یہ لفظ پنڈال ہے (سنسکرت میں لفظ "بندھ" ہے جس کے معنی "اکھٹے باندھنے" کے ہیں۔

PANDARAM,s

پندارم،اسم ذات

(نام نہاد) شودر یا اس سے بھی نچلے طبقے کا ہندو درویش، اس سے مراد سیلون اور جنوبی ہندوستان کے نچلے طبقے کا ہندو پجاری ہے۔ تامل میں یہ لفظ پنڈارم ہے۔ سی۔پی۔براؤن کہتے ہیں کہ دراصل پندرم باقاعدہ طور پر ویشنوا(ویشنو دیوتا کا پجاری) ہے، مگر مصنفین اس نام کا اطلاق شیوا کے پجاریوں پر کرتے ہیں۔

(مدراس گلوسری اس لفظ کو سنسکرت لفظ پنڈورنگہ سے اخذ کرتی ہے جس کے معنی "سفید رنگ والے" کے ہیں۔ میسرس کاکھ (Messrs cox)اور سٹارٹ(Stuart)اسے بھنڈ گارہ سے اخذ کرتے ہیں جس کا مطلب "خزانے کا مندر" ہے۔ اس لحاظ سے اس لفظ کو تارک الدنیا افراد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ شودر طبقے کی طرف سے کافی لوگ بطور پندرام بھرتی ہوتے تھے جو زہد کے پیشے کا انتخاب کرتے اور بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ وہ اپنے طرزِ زندگی میں بہت لاپرواہ تھے اکثر شراب پیتے اور کسی بھی عزت دار شودر کا تیار کردہ جانوروں کا کھانا کھاتے۔وہ اکثر شیوا مندروں میں خدمات سرانجام دیتے جہاں وہ لنگم کو سجانے کے لیے پھولوں کے ہار بناتے، جب مجمع اکٹھا ہوتا یا نذرانے دیئے جاتے وہ پیتل کے نفیر بجاتے۔

PANDARANI, n.p

پندرانی،اسم معرفہ

یہ قرونِ وسطیٰ میں مالا بار کی عظیم شہرت کی حامل ایک بندرگاہ کا نام تھا۔ ایک ایسا نام جو حیرت انگیز تبدیلیوں سے گزر کر وجود میں آیا۔ ورتھیما(Varthema)کے بیان سے اس کی اہمیت کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مخالف سمت میں موجود تین میل کے فاصلے پر واقع ایک غیر آباد جزیرہ ہے جو یقیناً ہمارے نقشوں پر سکریفائز راک (Sacrifice Rock)کے نام سے موجود ہو گا۔ (مدراس گلوسری میں اسے کولم (Collam)سے ظاہر کیا گیا ہے)۔ جدید نقشوں میں یہ نام کہیں بھی نظر نہیں آتا، مگر ابھی بھی پنتلانی (Pantalani)کی صورت میں یہ خستہ حال مچھیروں کے گاؤں سے وابستہ ہے۔(تقریباً یہ ۱۱ سے ۲۶ ڈگری عرض بلد پر واقع ہے)۔ یہ علاقہ کولنڈی(Koilandi)کے شمال سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ ابنِ بطوطہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنوب مغرب کی مون سون کے دوران اس نے جہازوں کو ایک غیر معمولی پناہ مہیا کی۔ اس واقعہ کو موجودہ مصنف کے دوست کرنل (جواب لیفٹیننٹ جنرل

ہے) کی طرف سے لکھے جانے والے ایک دلچسپ خط سے منسوب کیا جاتا ہے۔

R.H. Sankey, C.B.R.E مدراس مورخہ ۱۴ فروری ۱۸۸۱ء اس ساحل کا ایک نمایاں وصف پانی سے ۱ سے ۶ فاتھم گیلی مٹی کے کناروں کا بنا ہے جس میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ جھاگ اور سمندر کے تموج کو اس حد تک کم کر دیتا ہے کہ جہاز پانی میں چل سکتا ہے۔ یوں مون سون کے عروج پر انھیں یہاں پناہ ملتی ہے۔ جب (مون سون) کے عناصر شدت اختیار کر جاتے ہیں تو یہاں نا صرف انھیں ایک مکمل پر سکون سمندر ملتا ہے بلکہ وہ اپنے سامان کو لنگر انداز کرنے کے قابل بھی ہو جاتے ہیں۔

PANDY,s

پانڈی، اسم ذات

یہ نام ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۸ء کے دوران عام بول چال میں ہندوستانی غدار سپاہیوں کے لیے مستعمل تھا۔ خاندانی نام پانڈی (سنسکرت میں پنڈت) اونچے طبقے کے بنگالی سپاہیوں میں جاٹ کے خطاب کے طور پر بہت عام تھا یا پھر یہ بالائی صوبوں کے برہمنوں کی ذیلی شاخیں ہیں جنہوں نے بہت سے لوگوں کو طبقات میں منقسم کیا۔ براک پور میں سب سے پہلے دو آدمی (غداری کے سبب) پھانسی چڑھے۔ وہ نسل کے اعتبار سے پانڈی تھے پس سب سپاہی پانڈی ٹھہرے اور ہمیشہ یہی کہلائیں گے۔ بنگال میں غدر سے پہلے کی آرمی میں ایک آدمی گھنٹہ بجانے کے لیے کوارٹر گارڈ بھرتی کیا گیا۔ وہ گھنٹہ پانڈی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ گھنٹہ سے مراد گھنٹی یا گول چپٹا دھات کا بنا ہوا گھنٹہ ہے جو گونج دار آواز پیدا کرتا ہے۔

PANGARA, PANGAIA,s

پنگارا، اسم ذات

کتابوں کے مطابق یہ ایک قسم کی کشتی جو افریقہ کے مشرقی ساحل پر استعمال ہوتی تھی۔ پیرارڈ ڈی لاول (Pyrard de lavel) نے اسے ایک قسم کا بیڑا کہا ہے، جس پر مسٹر گرے یہ رائے دیتے کہ جیسا کہ ریوارہ (Rivara) نے نشاندہی کی ہے۔ پیرارڈ لفظ پنگوئی (Panguaye) کے استعمال کو غلط سمجھتے ہیں یا جسے پرتگالی (Pangaio) لکھتے ہیں جو کہ چپوؤں سے چلائی جانے والی ایک چھوٹی کشتی ہے۔ ریوارہ کے خیال میں یہ لفظ ابھی تک پرتگالی ہندوستان اور افریقہ میں لمبے پیندے والی کشتی کے لیے مستعمل ہے جس کے مستولوں پر تکونی بادبان لگے ہوتے ہیں۔ لنکسٹر ویجر (Lancaster Vayager) میں اس کا ذکر ہے جس میں اسے ایک ایسی لمبے پیندے والی کشتی بتایا گیا ہے جس میں ناریل کے پتوں سے بنا ہوا بادبان ہو۔ اس لمبے پیندے والی کشتی کو درختوں کی

چھال کے ساتھ جوڑا جاتا ہے اور لکڑی کی کھونٹیوں کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ لنسچوٹن کی طرف ڈاکٹر برنل کی لکھی گئی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ ڈوم منول کے خط سے پہلے ۱۵۰۵ء میں بھی مستعمل تھا۔

PANGOLIN,s

پنگولن، اسم ذات

"مالے پنگولنگ" منس کا کتابی نام ہے۔ ایک ایسا جاندار جو اپنے آپ کو گول گول لپیٹتا ہے۔[سکاٹ کہتا ہے کہ یہ ملاوی کا لفظ پینگ گولنگ ہے۔ اس لفظ کی مزید شکلیں پینگولنگ اور کینٹنگن پینگلنگ ہے۔ اس کا مطلب بیلن یا مزید وضاحت کے ساتھ اس کے لغوی معنی لپیٹنا ہے۔ یہ لفظ گولنگ سے تشکیل پاتا ہے۔ سکیٹ صاحب کے خیال میں اس لفظ کی جدید ملاوی شکل تنگلنگ یا سنگلنگ ہے، مگر موخر الذکر لفظ منس کی بجائے کن کھجورے کے لیے مستعمل نظر آتا ہے، جو اپنے آپ کو لپیٹ لیتا ہے۔ لفظ پنگولن کو اس کی صورت سے اندازہ لگانے کے لیے "گولنگ" (Gulling) سے اخذ کرنا چاہیے جس کے معنی "لڑھکتے رہنا" ہے۔ لفظ "گولنگ" یا "منس پنگولنگ" کے صحیح معنی معیاری ملاوی میں موجود نہیں ہیں۔ یہ لفظ یا تو کسی غیر معمولی بولی سے اخذ کیا گیا ہے یا پھر اس کی وجہ یورپین کی طرف سے پیدا کردہ کوئی غلط فہمی ہے جنھوں نے اسے پہلے اختیار کیا۔ انگریزی میں اس کا استعمال پینٹ (Pennant) کے توسط سے شروع ہوتا ہے۔ آدم برٹ (Adam Burt) نے اپنی کتاب ایشیاٹک ریسرچ میں اس جانور کے چیر پھاڑ کر تجزیہ پیش کیا] ۔لن (Linn) نے اسے منس پینٹڈیکٹلہ (Manis Pentedactyla) لکھا ہے۔ اسے ہندی میں بجر کیٹ کہتے ہیں (جسے سنسکرت میں وجرکٹہ "رینگنے والا سخت جانور") ہے۔ ہمیں بعض اوقات یہ خیال بھی آتا ہے کہ منس وہ جاندار ہو سکتا ہے جسے سونا کھودنے والی چیونٹی کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ یہ وہ جاندار بھی نہیں ہے جسے برٹنڈن Bertandon de (La Brocquiere) نے غزہ کے صحرا میں دیکھا؟ جب اس کا پیچھا کیا گیا تو اس نے ایسا چیخنا شروع کر دیا جیسے کتے کا پیچھا کرنے پر بلی چیختی ہے۔ پیری ڈی لا وادری (Pierre de la Vandrei) نے اپنی تلوار کی نوک اس کی کمر پر ماری مگر شارک کی طرح کھپروں سے ڈھکی ہوئی کمر کو کوئی نقصان نہ ہوا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ چیونٹیاں ایران کے بادشاہ کے پاس پائی گئی۔ Busbeck اور هیرودوتس میں ان کا ذکر ۲۰۰۰ سال بعد آیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بلیکسلے (Blaskesley) صاحب نے هیرودوتس میں یہ خیال پیش کیا کہ منس ہی سونا کھودنے والی چیونٹیاں ہے۔

البتہ اب یہ جان لیا گیا ہے کہ سونا کھودنے والی چیونٹیوں کے تصور کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے پرانے وقتوں میں لوگ سوچا کرتے تھے کہ یہ اصل چیونٹیوں کی کوئی غیر معمولی قسم ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بڑے جاندار تھے جنہیں غلطی سے چیونٹیاں سمجھ لیا گیا ہے۔ دراصل تبتی منس اور ان کی موجودہ نسل موسم سرما میں کام کرنے کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ جمی ہوئی مٹی صحیح طور پر کھڑی رہتی ہے۔ نیز گر کر ان کے لیے مسائل کا باعث نہیں بنتی۔ سنسکرت لفظ پپیلکا [5] میں چیونٹی اور سونے کی ایک خاص قسم دونوں کے معنی پوشیدہ ہیں۔

PANICALE,s

پینیکیل، اسم ذات

بلیٹو (Bluteau) نے اس کا ذکر ایک ایسی ہندوستانی بیماری کے طور پر کیا ہے جس میں پاؤں سوج جاتے ہیں۔ Cale غالباً یہاں تامل زبان کا لفظ کال ہے جس کے معنی ٹانگ ہیں۔ انائک کال (Anaikkal) ایک تامل نام ہے جسے عام طور پر کوچن لگ (Cochin Leg) کہتے ہیں۔

PANIKAR, PANYCA,s

پنیکار، پنیکا، اسم ذات

یہ ملیالم زبان کا لفظ Panikan ہے یعنی رکاوٹوں کو پھلانگنے کا ماہر یا ایک استاد۔ [ملاوی میں لفظ پنی کا مطلب "کام" اور لفظ "کرّن" کا مطلب "کرنے والا" ہے] مگر عموماً موجودہ دور میں اس سے ماہر فلکیات مراد لی جاتی ہے۔

PANTHY, PANTHE,s

پنتھی، اسم ذات

اس نام کو برما کے گزشتہ سالوں میں استعمال کیا گیا۔ برما سے ملنے والی معلومات کے مطابق اس کا اطلاق یونان کے مسلمانوں پر ہوتا ہے جنہوں نے ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۳ء تک تلی فو میں ایک مختصر آزادی حاصل کی تھی۔ اس لفظ کا اصل ماخذ مکمل طور پر غیر واضح ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے جیسا بابر صاحب (Baber) ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ لفظ ینن (Yunnan) میں جانا نہیں جاتا (یعنی چینیوں میں)۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کا عام برمی نام پتھی ہے اور کسی کا بھی پنتھی کو اسی کی ایک صورت فرض کرنا قدرتی امر ہے۔ حقیقتاً ہم دیکھ چکے ہیں کہ جرنل فچ (Fytche) نے اسے ایسے ہی بیان کیا ہے، مگر سر ارتھر فیر (Arthur Phyre) ایک انتہائی مستند شخصیت ہے، ان کی تحریر ہمارے موقف کی حمایت

کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ "مجھے یقین ہے پنتھی چینی لفظ سے آیا ہے جو "مقامی" یعنی کسی خاص مقام کے باشندے کا مفہوم دیتا ہے۔ یہ برما میں ایک نیا نام ہے۔ اس کا اطلاق خاص طور پر قافلوں کے ساتھ یونان سے آنے والے چینی مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ میں ایسی کسی بات سے آگاہ نہیں ہوں جس کی بنیاد پر انھیں قافلے کے دیگر چینی تاجروں سے الگ کیا جا سکے ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے ساتھ بیچنے کے لیے نمک لگا کر سکھائی ہوئی سور کے گوشت کی نصف ران نہیں لاتے تھے، جیسا کے باقی کرتے تھے۔ لباس ظاہری وضع قطع اور ساتھ ساتھ سمشو [6] پینے اور جوا کھیلنے میں وہ دوسروں ہی کی طرح تھے۔ پتھی مسلمانوں کا ایک پرانا بری نام ہے یہ چینی پنتھی کے علاوہ تمام دوسرے مسلمانوں کے لیے مستعمل تھا۔ چنانچہ یہ کسی بھی طرح موخر الذکر لفظ کے ساتھ منسلک نہیں ہو سکتا، مگر کچھ امکانات ہے بھی۔ جیسے کہ مجھے یقین ہے کہ لفظ پرشین (Persian) پارسی یا فارسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں جب دو کے درمیان فرق قائم کرنے کی خواہش ہو تو بری اپنے مقامی کو پتھی کلہ اور ہندو اپنے مقامی کو ہندو کلہ کہتے ہیں۔ آخری تجویز ممکنہ حد تک درست محسوس ہوتی ہے اور ایم جیکے کے اس خیال سے زیادہ قابلِ ترجیح ہے جنھوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ لفظ سمارٹا میں Pasci سے لیا گیا ہو گا۔ قرونِ وسطیٰ میں شمالی سمندر اسلام کا مرکز تھے۔

ہم دو ممکنہ ماخذ پنتھی کے لیے کی جانے والی بحث میں شامل کر سکتے ہیں، معلومات کے لیے بطور نشاندہی:

۱۔ لفظ پتھی (یا پیسی بری زبان میں تتلاہٹ والی طرزِ ادا ہے) بہت پرانا ہے۔ ۱۲۹۶ء میں کمبوجہ کی ایک غیر معمولی چینی روداد ہے۔ ایبل ریمسٹ (Abel Remusat) نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ کمبوجہ میں ایک گروہ کو نوٹ کیا گیا جسے پاسک (Pa-ssc) کہتے ہیں۔ مصنف تاؤسک (Tao-ssc) کے ساتھ سرسری انداز میں اس کی نشاندہی کرتا ہے مگر یہی وہ اصطلاح ہے جسے فاہیم (Fah-hiam) ہندوستان میں مبہم انداز میں استعمال کرتا ہے۔ بظاہر یہ اس چینی گروہ کے لیے صحیح طور پر غیر مستعمل ہے۔ چینی مصنف لکھتا ہے کہ یہ پیسی تاتاری خواتین کی طرح اپنے سروں پر ایک سفید یا سرخ کپڑا پہنتے ہیں، مگر یہ بہت اونچا نہیں ہوتا۔ ان کے پاس شاندار عمارات، مینارے اور عبادت گاہیں ہیں مگر ٹرائی میں ان کا بدھ مت کے پیروکاروں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان عبادت گاہوں میں کوئی تصاویر نہیں ہیں انھیں اپنے میناروں اور عمارات کو ٹائلوں سے سجانے کی اجازت ہے۔ پیسی اپنے گروہ کے اجنبی لوگوں کے ساتھ نہیں کھاتے اور خود کو ان کے ساتھ کھاتے ہوئے دیکھا جانا بھی پسند نہیں کرتے، وہ

شراب نہیں پیتے۔ ہم مکمل یقین نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اطلاق مسلمانوں پر ہوتا ہے، مگر ہر اعتبار سے یہ ممکن ہے کہ یہ بالکل وہی نام ہو جو برمیوں کا پنتھی ہے اور اس کا اطلاق بھی وہی ہو۔ وہ لوگ جن سے برمیوں نے ینن کے مسلمانوں کے لیے یہ نام حاصل کیا وہ شانس تھے جن کا تعلق ملک وسطی پر قابض عظیم نسل سامی سے تھا۔ (یہاں ایک سوال جنم لیتا ہے۔ کیا پنتھی مسلمانوں کے لیے ایک شان اصطلاح ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا برما کا پنتھی کمبوجہ کے لفظ پئیسی کے صرف منطقی مناظرے کا تبدل نہیں ہے۔ مگر یہ برما میں ایک نئی سمت سے داخل ہوتا ہے اور اپنی شناخت کے ساتھ اصلیت چھپاتا ہے)۔ کشنگ (Cushing) نے اپنی شان لغت میں مسلمانوں کے لیے پسی کا لفظ دیا ہے۔ ہمیں پنتھی کا لفظ نہیں ملتا)۔ اس طرح کی چیزوں کے لیے ہمیں بہت سی تماثیل چاہیے ہوں گی۔

ب۔ ہمیں لیفٹننٹ گارنیر کی ینن مہم کی روداد میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ یہ تلی فو کے میدانوں پر قابض مخلوط چینی نسل ہے جنہیں پنتی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نام کا تعلق ممکنہ طور پر پنتھی سے ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ پنتی (جڑ، مٹی) ایک عمومی لفظ ہے جو جنوبی چین کے مختلف حصوں میں قدیم باشندوں کے لیے مستعمل ہے۔ یہ مشکل سے ہی مسلمانوں کے لیے استعمال ہوتا ہو گا۔

PANWELL, n.p

پن ویل، اسم معرفہ

ریلوے کے متعارف ہونے سے قبل بمبئی کے مخالف سمت یہ قصبہ پونا کی طرف جانے والے راستے میں جہازوں کی آمد کی ایک عام جگہ تھی۔ نام کی انگریزی صورت نے بھی ہمارے علاوہ بہت سوں کو متاثر کیا ہو گا۔

[ہملٹن کہتا ہے کہ یہ قصبہ دریائے پن پر واقع ہے غالباً اس کے نام کی وجہ بھی یہی ہے] ہمیں اس کی صحیح صورت کا تو علم نہیں ہے مگر یہ ہم تک بنیادی طور پر پرتگالیوں سے آیا ہے۔

PAPAYA, PAPAW,s

پپایا، اسم ذات

بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ لفظ امریکہ سے آیا ہے۔ یہ ایک ایسے پھل کی طرف اشارہ کرتا ہے جو پھیکا ہے مگر برا نہیں ہے۔ کچھ کتب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نام ملاکا اور فلپائن سے آیا ہے۔ [سکیٹ صاحب کے مطابق ملاوی میں اس کا نام بٹرک (Betric) ہے جو کہ اسی عربی صورت سے ہے جس سے پٹیکا (Pateca) ہے۔ تاہم پپے اور کپایہ کے نام یورپیوں نے متعارف کروائے ہیں۔ اگرچہ یہ درخت خاص

اہمیت کا حامل نہیں ہے تاہم اس کی خاص خوبی تازہ اور نرم میوہ دینا ہے۔ ویسٹ انڈیز میں اس کی یہ خوبی جانی جاتی ہے مگر یاتو بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں یا اس سے فائدہ کم اٹھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ باغوں اور درختوں کے گروہوں میں پایا جاتا ہے۔

یہ پورے ہندوستان میں شمال تک اتناہی پھیلا ہوا ہے جتنا کہ دہلی تک۔ جنوب مغربی صوبوں میں مقامی باغبان اسے ارنڈی خربوزہ یعنی ارنڈی کا تیل یا خربوزہ درخت کہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ نام اسے پلمہ کرسٹی (Palma Christi) کے پتوں سے مصنوعی مماثلت کی بناپر دیا گیا ہے۔ مدین شریف کے مطابق اس کا عربی فارسی نام انباء ہندی ہے۔ کنارہ میں یہ پرنگی ہنوں (Parongi Hannu) یا مرہ (Mara) (پرتگالی پھل دار درخت) کہلاتا ہے۔

لٹر (Littre) نے اویڈو (Oviedo) کی رائے کو نقل کیا ہے کہ پپّایا کا نام کیوبا میں مستعمل تھا جب کہ کریب (carib) میں اس کا نام ابابئی تھا۔

پلیٹس کے خیال میں ملاوی لفظ پپّایا دراصل ایکرا کی اصطلاح کیا یہ کی طرح یورپی زبانوں سے مستعار لفظ ہے۔ اس کے کریب ماخذ سے ہونے کا ثبوت سب سے پہلے اویڈو کی ہسٹوریا (Historia) سے ملتے ہیں۔ بعض جگہ اس کے ہجے کرتے ہوئے انوکھی آزادی کو روا رکھا گیا ہے۔ رابنسن صاحب اسے پُپیا کہتے ہیں جب کہ سر ایل پیلی (L.Pelly) اسے پپّوء (Poppoi) لکھتے ہیں۔ فلپائن میں لفظ پپّایا کا اطلاق ان یورپیوں پر ہوتا تھا جو طویل سکونت کی وجہ سے مقامی طور، اطوار اور خیالات اختیار کر چکے تھے۔

PAPUA, n.p

پپو، اسم معرفہ

عموماً اس نام کا اطلاق نیوگنی کے جزائر کی اہم نسل اور اس سے مماثل قبائل اور بعض اوقات بذاتِ خود ایک بڑے جزیرے پر ہوتا ہے۔ ملاوی میں لفظ "پپوہ" ہے۔ بعض اوقات اسے پواہ پواہ (Puwah-puwah) بھی کہتے ہیں جس کا مطلب "گھنگریالے بال" ہے۔ مالے لوگ مذکورہ لوگوں پر اس کا اطلاق کرتے تھے۔

PARABYKE,s

پارابیک، اسم ذات

یہ برمی زبان کا لفظ پارا بیک ہے۔ یہ نام برما میں مستعمل ایک خاص قسم کی کتابوں کو دیا گیا تھا۔ یہ ڈیفنی[7] (Daphne) کی چھال سے بنے ہوئے کاغذ پر مشتمل تھی جسے تہہ بہ تہہ گتے کی صورت میں جوڑا جاتا تھا، اسے لکڑی کے کوئلے کے مادے سے سیاہ کیا جاتا تھا۔ پھر اس کو ایک یادداشت کی کاپی میں جوڑا جاتا ہے۔ اس پر ابرق کے قلم سے لکھا جاتا ہے۔ لکھنے

کا یہ طریقہ کنارا میں بھی طویل عرصے تک استعمال کیا گیا ہے۔

لالوبیری (La Loubere) سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سیام [8] میں بھی مستعمل ہے یا ایک دور میں مستعمل رہا ہے۔ کنارا کی کتابوں کو کدوتم (Kadotam) کہا جاتا ہے۔ کرنل ولکس (Col. Wilks) نے انھیں کدوتم [9] (Cudduthim)، کروتم (Carrutum)، یا کُرت لکھا ہے۔

یہ برمیوں کے پارابیک (Para beik) کے مماثل لگتے ہیں۔ ماسوائے کہ سیاہ مادہ کاغذ کی بجائے کاٹن کا کپڑا ہے۔ اس پر اسی انداز سے لکھا جاتا ہے جیسے سلیٹ پر لکھا جاتا ہے اور مٹا کر نئے سرے سے لکھنے کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ یہ کام بالاپم (Balapum) یا سنگ صابون [10] کی قلم سے لیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ تحریر قدیم دور میں نا صرف دستاویز اور عوامی تحریری دستاویزات کے لیے استعمال ہوتا تھا بلکہ ابھی بھی عام طور پر میسور کے تاجروں اور دوکانداروں کے استعمال میں ہے۔ یہاں تک کے میں نے کدوتم پر لکھی گئی تاجروں کی ایک ایسی دستاویز دیکھی جو لین دین کے ثبوت کے لیے تیار کی گئی تھی۔ اِس پر گواہوں کے دستخط بھی موجود تھے۔ یہ لفظ کرت ہے۔ کرسپ صاحب (Crisp) سٹر کرسہر کی قوانین ٹیپو کے تراجم میں (قیاساً) اس کا ترجمہ "تاڑ کا پتا" کیا گیا ہے۔ سلطان نے عوامی ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لیے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا۔ مگر التھو لیبل (Altho Liable) کی ذمہ داری اور مستقل اندراجات کی سہولت کے حامل ہونے کو نکال کر دیکھا جائے تو یہ بہترین کاغذ پر لکھی جانے والی بہترین تحریر سے زیادہ پائیدار مواد اور محفوظ دستاویز ہو گی۔ غالباً یہ لیلن یا کاٹن کا کپڑا ہے جسے آریان نے نیئر چوس (Near Chus) کے لفظ سے بیان کیا جس پر ہندوستانی لکھتے تھے۔

PARANGHEE,s

پرنگھی، اسم ذات

سیلون میں مدت سے یہ موذی مرض موجود ہے۔ بظاہر یہ سائی فلس (آتشک گرمی) سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا مریض کا جسم پھوڑوں سے بھر جاتا ہے اور مریض کی طاقت تیزی سے کم ہونے لگتی ہے۔ اس مرض کا بنیادی سبب ناکافی خوراک ہے۔ یہ پلگرا (Pellagra) سے کافی مماثلت رکھتا ہے جو جنوبی یورپ کے کاشتکاروں میں تباہی کا باعث بنی تھی۔ بظاہر یہ لفظ "یورپی" ہے یا جنوبی ہندوستان میں بولا جانے والا پرتگالی لفظ ہے اور غالباً یہی سائی فلس سے اس کے تعلق کی نشاندہی کرتا ہے۔

PARBUTTY,s

پربتی، اسم ذات

مدراسی صدارت کے کچھ حصوں میں یہ نام گاؤں کے ماتحت افسر یا پٹیل کے ماتحت لکھاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس سے گاؤں کا ڈھنڈورچی / نقیب بھی مراد لیا جاتا ہے۔ کچھ جگہوں پر منتظم یا نگران کار کے معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ تلگو اور کنارا کے لفظ پڑپتی یا پارپٹی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مراٹھی اور کان کنی کا لفظ پارپتیہ سنسکرت لفظ پروریت سے آیا ہے جس کے معنی "ملازمت" کے ہیں۔ یہ اصطلاح اکثر اوقات پرانی دستاویزات میں پرپٹم کی شکل میں ملتی ہے۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ عظیم ڈیوک (Duke)، (Alldax Omnia Perpeti) نے اسے انگریزی شکل میں اس تحریر کے سب سے اوپر برتا ہے تاہم ہم اس کو ان کی کتاب ڈسپیچز (Despatches) میں کہیں نہیں پاتے۔

گرڈ (Gurwood's Eplanation of Indian terms) گروڈ اکسپلینیشن آف انڈین میں اس لفظ کو پربتی بتایا ہے جس کے معنی پٹیل کا لکھاری ہے۔

PARDAO,s

پرداؤ، اسم ذات

یہ نام مغربی ہندوستان کے مقامی ٹکسال کی طرف سے پرتگالیوں کے درمیان سونے کے سکے کے لیے معروف تھا۔ پہلے پہل یہ گوا کے زیرِ استعمال سکوں میں بڑے پیمانے پہ داخل ہوا بعد ازاں یہ نام ان کے اپنے چاندی کے سکوں کو ڈھالنے کے عمل کے ساتھ منسلک ہو گیا جس کی قدر مسلسل گرتی رہی۔

پرتگالی دور کے ہندوستان کے سکے ڈھالنے کے عمل کے حوالے سے کچھ متعلقہ بیانات کا اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کے لیے یہ بامشکل ہی ایک مناسب لفظ ہو گا جیسا کہ پرداؤ اس کی پوری تاریخ سے گزرتا ہے۔ میں نے اسی موضوع کو کچھ جگہ دی ہے۔ میرے پاس تاریخ کو مربوط کرنے کے حوالے سے کوئی خیال نہ تھا، مگر موضوع پر کچھ متعلقہ بیانات کو مہیا کرنے کے لیے اور جن کے کام سے میں نے اس مسئلے کے حل کے لیے رجوع کیا۔ ان مصنفین کی فاش غلطیوں کی تصحیح کے لیے اس جانب رُخ کیا، مگر میں اس سب سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہیں کر پایا ماسوائے اس کے کہ ان کی تحقیقات نے مجھے الجھایا اور اصل راہ سے بھٹکایا۔ یوں میرا وقت گفتگو میں لائی گئی غلطیوں کے حوالے سے خود کو مطمئن کرنے میں صرف ہوا۔ موضوع بذات خود بہت مشکل ہے۔

نایاب کتب کی عدم دستیابی کے باعث موضوع اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

پرتگالی آبادیات کے متعدد مقامی سکے بشمول وہ جو کہ گوا ٹکسال سے تھے کے وسیع استعمال سے، بڑے سکوں میں تکنیکی اصطلاحات کی مسلسل تبدیلی اور سکوں کی قدر میں مسلسل کمی کے باعث پرانے ناموں کو جاری رکھا گیا۔ میں نے ڈاکٹر گرسن ڈی اکنہاس (Dr. Gerson D,Acunhas) کی کتاب کنٹریبیوشن آف دی سٹڈی آف انڈو چائینیز نومیسٹک (Contribution to the study of Indo Chinese Numismatics) کو اپنے لیے متوقع مدد خیال کرتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ بلاشبہ اس اعانت کے ذریعے کچھ کارآمد حقائق اور حوالہ جات حاصل ہوئے مگر کلی طور پر کتب کی کمیابی کے باوجود انہوں نے جو سونے اور چاندی کے سکوں کی اصل قیمت کے اعداد و شمار مہیا کیے ہیں ان سے اور دوسری موجودہ خامیوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مجھے لگتا ہے کہ انہوں نے موضوع کو قطعی بدنظمی میں چھوڑ دیا۔ نہ ہی زر کی قیمت کے متعلق ڈبلیو۔ڈی۔جی۔برچ صاحب کے خیالات کی کوئی یاداشت دی ہے (جو برچ صاحب نے البوکرک [22☆] کے تراجم سے اخذ کیے ہیں) جہاں ڈاکٹر اکنہا (Dr. Acunha) راستے سے ہٹتے ہیں وہاں بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر برچ (Birch) کی پیروی کی ہو گی۔

لفظ پرداؤ (Pardao) (غالباً مقامی) سنسکرت لفظ پرتاپ[11] جس کے معنی شان و شوکت کے ہے کی بگڑی ہوئی پرتگالی شکل ہے جیسا کہ ڈاکٹر ڈی اکنہا کہتے ہیں کہ یہ لفظ بلاشبہ کچھ سکوں کے روایتی قصوں سے لیا گیا ہے جن پر اس نام کا اطلاق کیا گیا تھا مثلاً کنارا میں اکری (Ikkeri) کے راجا: سری پرتاپ کرشنا رائے۔

کچھ شکوک اس وقت سامنے آتے ہیں جب یہ طے کرنا ہو کہ حقیقت میں یہ نام پرداؤ کس سکے کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ لفظ کی ابتدائی موجودگی سے متعلقہ دو واقعات ایسے ہیں جنھیں ہم شامل کر سکتے ہیں۔ ایک طرف عبد الرزاق کے نمائندے شاہ رُخ پرتا (یا پرڈاؤ) کو "وراہ" کا آدھا بتاتے ہیں۔ (کچھ جگہ "سور" جس کو وشنو (ہندو دیوتا) کا سور کہا جاتا ہے، نقش ہے) ہن یا جسے ہم پگوڈا کہتے ہیں۔ دوسری جانب لوڈویکو ورتھیما (Ludavico Varthema) کا بیان پرداؤ کو پگوڈا کا مماثل قرار دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پرتگالی سولہویں صدی کے آغاز میں پگوڈا کے لیے ہی پرداؤ ورو (Pardao Douro) کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ عبد الرزاق اور ورتھیما کے بیانات سے براہِ راست تشکیل دیا گیا سکوں کا جدول درج ذیل ہے۔

عبدالرزاق	(۱۴۴۳عیسوی)
تین پیتل =	ایک تار (چاندی)
چھ تار =	ایک فنم (سونا)
دس فنم =	ایک پرتاب
دو پرتاب =	ایک ورا

وراہ کا وزن تقریباً ایک مثقال ہے جو کہ دو دینار کے برابر ہے۔

ورتھیما (۱۵۰۴۔۱۵۰۵عیسوی)

سولہ کیس (cas) =	ایک تار (چاندی)
سولہ تار =	ایک فنم (سونا)
بیس فنم =	ایک پرداؤ

پرداؤ ایک سونے کا سکہ تھا جو قاہرہ کے سراقم (سونے کے دینار) سے چھوٹا مگر موٹا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عبدالرزاق کے وراہ کی قدر پگوڈا سے دوگنا زیادہ تھی جس کی کچھ مثالیں جنوبی ہندوستان کے سکے ڈھالنے کے عمل اور اس کی پرتاب میں ہے۔ یوں یہ ورتھیما کا ہم خیال ہی محسوس ہوتا ہے جیسے کہ پگوڈا بذاتِ خود یا وراہ اس کا پگوڈا ہو اور پرتاب پگوڈا کا نصف ہو۔ اس نے وراہ کا وزن ایک مثقال کے برابر بتایا ہے یعنی اس کا وزن ۷۳ دانے کے برابر ہو گا، مگر یہ وزن اِس سکے کے لیے مناسب دکھائی نہیں دیتا۔

میں نے پرنسپ کے گوشوارے میں دیئے گئے ۲۷ مختلف ہن (Hun) یا پگوڈا کا اوسط وزن نکالا جو ۴۳ دانے تھا۔ زیادہ سے زیادہ ۴۵ دانے بنتا ہے۔

حقیقتاً وراہ کے دونوں نمائندے اور اطالوی مسافر پرداؤ کو بیس فنم کے برابر قرار دیتے ہیں۔ یہی اس کی شناخت کی مضبوط دلیل ہے۔

دیگر توضیحات میں اسے آدھے "ہن" یا پگوڈا کے برابر سمجھا گیا تھا۔ مزید برآں ڈاکٹر ڈی اکنہا نیو کنکیسٹ (New Conquest) میں کہتے ہیں جو صوبے صرف سو سال پہلے گوا میں شامل کیے گئے، سنوئے (Sanvoy) اور نکھزن (Nixane) دونوں کے پگوڈا کو دو پرتاب میں تقسیم کیا گیا تھا۔

جہاں تک پرڈاؤڈورو (Pardao Douro) کی قدر کا تعلق ہے جب اسے البوکرک کی طرف سے گوا کے زیرِ استعمال سکوں کے طور پر اختیار کیا گیا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر ڈی اکنہا ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ ۳۷۰ رائس (Reis) کے برابر ہے یا اس کی قیمت ایک شیلنگ، ۱/۲ ۱۶ انگریزی ڈی کے برابر ہے۔ وہ اس پرڈاؤڈورو کو مغربی ہندوستان میں رائج الوقت "ہن" سے مماثل تسلیم کرتے ہیں۔ ۱۸۱۸ء تک مدراس میں پگوڈا ایک زندہ اور غیر تبدیل شدہ نمائندہ سکے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک ایسا سکہ جو کہ اپنی منسوخی کے وقت ۱/۲ ۳ روپیہ یا ۷ شیلنگ کے برابر مانا گیا۔ بلاشبہ پرداؤ کی اصل قیمت اس سے کچھ پنس زیادہ تھی۔ حقیقت میں ڈاکٹر ڈی اکنہا نے اپنا حساب (خیالی) ری (Rei) کی موجودہ قیمت سے بنایا ہے۔ یہ

دیکھتے ہوئے کہ ایک ملری (Milrci) کو اب اڈالریا ۵۰ ڈی کے برابر شمار کیا گیا۔ ہمارے پاس ۱/۲۰۰ ڈی = ری (Rei) اور 1s = ۳/۷۰ رائس جو برابر ہے ۱/۲ ۶ ڈی کے۔ یوں لگتا ہے کہ مصنف کو یہ خیال نہیں رہا کہ ری (Rei) کی قیمت گر سکتی ہو گی۔

مگر رائس کی قدر میں کمی کی حقیقت ہر جگہ عیاں ہے۔ کوریا (Corea) ہمیں بتاتے ہیں کہ جب البوکرک نے ۱۵۱۵ء میں کروزیڈو (Cruzado) کا اجراء کیا اس وقت یہ محض ۴۲۰ رائس کے برابر تھا۔ بلاشبہ کروزیڈو کی یہ قیمت اپنے ملک میں اِس کی قیمت کے برابر ہے۔

اے ننز (A.Nunez) ۱۵۵۴ء نے بھی کروزیڈو ڈورو دی پرتگال (Cruzade D,ouro de Purtugal) کو ۴۲۰ رائس کے برابر قرار دیا ہے۔ اس کی مالیت وینس کے سیکون (Sequin) اور سلطانی یا مصری سونے کے دینار کے بھی برابر ہے۔ ننز (Nunez) مزید کہتے ہیں کہ کیمبے کے سونے کے سکے جیسے وہ میڈرافکھسو (Madrafaxao) لکھتے ہیں کہ مالیت لین دین اور وزن کی کمی بیشی کے باعث ۲۶۰ء سے ۱۴۴۰ء رائس کے برابر تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ گجرات کے مظفر شاہ دوم (۱۵۲۶ء۔۱۵۱۱ء) کی سونے کی مہر رہی ہے، جس کے وزن کے متعلق معلومات ہمیں ای تھامس (E-Thomas) کی کتاب سے ملتی ہے۔

ڈاکٹر ڈی اکنہا ہمیں خود بتاتے ہیں کہ سترہویں صدی کے آغاز پر وینس (کے سکے) کی قیمت ۶۹۰ سے ۷۲۰ رائس تک تھی (یعنی اوسط قیمت ۷۰۵ رائس تھی) جبکہ پگوڈا کی قیمت ۵۷۰ سے ۶۰۰ رائس کے درمیان تھی (یعنی اوسط قیمت ۵۸۵ رائس تھی)۔

ان اعداد و شمار سے ہمیں سیکون (Sequin) کی اصل قیمت اور پگوڈا کی قدر کا علم ہوتا ہے۔ یہ ہمیں رائس کی قیمت کا حساب لگانے کے قابل بناتی ہے جو تقریباً ۱۶۰۰ پر ۱۶.۰ ڈی ہے۔ ملبرن اورینٹل کامرس اور کیلے (Kelly) کی کیمبسٹ (Cambist) میں درج ملرائی کی قیمتیں ہمیں آخری صدی کے ابتدائی سالوں کے لیے اس کا تخمینہ لگانے کے قابل بناتی ہے۔

ہمارے پاس اس کی قیمتوں میں مرحلہ وار واقع ہونے والی کمی کا ریکارڈ درج ذیل ہے۔

سولہویں صدی کے آغاز میں ری (Rei) کی قیمت۔۔۔۲۶۸.۰

سترہویں صدی کے آغاز میں ری (Rei) کی قیمت۔۔d۶۱.۰

انیسویں صدی کے آغاز میں ری (Rei) کی قیمت۔۔۔d ۰۶.۰

ڈاکٹر ڈی اکنہا (D.Acunha) نے رائس سے ۱۵۱۰ء کے سکوں کا تخمینہ ۱۸۸۰ء میں رائج قدر سے لگایا ہے اور برچ (Birch) صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

پرتگالیوں نے بذاتِ خود سونے کے پرداؤ یا پگوڈا رائج نہیں کیے۔ ہم البوکرک کا رائج کردہ سونے کا سکہ (۱۵۱۰ء) کروزنڈو (یا مینل) اور گارسیادی کی مدد سے ۱۵۴۹ء۔۱۵۴۸ء میں پیش کیا گیا۔ سونے کے سکوں کا نظام بھی دیکھ چکے ہیں، جس میں وہ سکے جاری کیے گئے جو سین تھومی(San Thome) کہلائے جن کی مالیت ۱۰۰۰ رائس تھی جو تقریباً ایک پونڈ دوشیلنگ اور چار ڈی کے برابر ہے۔

ڈاکٹر ڈی اکنہا کے مطابق ۱۵۱۰ء سے ۱۵۵۰ء تک گوا میں اس مالیت کے چاندی کے سکے نہیں ڈھالے گئے۔ اس کے بعد جو سکے ڈھالے گئے وہ چاندی کے مین تھومیز کہلائے جنھیں پٹکوئز(Patacoes) بھی کہا گیا۔ ننز اپنی فہرست میں ان کا ذکر ناموں کے ساتھ نہیں کرتے، مگر بار بار پرداؤ کا ذکر کرتے ہیں جو پانچ چاندی کے تانگہ یا تین سو رائس کے برابر ہے۔

ڈی اکنہا انھیں چاندی کے سکے کہتے ہیں جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ننز انھیں سکوں کے طور پر نہیں لیتے بلکہ وہ پرداؤ سے بہت سے چاندی کے تانگہ مراد لیتے ہیں۔ تاہم صدی کے آخر میں ہم نے بلبی(Balbi)۱۵۸۰ء، بیرٹ (Barret)۱۵۸۴ء اور لنسچوٹن ۱۵۸۹ء۔۱۵۸۳ء سے یہ جانا کہ گوا کے زیرِ استعمال سکے چاندی کے سکے تھے جو زرفن(Xerafin) اور پرداؤ زرفن (Pardao Xerafin) کہلاتے تھے جس کی مالیت پانچ تانگہ ہے جن میں ہر ایک برابر ہے ساٹھ رائس کے۔ یہ آغاز سے اب تک ایسے ہی جاری ہے۔

جزو ضربی کا معیار یہی رہتا ہے جب کہ قابلِ تقسیم سکوں کی قیمت موقوف ہو جاتی ہے بالآخر چھوٹے سکوں کی قدر رائس کی طرح بہت کم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ لوگوں کی یاداشت کا حصہ بھی نہیں رہتے یا پھر یہ سکے صرف دوسرے بڑے سکوں کی درجہ بندی کے کام آتے ہیں۔ ان سے حاصل کردہ معلومات ہمیں پرداؤ اور زرفن کی قدر کے تعین کے قابل بناتی ہے جو اس وقت چار شیلنگ، دوڈی سے چار شیلنگ چھ ڈی تک ہیں۔

ایک صدی بعد فرائر(Fryer)۱۶۷۶ء کے قدر و قیمت کے متعلق دیے گئے بیانات ہمیں اس قابل بناتے ہیں کہ وینس کے سیکون کے استحکام کو قیمتیں پرکھنے کے پیمانے کے طور پر استعمال کریں۔

یوں اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تانگہ کی قیمت ۶۰۱ تک گر گئی ہے اور پرداؤ یا زرفن(Xerfine) کی قدر ۲شیلنگ اور ۶ڈی ہو گئی۔ تیس سال بعد لوکیر(Lockyer)۱۷۱۱ء میں ہمیں بتاتا ہے کہ ایک روپیہ ۱ ۱/۲ پرداؤ کے برابر ہے۔ غالباً اس نے سورت کے روپیہ کو اپنا معیار بنا کر حساب لگایا ہوگا۔ پھر بھی وینس (کے سکے) کی مدد سے لگائے گئے حساب کے مطابق اس کی قیمت کم و بیش ۲شیلنگ، ۳ ڈی قرار پائی۔ اُس وقت پرداؤ کی قیمت ۱شیلنگ، ۶

ڈی ہو گی تاہم ۱۷۲۸ء تک اُس کی قدر میں مزید کی واقع ہوئی ہو گی۔ جب گوا ٹکسال نے ڈوم جاووی(Dom Joaov)کے نقش کے ساتھ روپیہ ڈھالنا شروع کیا تو پرداؤ کے لیے نصف روپے کا وزن موزوں خیال کیا گیا۔ یوں یہ نصف روپے مالیت کا سکہ ہمارے وقتوں تک ڈھالا جاتا رہا ہے۔ پرنسپ کے بعد مجھے گوا روپیہ کی قیمت کے متعلق کہیں اور سے معلومات نہیں ملی۔

[اس پر وائٹ وے صاحب(White way)لکھتے ہیں کہ اگر اس بیان میں اضافے کا ارادہ کیا جائے تو میں یہ تجویز دوں گا کہ سکوں کے رائج نظام پر میرے تبصرے کو جانچا جائے جو کہ رائز آف پرتگیز پاور ان انڈیا (Rise of the Portugese Power in India)کے صفحہ نمبر ۶۷ سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ میں ہنری یول کے پاس کئی بار گیا ہوں۔ کچھ ایسے مقالے دستیاب ہیں جو میرے خیال میں ان کی نظر سے نہیں گزرے۔ وہاں پر دو پرداؤ ہیں۔ پرداؤ دِورو اور پرداؤ دی تانگہ۔ اول الذکر کی مالیت ۳۶۰ رئیلز(Reals)جبکہ موخر الذکر کی قدر ۳۰۰ ہے۔ بظاہر پٹیکون(Patecoons)پرداؤ دورو کی قیمت کے برابر ڈھالے گئے تاہم میرا خیال ہے کہ ان کی قیمتوں کا ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا۔ پٹیکون ایک چاندی کا سکہ تھا۔ تبدیلی کے بعد بھی جس کی مالیت پرداؤ دورو کے برابر رہی۔ یہی گوا کے لوگوں کے زخموں اور مصائب کا باعث تھا۔ گوا کے ان سکوں کے ذکر میں نے صفحہ نمبر ۶۹ پر نہیں کیا۔ محصولات کے حساب کے لیے تانگہ برنکہ استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کی مالیت عام تانگہ سے کچھ زیادہ تھی مگر دوگنانہ تھی۔ حساب کے یہ سکے ہر ۲۴ بازارکس[12] (Bazaracus)کے ۴ برگنمز[13] (Barganims) تھے جو کہ ۱۱۱ رئیلز (Reals) سے کچھ اوپر ہے۔ سکوں کی مالیت میں مسلسل واقع ہونے والی تبدیلی کے باعث سکوں کے رائج نظام کا کلی طور پر احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اُس وقت حکمرانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہر حکمران اپنی خوشی کی خاطر دھات کے ایک ٹکڑے پر مہر لگا کر نئے سکے کا اجراء کر دیتا تھا۔ تاجر اس حاکم کی رعایا ہونے کے سبب دباؤ کا شکار تھے اس لیے انھیں اس نئے اجراء کیے گئے سکے کی قیمت کا حساب لگانا پڑتا تھا۔

PARELL, n.p

پریل،اسم معرفہ

یہ بمبئی کے شمالی مضافات کا نام ہے جہاں گورنر کی رہائش گاہ موجود ہے۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا (Imperial Gazatteer)میں دی گئی معلومات کے مطابق ڈبلیو ہارن بے

(W.Hornby) ۱۷۷۶ء وہ پہلے گورنر ہے جنہوں نے (Parell) کو اپنی رہائش گاہ بنایا۔
مگر یہ بیان تحقیق کا طلب گار ہے کیونکہ یہ علاقہ گروز (Grose) کے وقت سے ہی یہ (گورنروں کے) قبضے میں چلا آرہا ہے۔ گروز (Grose) کی دوسری اشاعت، جو ہمارے استعمال میں ہے کا سن اشاعت ۱۷۷۲ء ہے مگر شواہد کے مطابق وہ ۱۷۶۰ء میں ہندوستان سے واپس لوٹ گئے تھے۔ نیبوہر (Niebuhr) نے ۱۷۶۴ء۔۱۷۶۳ء کو بمبئی میں ان کے قیام کا عرصہ بتایا ہے چونکہ ان کی کتاب ۱۷۷۴ء میں شائع ہوئی ہے اس لیے ان (تواریخ) کو یقینی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ۱۷۷۶ء سے بہت پہلے گورنر جانگ (Jong) نے یہاں رہائش اختیار کر لی تھی۔
(مسٹر ڈوگلس (Douglas) لکھتے ہیں کہ "ڈائننگ روم سے باہر تھوڑا اونچا کر کے، عیسیٰؑ کی ایک عبادت گاہ ہے، جس پر لگی تختی پر تحریر ہے۔ "محترم ہارن بے" کی طرف سے تعمیر کردہ، ۱۷۷۱ء)

PARIAH, PARRIAR, Sc..s

پرایا، پریار، اسم ذات

ا۔ یہ جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک نچلی ذات کا نام ہے۔ یہ یہاں پر سب سے زیادہ پائی جانے والی ذاتوں میں سے ایک ہے۔ اگر (ہندوستان میں) نہیں تو پھر کم از کم تامل علاقے میں سب سے زیادہ پائی جانے والی ذات ہے۔ اپنی موجودہ صورت میں اس لفظ کا مطلب "ڈھولچی" ہے۔ تامل زبان میں بڑے ڈھول کو پرائی (Parai) کہتے ہیں، جو خاص تہواروں پر بجایا جاتا ہے۔ اس کے موروثی بجانے والے کو پرائین (Paraiyan) کہتے ہیں۔ پرائیار (جمع)۔ (ڈاکٹر اوپرٹ (Oppert) اس خیال کے حامی نہیں ہے کہ زیرِ بحث لفظ "پہاڑیا" کی کوئی شکل ہے جس کے معنی "پہاڑی علاقے کا باشندہ" ہے۔) مدراس کے شہر کی کل آبادی کا پانچواں حصہ اس ذات کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ (بدقسمتی سے) ہندوستان کے اس حصے سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر لوگ گھریلو ملازمین کی صورت میں یورپیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ دیگر ذاتوں سے مقابلے میں اس ذات کے افراد مرتبے کے ساتھ ساتھ اپنی عادات میں بھی باقی لوگوں سے کم تر ہوتے ہیں۔ مردہ گوشت اور باقی قابل اعتراض اشیاء کھانا ان کا معمول ہے۔ نیز یہ شراب پینے کے عادی ہوتے ہیں۔ دیگر ذاتوں کے مقابلے میں یورپیوں کے مشاہدے اور رابطے میں زیادہ آنے کے باعث پرایا (Pariah) نام کا اطلاق تمام نچلی ذاتوں کے لیے کیا جانے لگا۔ یہاں تک اس کا اطلاق نامعلوم ذات کے افراد اور بغیر ذات کے افراد پر بھی کیا گیا، مگر اسے بامشکل ہی صحیح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تامل کے علاقے میں ایسی

بہت سی ذاتیں ہیں جنھیں پرایا سے بھی کم تر خیال کیا جاتا ہے مثلاً موچیوں کی ذات اور اس سے بھی کم تر ذات دھوبی ہے۔ پرایا ان نچلی ذاتوں سے وہی تحقیر آمیز سلوک کرتے ہیں، جو اعلیٰ ذاتیں خود ان سے روا رکھتیں ہیں۔ پرایا جداگانہ خصائص پر مشتمل ایک قدیم ذات ہے جس کا اپنا درجہ بندی کا نظام ہے، اس کے اپنے منفرد استعمالات ہیں۔ اپنی روایات اور اپنے سے اعلیٰ و ادنیٰ ذاتوں سے تعلق رکھنے کے لیے اس کا اپنا مخصوص حاسدانہ رویہ ہے۔ شاید یہ تامل علاقے کی (تعداد کے لحاظ سے) سب سے بڑی ذات ہے۔ مدراس کے شہر میں یہ کل ہندو آبادی کا اکیس فیصد ہے۔

تاہم سر والٹر ایلیٹ (Walter Eiliot) نے اپنے مقالے میں ہندو آبادی سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر تمام چاکری کرنے والی ذاتوں کو پرائیا کہا گیا ہے۔

اس طبقے کے کردار پر ایک بہت دلچسپ مگر غیر حتمی بحث بِشپ کالڈویل کی کتاب دراوڑی گرائمر میں ملے گی۔ اس دانشور کا اخذ کردہ نتیجہ یہ ہے کہ غالباً وہ لوگ ہر اعتبار سے دراوڑی ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ یقین کرنے کے لیے دلائل کی اشد ضرورت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (یہ لوگ) دراوڑیوں کی بجائے اس ملک کی کسی اور قدیم نسل سے ہو اور دراوڑیوں نے انھیں غلامی کے درجے تک گرا دیا ہو۔

یہ آخری خیال والٹر ایلیٹ صاحب نے پیش کیا ہے جنہوں نے اپنے مقالے کریکٹرسٹک آف دی پاپولیشن آف ساؤتھ انڈیا "Characteristics of the population of South India" میں اس خیال کی حمایت میں بہت سے دلچسپ حقائق پیش کیے ہیں۔

پورے جنوبی ہندوستان میں مقبول گاؤں کی دیویوں کے جشن کی تقریب کے متعلق ایک قابل توجہ تبصرہ مقالے میں دیا گیا ہے وہاں ہولی کے انداز میں ایک جشن منایا جاتا ہے جس میں پرایا مذہبی رسومات کی قیادت کرنے والے پروہت ہوتے ہیں۔ بہت ساری ایسی رسومات ہیں جو باآسانی یہ قیاس کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ پرایا ہی ابتدائی باشندے اور اس زمین کے اصلی مالکوں کے نمائندے ہیں۔ اس معزز آدمی سے ملنے والی حالیہ اطلاع یہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں "میرے بھائی نے انھیں رائے پور میں کاشتکاروں کے ایک باعزت اور اہم طبقے کی حیثیت میں دیکھا ہے۔ پرایا اپنے مشائخی معاملات میں اپنے لیے ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں۔ [مدراس گلوسری میں پیش کیے گئے خیال کے مطابق "یہ امتزاج کے بغیر منفرد دراوڑی ہیں جب کہ ہندوؤں کی دیگر ذاتیں امتزاج کے ساتھ دراوڑی ہیں۔]

پورے ہندوستان میں ایک خاص انگریزی طرزِ گفتار نے نامعلوم ذات کے حامل لوگوں کے لیے پرایا

کا غلط استعمال پھیلا دیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر مرحوم بلوک میں (Blochmann) اپنی کتاب سکول جیوگرافی آف انڈیا (School geography of India) میں لکھتے ہیں کہ "نامعلوم ذاتیں پرایا کہلاتی ہیں۔"

پہلے پہل یورپ میں یہ نام سونیرٹ ٹریول (Sonnerat,s Travels) کی وجہ سے جانا جانے لگا (جو ۱۷۸۲ء میں شائع ہوئی، اشاعت کے فوراً بعد ہی انگریزی میں ترجمہ کی گئی) اس کتاب میں پرایا کو انتہائی نچلی ذات بتایا گیا ہے تاہم امکان ہے کہ اِس اصطلاح کا فرانس اور انگلستان میں ایک جیسا استعمال ابی رینال (Abbe Raynal) کی مشہور کتاب Philosophique des Etablissements dans les Indes کی وجہ سے ہے۔ اس (کتاب کا) دونوں ملکوں میں بڑے پیمانے پر مطالعہ کیا جاتا تھا۔ اس کے اس استعمال کا ایک اور امکان برنڑن ڈی پاری (Birnadin de st Pierre) کی ایک احمقانہ مگر مشہور داستان La Chaumiere Indienne مہیا کرتی ہے اس میں کھوئے ہوئے جذبات کا ہالہ دکھایا گیا ہے، جو کسمیر ڈیلوجن (Casimir Delevigne) کے ڈرامے میں اپنے اوج کمال کو پہنچتے ہیں۔ جو کہ اب بھی کسی حد تک اس نام کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ یہ بات بھی شامل کی جانی چاہیے کہ سی۔پی۔ براؤن صاحب کہتے ہیں کہ "ہمارے پیش کردہ معنوں میں پرایا مقامی باشندوں کے لیے ایک نامعلوم لفظ ہے، سوائے ان کے جنہوں نے ہم سے سیکھ لیا ہے۔"

ب۔ دیکھیں PARIAH DOG

PARIAH ARBACK,s

پرایا اربیک، اسم ذات

سترہویں اور اٹھارویں صدی میں یہ نام عام طور پر اس زہریلی مقامی کشید کردہ شراب کو دیا جاتا تھا جو عام طور پر یورپی سپاہیوں اور جہاز رانوں کو فروخت کی جاتی تھی۔

PARIAH DOG,s

پرایا ڈاگ، اسم ذات

بغیر مالک کے ایک عام زرد کتا، جو مشرق کے تقریباً تمام گنجان آباد علاقوں میں موجود ہوتا ہے۔ عام طور پر یورپی اکثر اسے (ڈاگ کا لفظ حذف کرکے) صرف پرایا بلاتے ہیں۔ بلاشبہ یوں پکارے جانے کی وجہ سے اس (کا تعلق) نچلی ذات سے ہونا یا بغیر ذات کے ہونا تھا۔

PARIAH KITE,s

پرایاکائٹ،اسم ذات

ہندوستان میں پائی جانے والی چیلوں کی ایک عام قسم ہے۔اس کا حیاتیاتی نام ملوس گونڈا سائکس (Milvus Gavinda Sykes)ہے۔یہ اپنی زیادہ تعداد اور شوخی کی وجہ سے جانی جاتی ہے۔یہ بہت زیادہ نڈر اور بے باک ہوتی ہیں۔اکثر باورچی خانے سے ہال تک جاتے ہوئے برتن سے نوالہ چھین لیتی ہیں۔ایڈمز (Adams) کے مطابق آدمی کے منہ سے نامکمل ٹکڑے بھی ہتھیا لیتی ہیں۔

PARSEE, n.p

پارسی،اسم معرفہ

یہ نام قدیم ایرانی خاندان کی ان مہاجرین نسلوں کو ممتاز کرتا ہے جنہوں نے اپنا ملک چھوڑا اور اپنے زرتشی مذہب کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمانوں کی ایذارسانی سے بچنے کے لیے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ "پارسی" لفظ پرشین کی ایک پرانی شکل ہے۔ یہ جدید دور میں عربی زبان کے اثرات کے باعث (پارسی سے) فارسی میں بدل گیا۔ پرتگالیوں نے پارسیوں اور پررسیو دونوں لفظ استعمال کیے ہیں۔ کچھ مسافروں نے موخر الذکر لفظ سے ایک نئی صورت پرسی اخذ کی۔ بلاشبہ ہم نے قدماء سے پارسی لفظ حاصل کیا۔ یہ اپنی نوع کی ایک حیرت انگیز مثال ہے جس میں ایک ہی لفظ اتفاقاً وجود میں آنے والی مختلف صورتیں مکمل طور پر مختلف خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں اس لفظ کی پرشین صورت زرتشی یعنی آگ کی پرستش کرنے والوں کو ظاہر کرتی ہے جیسے پیتھی لفظ (پنتھی) کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ برما میں اس سے مسلمان مراد لیے جاتے ہیں۔

PAROVE, PURVO,s

پروُ،اسم ذات

یہ مغربی ہندوستان میں ادیب طبقے کے لیے مشتمل ایک مشہور نام ہے۔ پرابھو یا پربھو [14] یعنی "آقا یا سربراہ" (سنکرت لفظ پرابھو ہے)۔ یہ کایتھ یا کایستھ ذات کی طرف سے اختیار کیا گیا ایک اعزازی خطاب ہے۔ یہ اُن ملی جلی ذاتوں میں سے ایک ہے جو ادیب مہیا کرتی ہے۔ یہ اصطلاح صرف بمبئی میں مستعمل ہے۔

PASADOR,s

پسدور،اسم ذات

یہ ایک مارلن میخا ہے (جہاز رانی میں طنابوں کے بل ڈھیلے کرکے کھولنے کا اوزار) ہندی زبان میں یہ پرتگالی لفظ پساڈور (Passador) سے آیا ہے۔

PASEI, PACEM, n.p

پاسم،اسم معرفہ

یہ ساٹرا کے شمال مشرق کے قریب واقع ایک مالے ریاست کا نام ہے۔ ایک وقت میں یہ ملاکا اور مجاہت (جاوا کا دار الحکومت) کے ساتھ اس علاقے میں نمایاں مقام رکھتی تھی۔ (یہ بحر الجزائر کے تین عظیم شہر تھے) ۔ بظاہر یہ مارکوپولو کا بسما(Basma) دکھائی دیتا ہے جس نے یہاں مسلمانوں کے قدم جمنے سے پہلے اس ساحل کا دورہ کیا تھا۔

PAT,s

پاٹ،اسم ذات

ایک ٹین کا ڈبہ یا گلدان، ہندی میں یہ لفظ انگریزی زبان سے آیا ہے۔

PATACA, PATACOON,s

پٹاکون،پٹاکہ،اسم ذات

اطالوی زبان میں یہ لفظ پاٹکو (Patacco)؛ پرتگالی میں پٹاکہ یا پٹکاؤ بولا جاتا ہے۔ ملیالیم زبان میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ماضی میں یہ اصطلاح ڈالر کے لیے استعمال ہوئی۔ لیٹر (Litter) نے اسے ایک قدیم ہسپانوی لفظ پترڈ (Patard) سے جوڑا ہے۔ جس سے مراد ایک قسم کا سکہ ہے۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے والنی (Volney) کی دی گئی وضاحت کو نظر انداز کر دیا ہے جہاں اسے ابوٹاکہ کا نام دیا گیا ہے۔ (یا جسے بگاڑ کر ابوٹاکہ بھی کہا جاتا ہے۔ عربوں نے یہ نام کچھ ایسے سکوں کو دیا تھا۔ جن کی پشت پر تمغہ دار ڈھال نقش ہوتا تھا۔ اس اصطلاح کے معنی کھڑکی کی موجد یا طاق ہے؛ اس طرح کی کسی چیز کے لیے تمغہ دار ڈھال کو استعمال کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے جدید مصر میں پلر ڈالر کے لیے ابو مدفع کا لفظ ہے۔ جس کے معنی توپ کا موجد ہے؛ اور ماریہ تھریسا ڈالر کو ابوطیرہ کہتے ہیں جس کے معنی "پرندوں کے جد اعلیٰ" کے ہیں۔ مگر بحر احمر جہاں ایک مخصوص سال میں ڈھالے گئے سکے (یا ان کی جدید ہی قبول کیے جاتے ہیں جو کہ ابو نقاط یعنی "نقطوں کا موجد" ہیں۔ کچھ چھوٹے نقاط ایسے ہیں جو صحیح معاملات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

PATCH,s

پچ،اسم ذات

یہ مدارس میں استعمال کیا جانے والا پتلے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ ونس نے پچ کو تلگو لفظ پچّ دَمُ (Pachchadamu) کا ایک ناشائستہ مخفف قرار دیا ہے یہ ایک قسم کا کاٹن کا کپڑا ہے ۔ یہ عموماً

۲۴ہاتھ لمبا اور ۲ ہاتھ چوڑا ہوتا ہے۔ اس میں دو کپڑوں کو اکھٹا جوڑا جاتا ہے۔

PATCHAREE, PATCHERRY PARCHERRY,s

پچہری، پچھری، پرچیری، اسم ذات

صدارتِ بنگال میں حکومت کی طرف سے شادی شدہ افراد کے لیے بنائے جانے والے کو اٹروں کی تعمیر سے پہلے (patchacee) کا لفظ یورپی فوجی دستوں میں ان چھوٹے مکانوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جنہیں شادی شدہ سپاہیوں کی رہائش کے لیے مختص کیا جاتا تھا۔ لفظ کا ماخذ واضح نہیں ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ ہندی لفظ پیچھ ہاری کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کے معنی 'عقب' کے ہیں، مگر ہمارے خیال میں غالباً یہ لفظ مدارس سے ہندوستان میں برطانوی سپاہیوں کے لیے آنے والی منفرد اصطلاحات کے ساتھ ہی آیا ہوگا۔ جو یہاں مستعمل ہرچیری یا پچھری کی اصطلاحات سے مماثل ہے۔ یہ تامل لفظ پرش شری (Parash sheri) یعنی پرایا کا گاؤں بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے مراد قصبے کا رہائشی یا مضافاتی علاقہ ہے جہاں پرایا رہائش پزیر ہوں ۔ وائٹ ورتھ (worth White) صاحب کہتے ہیں کہ " بعض مقامی رجمنٹوں میں یہ اصطلاح شادی شدہ سپاہیوں کے مکانات کا مفہوم دیتی ہے۔ ممکن ہے کہ پرایا سپاہیوں کے خاندان ان کے ساتھ ہوں ۔ جبکہ اعلیٰ طبقے نے انھیں گھر میں چھوڑا ہو" وہ اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ مدارس یا بمبئی میں سے کس شہر کے سپاہیوں کے متعلق بات کی گئی ہے۔ مگر کسی بھی صورت میں وہ جو بھی کہیں ان کا کہنا ہے کہ پچھری کی اصطلاح کے صدارت بنگال سے منسوب ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔

PATCHOULI, PATCH-LEAF PUTCH AND PUTCHA LEAF

پچولی، پچ لیف، پچ، پچہ لیف، اسم ذات

بنگالی زبان میں پچاپاٹ (Pachapat) جبکہ دکنی ہندی میں پچولی (pacholi) یہ پودینے کے خاندان سے تعلق رکھنے والے شغوی پودے کے خشک پتوں کا تجارتی نام ہے۔اسے پوگستمون / حینینس (Heyneanus Pogoslemon) کی کاشت کی گئی ایک مفید قسم خیال کیا جاتا ہے۔ یہ رکن کا دیسی پودا ہے۔ یہ پورے ہندوستان، سیلون اور مالے کے جزائر میں اگایا جاتا ہے۔ خشک پھولوں کے گچھے عموماً لمبے ڈنٹھل اور پتے پورے ہندوستان کے بازاروں میں استعمال کے لیے فروخت کیے جاتے ہیں پچہ پاٹ (pat pacha) تمباکو نوشی کے تمباکو کے ایک جزو کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، خواتین

اسے بالوں میں خوشبو کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس سے گدے بھرے جاتے ہیں۔ اور جیسے ہم خزام کا استعمال کرتے ہیں ویسے ہی اسے بھی کپڑوں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ پچولی (patcholuli) سے حاصل ہونے والا سیال مادہ انگلستان میں ۱۸۴۴ء میں متعارف ہوا۔ کچھ ہی عرصہ میں ایک عطر کے طور پر استعمال عام ہوگیا۔ لفظ کے ماخذ کا سراغ لگانا مشکل ہے۔ فاربس وٹسن کی نومن کلیچر (Nomenclature) اور ڈروری (Drury) میں اس نام کے بنگالی ہونے کا دعوی کیا گیا ہے۔ غالباً یہ تامل لفظ پچہ بمعنی "سبز" ہے اور ایلا یا ایلم سے مراد بالوں کے لیے استعمال ہونے والی ایک مہک دار خوشبو ہے۔ مدارس گلوسری میں 'ایلاِ' کے معنی پتہ دیے گئے ہیں۔

PATECA,s

پٹیکا[15] **،اسم ذات**

پرتگالی یہ لفظ ہندوستان میں تربوز کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ (اس تربوز کا تعلق سٹراس ورگیرس (Citrullus vulgonis) کے خاندان سے ہے۔ سچریڈر (Schrader) نے اسے کیوکربٹا سٹرالس (cucarbita citiullas) کے خاندان سے بتایا ہے۔) یہ عربی لفظ البطخ یا البطیخ ہے۔ ایف جانسن نے اسے ایک عام خربوزہ یا ہرا تربوز قرار دیا ہے۔ ایک پیٹھا؛ یعنی خیاری قسم کے پودوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک پودا ہے۔

ہم خیاری خاندان کے پودوں کے ناموں کے حوالے سے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ محض کسی عام لغت کا ڈھیلا پن نہیں ہے بلکہ کلی طور پر ہر سائنسی اور نا شائستہ حوالے سے بھی ہے۔ لین (Lane) کی کتاب ماڈرن اجپشن (Modern Egyptions) میں واضح طور پر بطیخ کا ترجمہ 'تربوز' کیا گیا ہے۔ ہمارے زیر غور ایک ہسپانوی لفظ البدیکہ (Albadeca) بھی ہے۔ ڈوزی (Dozy) نے اس سے خربوزے ہی کی کوئی قسم مراد لی ہے۔ ایک فرانسیسی لفظ پستوکی بھی ہے جس کے متعلق ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اس کے معنی بھی 'تربوز' ہے۔ ڈی کینڈل (De Candle) مصر میں تربوز کی کاشت کے حوالے سے کسی مغالطے کا شکار نہیں ہیں۔ انھیں اس بات کی بھی یقین ہے کہ روم و یونان میں یہ ہمارے عہد میں متعارف کرایا گیا ہے۔ ہیہن (Hehn) اس (تربوز) کو ہندوستان سے ایران لے کر گیا۔ 'خواہ عربوں کا وقت ہو یا منگولوں کا ترکوں کے راستے یونان میں اور استراخان[16] اور کذان کی تاتاری ریاستوں کے راستے روس میں تربوز کی تجارت ہوتی تھی۔ ہسپانوی زبان میں پٹکا (Pateca) لفظ کی موجودگی کو دیکھتے ہیں۔ ہمیں یہ

فرض کر لینا چاہیے کہ ہندوستان میں پرتگالیوں کی حکومت سے بہت پہلے یہ لفظ پرتگالی زبان میں موجود تھا۔ گارسیا اس خیال سے متفق نہیں ہے۔ اپنی کتاب میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کے یورپ سے آنے والے ایک ملاقاتی نے کیسے خربوزوں کی تعریف کی اور منتظم خانہ نے بھی اس کی سفارش کی، مگر چکھنے پر گارسیا کو خربوزے کی بجائے مٹی جیسا پھیکا ذائقہ ملا۔ گارسیا نے آگے جاکر بتایا ہے کہ دابو اور بال گھاٹ[17] (Balaghat) میں انھیں پرتگال جیسے بہترین ذائقے والے خربوزے کھانے کو ملے، "مگر پرتگالی ہندوستان میں جس چیز کے لیے پٹیکا کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ کوئی اور چیز ہے"۔ کالے بیجوں والا ایک بڑا گول یا بیضوی پھل ہے۔ یہ پرتگالی خربوزے کی طرح میٹھا نہیں ہوتا، مگر رس بھرا اور ٹھنڈک بخش ہوتا ہے۔ صفرا کے بخار کے علاوہ گردوں اور جگر کے امراض میں خاصا موثر ثابت ہوتا ہے۔ یہ نام اور چیز دونوں رناؤ (Ruano) کے سامنے ایک تازگی بخش احساس کے طور پر پیش کیے گئے۔ گارسیا نے اسے یہ بھی بتایا کہ عرب اور ایرانی اسے بطیخ انڈِ یعنی ہندوستان کا خربوزہ کہتے ہیں۔ (ایف جانسن نے 'بطیخ مہندی' کا لفظ دیا ہے۔ ایران میں تربوز کے لیے ہندوانہ کا لفظ بھی موجود ہے)۔ مگر ملک ہندوستان میں اس کا اصل نام کلنگری تھا۔ یہ میراٹھی زبان کا لفظ کالنگر ہے۔ (غالباً شمالی مغربی صوبہ میں تربوز کالنڈا کے نام سے جانا جاتا ہے۔) رناؤ کسٹائل (Castille) کی بڈائکس (Budiecas) کا حوالہ دیتے ہیں جس کے متعلق وہ سن چکے ہیں۔ مگر ان کے ہندوستانی پٹیکا ہونے کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ گارسیا کے خیال میں یہ دونوں کافی مختلف ہیں۔ اس ساری گفتگو کا رخ بدل جاتا ہے۔ جب یہ سوچا جائے کہ تربوز تو اس وقت پرتگالیوں کے لیے ایک اجنبی پھل تھا۔ میرے ایک دوست کے پاس گارسیا کی کتاب کا نسخہ موجود ہے، اس نے بتِکا (Bateca) کے متعلق کتاب میں جو پایا مجھے بتایا کہ یہ ایک عربی اصطلاح ہے۔ پورے ہندوستان میں اس اصطلاح کے استعمال ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً مسلمان تربوز درآمد کرتے رہے ہوں گے۔ میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا کہ یہ لفظ پورے ہندوستان میں مستعمل ہے۔ میرے خیال میں بالائی ہندوستان میں یہ لفظ کبھی بھی استعمال نہیں ہوا، نہ ہی اسے شیکسپیئر اور فیلن کے ہاں ان معنوں میں برتا گیا ہے۔ (پلینٹس نے بطیخ یعنی خربوزے کو پیش کیا ہے؛ تربوز کا تعلق کیوکربٹاسٹرالس کے خاندان سے ہے)۔ شمالی مغربی صوبے میں سب سے عام بولا جانے والا فارسی لفظ "تربوز" ہے جبکہ دوسرے نرم گودے والے پھل کے لیے فارسی میں خربوزے کا لفظ ہے۔ یہ الفاظ بلوک مین کے توسط سے آئین اکبری سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اس لفظ کے ترکی

زبان کے لفظ "اریوز" سے ماخوذ ہونے کے زیادہ امکان ہے کیونکہ اس سے بھی وہی پھل مراد لیا جاتا ہے۔

یہاں ہم پروفیسر رابرسٹن سمتھ (Robertson smith) کا ایک بہت قیمتی نوٹ شامل کریں گے۔

(ا)۔ عربی لفظ قدیم صورت بطیخ (Bittikh) ہے میرا نہیں خیال کے اب میں نے کسی کو یہ لفظ پہلے حصے میں موجود "آئی" کے رکن کے ساتھ ادا کرتے ہوئے سنا ہو۔

(ب) قانونی لحاظ سے اس اصطلاح میں ہر قسم کے خربوزے شامل ہیں مگر عملاً اس کا اطلاق (خصوصاً شام اور مصر میں) زیادہ تر تربوز ہوتا ہے۔ تاہم جنگلی بطیخ کسیلا ہوتا ہے۔ مگر باقی مقاصد کے حصول کے لیے اسے بھی مختلف میٹھے گھیا پھلوں کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(ج)۔ آبطیخ (Obathikh) انجیل کے متن جیسی صورت ہے، مگر اس سے صرف تربوز مراد لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ احکامات تالمود میں اسے میٹھے خربوزے سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ (Low) یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ فلسطینیوں (اور شامیوں کے ناموں میں تھوڑا بہت فرق ہے) نے یونان سے میٹھا خربوزہ حاصل کیا ہے جبکہ ان کے پاس تربوز ایک پرانا سامی نام موجود ہے۔ لفظ بطیخ (batikh) کے لیے شامی زبان کا لفظ پطیخ (Pattikh) ہے۔ گرائمر کے قواعد کو پورا کرنے کے لیے ادبی عربی میں 'اے'، 'کو' 'آئی' سے بدل دیا ہے۔ لفظ کی قدیم صورت ہمیشہ نئے تلفظ میں نظر آتی ہے۔ جیسے الفاظ اپنے پرانے مخصوص معنوں میں ہمیشہ معروف رہتے ہیں۔ ہہن (Hehn) کی رائے رد کرنے کرنے کے لیے انجیل اور احکامات تالمود[18] کافی ہے۔ (انڈیا کے تربوز کے تعارف سے) کمہی (Kimhi) نے اپنی کتاب مکلول (Miklol) میں اس عبرانی لفظ کو ہسپانوی لفظ بڈیکس (budiccas) سے اخذ بتایا ہے۔

POTAIL,PATEL

پٹیل، پیٹل، اسم ذات

گاؤں کا سردار جس کے پاس گاؤں کے عمومی معاملات کا اختیار ہوتا ہے۔ نیز یہ گاؤں کے لوگوں کا حکومت کے عہدیداروں سے رابطے کا وسیلہ ہوتا ہے۔ یہ لفظ مراٹھی اور ہندی دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ اس کے مراٹھی زبان کے لفظ 'پٹ' (Pat) سے ماخوذ ہونے کے امکانات زیادہ ہے۔ جس کے معنی ' فہرست یا دفتر' کے ہیں۔ لفظ پٹہ (Patta) سنکرت سے ہندی میں آیا ہے۔ یہ نام ان علاقوں میں خاص طور پر بولا جاتا ہے۔ جو مرہٹوں کے تابع رہ چکے ہیں یا اب بھی ہیں۔ یہ یقینی طور پر دورانِ خطاب استعمال کیا جانے والا ایک باعزت

مراٹھی کلمہ ہے۔[19] یہ اختیارات موروثی ہوتے ہیں مگر کبھی کبھار حکومت کی طرف سے بھی دیے جاتے ہیں۔ یہ نام گنگا کے صوبوں میں استعمال نہیں ہوتا مگر مرکزی اور مغربی ہندوستان میں اس کے استعمال کے برعکس یہ جنوبی ہندوستان میں غالباً ایک ہندوستانی لفظ کے طور پر برتا گیا ہے۔ حالانکہ کے تامل اور مالابار کے اضلاع میں اس (لفظ) کے موزوں مترادفات مونگر اور آدھکاری موجود ہیں۔

PATNA, n.p

پٹنہ، اسم معرفہ

صوبہ بہار کا ایک اہم شہر: یونانیوں کے پلبوتھرا (Palibothra) یا تلی پُترا (Patlipitra) کا نمائندہ ہے۔ ہندی لفظ پٹنہ کے معنی "شہر" کے ہیں۔

PATOLA, s

پٹولہ، اسم ذات

کنارا اور ملیالم میں پٹدہ (pattuda) کا لفظ مستعمل ہے۔ جس کے معنی "سلک کے کپڑے" کے ہیں۔ کہیں کہیں سیلون کے کپڑوں پر بھی اس کا غلط اطلاق نظر آتا ہے۔

PATTAMAR, PATIMAR, &c

پٹی مر

اس لفظ کے دو معنی ہیں۔

(ا)۔ پیدل چلنے والا ایک پیغام رساں، اس معنی میں لفظ کا استعمال صرف قدیم مصنفین خصوصاً پرتگالیوں کے ہاں نظر آتا ہے۔

(ب)۔ یہ مغربی ساحل پر عام پائے جانے والے تکونی بادبان والے جہاز کی ایک قسم ہے، جس کے ایک، دو یا تین مستول ہوتے ہیں۔ لفظ کے یہ معنی نسبتاً جدید لگتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں غالباً یہ کون کنی (Konkani) "پاتھ مار" بمعنی "پیغام رساں" ہے۔ تاہم سی۔ پی۔ براؤن (C.P . Brown) کہتے ہیں کہ ملیالم میں پٹہ مر (Patta-mar) کا اطلاق ایک بڑی کشتی پر ہوتا ہے۔ یہ "ہنس کے پر" کا مفہوم رکھتا ہے۔ مولزورتھ (Molwsworth) کی مراٹھی زبان کی لغت میں پٹماری (Patemari) اور پھٹماری دونوں الفاظ کے معانی "ایک قسم کی تیز رفتار چلتی کشتی" دیے گئے ہیں۔ لغت میں پٹی مر (Pattymar) کو اس کا ماخذ بتایا گیا ہے۔ جس کے معنی "خبریں لانے والے" کے ہیں۔ پٹہ کے معنی ہے "خبریں"، مگر یہ واضح نہیں ہے کہ لفظ کا دوسرا حصہ کہاں سے ماخوذ ہے۔

انتہائی قابل سر جے ایم کیمپبل (J.M.CAMPBELL) BO.GAZETTER میں پاٹمار (Patimar) کو بڑی کشتی لکھتے ہیں۔ جبکہ ہم پہلے ہی شناخت کر چکے ہیں کہ دونوں میں لفظ پاتھ مار بمعنی" پیغام رساں " استعمال ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اسے پھتیماری Phatemari تقریباً فتح مار لکھتے ہیں یعنی "فتح کا سانپ" [مدارس گلوسری میں ملیالم لفظ پٹاری (Pattamari) تامل لفظ پاٹی مار (Pattimar) کا ماخذ ہندی زبان کے لفظ پٹار (Patar) کو کہا گیا ہے۔ جس کے معنی "خبریں" ہیں۔ پلیٹس نے ایسا نہیں لکھا۔ مراٹھی لفظ " ماری " کے معنی "پہچانے والا "ہے۔] نوٹس اینڈ اکسٹریکٹ صفحہ نمبر ۲۷ پر تحریر کردہ ایک نوٹ کے مطابق Ft. st Geo Consuitation of july 4,1673 کے حاشیہ پر بتایا گیا ہے کہ لفظ (Pattamar) کو کو رومینڈل ساحل پر ایک مقامی کشتی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے گو کہ اب وہ (کشتی) مغربی ساحل تک محدود ہے۔

PATTELLO, PATELEE,s

پٹیلی، پٹیلو، اسم ذات

یہ دریائے گنگا میں چلنے والی ایک لمبی سیدھے پیندے والی کشتی ہے۔ ہندی زبان میں لفظ "پٹیلا" ہے۔ (گریسن صاحب نے بہار کی کشتیوں کے ضمن میں پٹیلی (Pateli) اور پٹیلی (Patail) کا ذکر کیا ہے۔ سارن کترا (katra Saran) میں بھی ان کے لیے یہی نام تھا۔ اس (کشتی) کے آگے بڑھے ہوئے تختے کنارے بناتے ہیں۔ جن کے کونے کہیں بھی آپس میں نہیں ملتے۔

PAULIST, n.p

پالسٹ، اسم معرفہ

ہندوستان میں عام طور پر یسوع کے پیروکاروں کو یہ نام دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس ملک میں ان کے گھر ہمیشہ، بیتھن کے عظیم عیسائی مبلغ ایس ٹی۔ پال (St.paul) سے منسوب کیے جاتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں اپنے نئے قیام کے دوران اس عمل کو ترک کر دیا تھا۔ ابھی بھی اٹلی میں ان کو پئلوٹی (Paolotti) کہا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ نام وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو انھیں پسند نہیں کرتے۔

PAUNCHWAY,s

پنچوے، اسم ذات

یہ بنگال کے دریاؤں میں استعمال ہونے والی ایک ہلکی قسم کی کشتی ہے جو بڑی ڈونگی سے ملتی جلتی ہے۔ اس کشتی میں کاگ یا چھپر کی جھکی ہوئی چھت کے ساتھ، ایک مستول اور چار پتوار ہوتے ہیں۔ بنگالی میں اسے پنسی (Pansi) اور پنستی کہتے ہیں ۔ گریرسن

صاحب (Grierson) اسے ایک گول پیندے والی کشتی بتاتے ہیں جو کم گہرے پانی میں جاتی ہے۔

PAWL,s

پال،اسم ذات

"پال"ہندی زبان کا لفظ ہے۔ سنکرت لفظ پٹالہ (Patala) کے معنی چھت کے ہیں۔ یہ ترچھی اطراف اور ہلکے لمبے ڈنڈوں سے بنا ایک خیمہ ہے۔ اس میں کوئی دیوار یا چھت پر کوئی لکیر نما پشت نہیں ہوتی۔ مجھے یقین ہے چھت پر لکیر نما پشت نہ ہونے کا خیال غلط ہے۔ یاداشت سے خیمے کی درست تعریف نکالنا اور پال اور شولدری میں فرق بتانا مشکل ہے۔ ہندوستان کا حوالہ بھی جواب کے حصول میں ناکام رہا۔ ضروری نہیں ہے کہ شولداری پال سے مختلف ہو، مگر یہ تراشے ہوئے، تنے ہوئے، سلیقے سے بندھے ہوئے اور بعض اوقات دو پردوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ خیموں کے یہ نام مختلف علاقوں میں بہت سے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مدراس گلوسری میں پال کو ایک چھوٹا خیمہ بتایا گیا ہے۔ جس کے دو ہلکے لمبے ڈنڈے، ایک (پشت والا) لمبا ڈنڈا اور ترچھی اطراف ہو۔ اگر دیواریں ہو تو بہت چھوٹی ہو جن کی لمبائی چھ انچ سے زیادہ نہ ہوا۔ بعض اوقات اوپر کا ایک دوسرا اپشتہ دوسری چھت کو پہلی والی کے اوپر اٹھاتا ہے۔ یہ (صورت اسے) عام نشانہ بازی کے لیے تیار کیے گئے خیمے کی شکل دیتی ہے۔ جی، آر، ڈیپئیر صاحب لکھتے ہیں کہ میرے خیال میں شمالی مغربی صوبے میں یہ اصطلاحات مبہم انداز میں استعمال کی جاتیں ہیں۔ عموماً شولداری سے خدمت گزار کا خیمہ مراد ہوتا ہے، یہ چھوٹی دیواروں والے ٹینٹ دعبری کی ایک قسم ہے۔ یہ دیواریں عموماً ایک فٹ سے زیادہ اونچی نہیں ہوتی۔ اس کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا بلکہ ایک کونے میں کپڑا لٹکا ہوتا ہے۔ عموماً پال کا لفظ یورپیوں کے سونے کے لیے مختص کردہ خیمے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دونوں اطراف میں چھت کی ڈھلوان لمبائی کے رخ پر موجود ڈنڈوں سے کھڑی ہوتی ہے۔ اس کے اطراف شولدری سے زیادہ اونچے ہوتے ہیں۔ ایک کونے میں دروازہ بھی ہوتا ہے۔ تقریباً ہمیشہ ہی اس کا ایک پردہ ہوتا ہے۔ کچھ جگہوں میں لفظ راوٹی [20] کو غلط طور پر سونے والے پال کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ صحیح طور پر کہا جائے تو میرے خیال میں یہ اسی قسم کا ایک بڑا خیمہ ہے۔ جس میں کونے کے برعکس اطراف میں دروازے موجود ہوتے ہیں۔ میں نے کچھ علاقوں میں شولداری اور بلٹن کو پال کے ہم معنی کے طور پر استعمال ہوتے دیکھا ہے۔

PAWN,s

پان،اسم ذات

پان کا پتا۔ ہندی میں لفظ "پان" سنسکرت لفظ "پرنہ "یعنی "ایک پتا" سے آیا ہے۔ یہ شمالی ہندوستان کی ایک اصطلاح ہے۔ عام طور پر اس کا اطلاق پان کے پتے، چھالیا کی ڈبی اور لیموں کو ملا کر بنائی جانے والی چیز پر ہوتا ہے جسے شائستگی سے (عرق گلاب کے ساتھ) ملا کر مہمانوں کو پیش کیا جاتا ہے، جو ملاقات کے خاتمے کا اشارہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک اور مکمل اصطلاح پان سپاری بھی ہے۔(سنسکرت لفظ سپریہ بمعنی " خوشگوار ") سپاری چھالیا کے لیے استعمال ہونے والا ہندی لفظ ہے۔ یہ پتے اپنی کڑواہٹ کے باعث اکیلے نہیں کھائے جاسکتے اسی لیے انھیں خاص پھلوں کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ جنہیں مالابار اور پرتگال میں اریکا یعنی چھالیہ کہا جاتا ہے۔

PAWNEE,s

پانی،اسم ذات

پانی ہندی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی میں اس کا متبادل واٹر ہے۔ یہ نام اینگلوانڈین مرکب ناموں میں بے تحاشا استعمال ہوتا ہے جیسے بیلیتی پانی، سوڈاواٹر، برانڈی پانی، خوشبو پانی، (یہ نام یورپی عطریات کو دیا جاتا تھا)۔

PAWNEE KALLA

پانی کالا،اسم ذات

ہندی زبان میں یہ "کالاپانی" اور انگریزی میں بلیک واٹر کہلاتا ہے۔ یہ ایک خوفناک شے کا نام ہے، ہندوستان کے اندرونی علاقے کے مقامی لوگ سمندر ی سفر میں ایک خاص حد سے آگے کے سمندری حصے کو یہ نام دیتے ہیں، جسے پار کرنے پر سزائیں دی جاتی ہیں۔ ہندو ملازمین اور سپاہی دریائے سندھ کے پار جانے پر اعتراض کرتے تھے اور اسے کالاپانی کہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسے پار کرنے پر وہ اپنی ذات (شناخت) کھودیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسے سمندر (بحر) کا نام دینے پر مائل نظر آتے ہیں۔ یا غالباً ان کا یقین ہے کہ اس دریا کا حصہ ہے جو ساری دنیا کے گرد بہتا ہے یا اس دریا سے آگئے کی سرزمین (Aryavartta) کی حدود سے باہر ہوگئی۔

PAYEN- GUAUT, n.p

پائیں گھاٹ،اسم معرفہ

یہ دکن کے میدانی علاقے کی طرف جانے والے راستے اور گھاٹ کے نیچے ساحل پر واقع ایک علاقہ ہے۔ عام طور پر اس نام کا اطلاق جنوبی ساحل پر ہوتا ہے۔ کرناٹک میں پائیں گھاٹ کا لفظ عام استعمال ہوتا

ہے۔ یہ جزیرہ نما کے مشرقی جانب مدارس کے نشیبی علاقے میں بھی مستعمل ہے۔ ہندی اور مراٹھی زبان کے لفظ "گھاٹ" فارسی زبان کے لفظ پایں بمعنی "نیچا" سے مل کر یہ صورت اختیار کی۔ [عام طور پر یہ "تلہ گھاٹ" کے مساوی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر کچھ مسلمان ان دونوں میں امتیاز قائم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پائیں گھاٹ "تلہ گھاٹ" کے مقابلے میں گھاٹ کے نچلا حصے کے زیادہ قریب ہے۔]

PAZEND,s

پازند، اسم ذات

اس اصطلاح کے معنی کے لیے لفظ پہلوی کے ذیل میں دیکھیں۔

PECUL , PIKOL

پکل، اسم ذات

ملاوی اور جاوی زبان کے لفظ پکل کا مطلب " آدمی کا بوجھ" ہے۔ یہ چینی وزن ۱۰۰ ایکٹیز کا ملاوی نام ہے۔ چینیوں نے خود اسے شہر شہہ کا نام دیا ہے جو برابر ہے ۱۳۳ پاؤنڈ کے، ایک اور ماہر کے مطابق شہہ کی قیمت ۱۲۰ کن یا کٹیز ہے جبکہ چینی میں ۱۰۰ کن وزن ٹن کے برابر ہے۔

PEDIR, n.p

پدر اسم معرفہ

یہ ساٹرا کے شمالی ساحل پر واقع ایک بندر گاہ اور ریاست کا نام ہے۔ بروس (Barros) کے مطابق ملاکا (Malacca) کے قیام سے پہلے، پدر جزیرے پر موجود ریاستوں میں سب سے عظیم اور مشہور ریاست تھی۔ البتہ اب اس جگہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

PEEADA

پیادہ

پئن (Peon) کے ذیل میں دیکھیں۔

PEENUS,s

پینس اسم ذات

ہندی لفظ پینس، انگریزی زبان کے لفظ پینس (Pinnace) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس نام کا اطلاق جہاز رانوں کے طبقے پر ہوتا ہے۔ جو بنگال کے دریاؤں میں یورپیوں کے استعمال کے لیے چلنے والی دومستولی کشتیوں اور دومستولی مربع بادبانی جہازوں پر موجود ہوتا ہے۔ روبک (Roebuck) نے انگریزی لفظ پینس کے لیے ہندی زبان میں جہار رانی سے متعلق مناسب لفظ فینہ یز

(Phineez) پیش کیا ہے۔ (شمالی ہندوستان میں مقامی لوگ اِس لفظ کو دلہن کی پالکن کے لیے استعمال کرتے ہیں۔)

PEEPUL,s

پیپل اسم ذات

ہندی میں پیپل جس کے سنسکرت میں لفظ "پپلہ" ہے۔ اس کا نباتاتی نام فکس اُیلیگوسہ ہے۔ ہندوستان میں انجیر کے پائے جانے والے درختوں میں سے ایک اہم درخت ہے۔ جو اکثر دیہاتوں میں نمایاں جگہوں اور مندروں کے پاس پایا جاتا ہے۔ پیپل کا درخت اپنی لکڑی اور پتوں کے باعث اس گروہ کی دیگر معروف اقسام سے کافی مماثلت رکھتا ہے۔ خصوصاً سفیدے کے درخت کے پتوں کے ڈنٹھل اسی درخت کے پتوں کی طرح تھر تھراتے ہیں۔ عام طور پر پتوں کی اس تھر تھرہٹ کو روحوں کی طرف سے دی جانے والی حرکت پر محمول کیا جاتا ہے۔ رہیڈی(Rheede) کے مطابق مالا بار میں عیسائی غالباً اسے اسی وجہ سے ڈیوں ٹری (شیطانی درخت) کا نام دیتے ہیں" تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نام پوپلہ (چنار)کے (نام کے ساتھ) مماثل ہو۔ سب سے زیادہ قدرتی بات یہ لگتی ہے کہ آریا مہاجرین نے جب سب سے پہلے اس ہندوستانی درخت کو دیکھا ہو گا تو اسے پولر کا نام دیا ہو گا۔، جس سے وہ شمالی علاقہ جات میں سب سے پہلے آگاہ تھے۔ (پوپلس، پُپل وغیرہ)یقیناً کیومان میں پوپلر کو لوگ صحیح ادائیگی کے ساتھ گر پپل کہتے ہیں۔(گھر کے معنی مکان کے ہے۔ مگر پیپل کے معنی کے متعلق علم نہیں ہے)(اس کے علاوہ اس درخت کے لیے پہاڑی کا نام بھی مستعمل ہے۔"گر" یا "گری" کے لغوی معنی ایک پہاڑ کے ہیں)۔ڈاکٹر سٹیورٹ اس پوپلس کے متعلق کہتے ہیں " یہ درخت خوب پروان چڑھتا ہے۔ کبھی کبھار اس کا گھیر ا۰ا فٹ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے پتے زیر بحث درخت پیپل کے درختوں سے کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ شاید اسی لیے میدانی علاقے کے رہنے والے اسے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ موجودہ مصنفین میں سے کسی ایک کو پالرمو کے باغ میں پوپولو ڈیل انڈی کے نام سے پیپل کا ایک جوان پودہ دکھایا گیا۔ فرانسیسی کتب میں پیوپلیئر ڈی انڈی پیپل کے پودے کا جانا پہچانا نام ہے۔ کرنل ٹوڈ نے بھی اس مماثلت کو محسوس کیا ہے۔ جبکہ وہل (Vahl) اسے فکس پوپلفولیہ(Ficus Populifelia)کہتے ہیں۔ بلفور (Balffour)کی کتاب انڈین سائیکلوپیڈیا کے ترجمے میں اس کا یہی نام دیا گیا ہے۔"پوپلر پتوں والا انجیر کا درخت'۔ ہم نے ان حقائق کو کثرت سے اس لیے پیش کیا ہے کیونکہ پپلہ(Pippala) اور پوپلس لفظ کی شناخت کی تجویز کو ایک بہت قابل محقق نے طنزاً رد کر دیا ہے۔ یہ درخت خاص طور پر

عمارتوں کے لیے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ بعض اوقات پرندے پتھروں کے درمیان کوئی بیج پھینک دیتے ہیں۔ پھر یہ ایک درخت کی طرح (عمارت میں) اپنی جڑیں پھیلاتا ہوا داخل ہو جاتا ہے۔ اسے درج ذیل انداز میں معرض گفتگو لایا جاتا ہے۔ بہت سے ہندو خصوصاً وہ جو سکھ مذہب ترک کرکے ہندو مذہب اختیار کرتے ہیں۔ وہ اکثر یہ کہتے ہیں سنائی دیتے ہیں۔ ”میں پیپل کو جاتا ہوں“ جس کا معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ میں اپنی عبادت کے لیے جارہا ہوں۔

PEER,s

پیر، اسم ذات

یہ فارسی زبان کا لفظ ”پیر“ ہے، یعنی مسلمانوں کا صوفی مگر عام طور پر یہ لفظ ان بزرگ ہستیوں کے مزاروں کے لیے استعمال ہوتا ہے جنھیں حالات بدنام یا مقدس شخصیت ظاہر کرتے ہیں۔ انھیں ولی بھی کہا جاسکتا ہے۔ امام زادہ، شیخ اور مربط (Marabout) کی اصطلاحیں ترخیمی طور پر شام، فارس، مصر، اور بربرے (Barbary) میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ہم اس فہرست میں لفظ ”نبی“ کو بھی شامل کرسکتے ہیں کیونکہ وہ بھی اسی انداز میں استعمال ہوتا ہے۔[21]

PEGU, n.p

پیگو، اسم معرفہ

ہم یہ نام ماضی میں ایراوادی (Irawadi) کے ڈیلٹا میں موجود ایک سلطنت کو دیتے ہیں۔ اس شہر کو جو اس کا دارلحکومت تھا، اور برطانوی صوبے جس نے اس جگہ پر قبضہ کیا۔ اس کا برمی نام بگو (Bago) ہے۔ یہ نام تلنگ (Talaing) زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب ”دھوکہ بازی سے فتح“ حاصل کرنا ہے۔ اس معنی کو واضح کرنے کے لیے ایک روایتی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہ محض ایک خیالی قصے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہماری دوسری جغرافیائی اصطلاحات کی طرح لفظ ”پیگو“[23]☆ بھی مالے سے آتا ہوا نظر آتا ہے جہاں اسے پئیگو (Paigu) بلایا جاتا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق یورپی مصنفین میں سب سے پہلے کونٹی (Conti) کے ہاں یہ لفظ نظر آتا ہے جہاں اس لفظ کی لاطینی صورت پیش کی گئی ہے۔ مگر فارمورو (Far Mauro) جس کے عظیم نقشے میں یہ لفظ اپنی صحیح ملاوی شکل ”پئیگو“ (C-۱۴-۹۵) میں موجود ہے۔ غالباً کونٹی سے ہی اسے منفرد انداز میں اخذ کیا ہے۔ نکٹن (Niktin ۱۴۷۵ء.C) کے انگریزی مترجم نے 'پیگو' لکھا ہے۔ واسکوڈے گاما (۱۴۹۸ء) نے اپنی کتاب رٹیریو (Roterio) میں اسے پگیو لکھا ہے اور

اسے عیسائیوں کی سر زمین بتایا ہے۔ ورتھیمانے پیگو(۱۵۱۰ء)، جیوانی دی امپولی(۱۵۱۴ء) نے پیگو، اور بربوسہ (۱۵۱۶ء) نے پیگو لکھا ہے، مگر اس کی عام پرتگالی شکل 'پیگو' ہے جو بروس سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔

PEGU PONIE,s

پیگو پونیز

جیسے عرب کے گھوڑوں کو عموماً دنیا میں ہر جگہ عرب ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مدارس (میں گھوڑوں کے لیے) "پیگوس" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ چھوٹی نسل کے گھوڑوں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ پیگو سے منسلک ہونے سے پہلے یہ عام طور پر انڈیا درآمد کیے جاتے تھے۔

PEKING

پیکنگ، اسم معرفہ

اس نام کا مطلب 'شمالی دربار' ہے۔ اس کا موجودہ استعمال چین میں منگ خاندان کے اقتدار سے منسلک ہے۔ جب انہوں نے منگولوں کے جانشین، چنگیز اور کبلائی سے (۱۳۶۸ء میں) تخت چھینا، اور دار لحکومت کو ٹیٹو اور خان لکھا سے عظیم شہر ینگ ٹیYangtsxe منتقل کر دیا۔ یہ (شہر) اس کے بعد سے ننکنگ یعنی 'جنوبی دربار' کے طور پر جانا جاتا ہے، مگر بہت سال سے منگول دارالحکومت کا سرکاری رہائش گاہ کی حیثیت سے بحال کر دیا گیا۔ اس مناسبت سے اسے پیکنگ کا نام دیا گیا۔ اس پر دوبارہ قبضے کی تیاریاں ۱۴۰۹ء میں شروع ہوئی۔

PELICAN,s

پیلکن، اسم ذات

اس لفظ کا موزوں اطلاق پیلکنس انکروٹلس(Pelicanus Onocrotalus) پر ہوتا ہے۔ کسی بھی حوالے سے یہ لفظ اینگلو انڈین میں اجنبی نہیں ہے۔ تاہم ہم یہاں دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پرندہ ہندی زبان میں اپنے شاعرانہ نام "گگن بھیڑ" یعنی 'آسمانوں کی بھیڑ' کے نام سے جان جاتا ہے۔ ہم نے مقامی لوگوں کو تقلیب کے شدید فطری رجحان کے تحت موزوں تبدیلیاں کرکے اس لفظ کو 'گنگا بھیڑی' یا "گنگا کی بھیڑ' کہتے سنا ہے۔ اس نام کو ایک قدیم اصطلاح کیپ شیپ(Cape Sheep) کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے، جس کا اطلاق قادوس(ابتروس) [22] پر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی سپاہی عادتاً ایڈجوٹنٹ کہلانے والے پرندے کے لیے پیلکن کی اصطلاح کا غلط اطلاق کرتے ہیں۔ پروفیسر میکس میلر (Max Miller) زبان پر اپنے لیکچرز میں ہمیں بتاتے ہیں کہ ٹاہیٹن[23] (Tahitaians) نے اپنے فرمانروا سے احترام کے

اظہار کے لیے معمول کی زبان کے الفاظ کی جگہ کو پر کرنے کے لیے نئے الفاظ ایجاد کیے۔ ان کا واضح مقصد یہ تھا کہ فرمانرواؤں کے نام کو کسی بھی صورت استعمال ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ یہاں تک کہ یہ عام معمول کی گفتگو میں بھی استعمال نہ ہو۔ یوں اب تمثیلی استدلال کے ذریعے یہ ممکن نظر آتا ہے کہ سخت گیر حاکم جو ایڈ وجو ٹنٹ تھا نے اینگلو انڈین کی تاریخ کے ابتدائی دور میں پرندے کے عام نام کو اپنے لیے موزوں خیال نہ کیا ہو۔ (اسی وجہ سے) پرندے کے لیے پیلکن کا غیر موزوں نام متعارف کرا دیا ہو۔ موجودہ مصنفین میں سے ایک قابل احترام خاتون کی یادداشت میں محفوظ ہے، جو اپنے شوہر کے ساتھ فوجی احاطے میں رہتی تھی۔ براک یارڈ میں ان پر پیلکن کا لفظ بولنے پر اعتراض کیا گیا۔ مگر انہوں نے اپنی درست ادائیگی کو برقرار رکھا۔ البتہ یہ خیال کیا کہ کچھ لوگ اسے پیلکن اور کچھ لوگ اسے ایڈ جو ٹنٹ کہتے ہیں۔

PENANG, n.p

پینانگ[24]، اسم معرفہ

یہ ملاکا سے منسلک جزیرے کا باقاعدہ نام ہے۔ (پُلو مناسب طور پر پلئو، پینانگ) اسے انگلستان کی عملداری میں آنے پر برطانوی فرمانروا کے جانشین کے جزیرے کا نام دیا گیا۔ پرنس آف ویلز آئی لینڈ (Island Prince of wales's) مگر اس سرکاری طریق نے پھر سے پرانے نام کو راستہ دیا۔ ملاوی میں 'پینیگ' 'چھالیہ کی ڈلی، یا چھالیہ کے درخت، کا مفہوم دیتا ہے۔ کرافرڈ (Crawfurad) کے مطابق جزیرے کو یہ نام اس درخت کے پھل سے مماثلت کی وجہ سے دیا گیا۔ ولگو (Valgo) کے مطابق یہ چھالیہ کی ڈلی ہے جو کتر کے پان کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔)

PENANG LAWYER,s

پینانگ لائر، اسم ذات

یہ ایک عمدہ اور سخت سیر کی چھڑی کا معروف نام ہے۔ (بعض اوقات آسانی سے ٹوٹنے والی بھی ہوتی ہے۔) اسے پینانگ اور سنگاپور سے برآمد کیا جاتا ہے۔ یہ تاڑ کے درخت کے تنے سے بنتی ہے۔ جوان تنے کو شیشے کی مدد سے چھیل کر اور اس پر سے جلد کی بیرونی سطح کو اتار کر یہ چھڑیاں تیار کی جاتی ہیں۔ انھیں آگ کی مدد سے سیدھا کیا جاتا ہے اور پالش سے چمکایا جاتا ہے۔ اس نام کے متعلق معروف خیال ایک ظریفانہ مفروضے سے متعلقہ ہے کہ پیناگ کے مقدمات کا فیصلہ لکس بیکولنیا (Lex beculina) لیتے تھے۔

مگر یہاں ایک اور خیال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس میں شبہ کی گنجائش قدرے کم ہے۔ وہ یہ کہ یہ لفظ کسی

مقامی اصطلاح کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور پینانگ لائر کا مطب "خشک چھالیہ" ہے۔(N.E.D میں پینانگ لائر، کی تجویز پیش کی گئی ہے جس کے معنی 'تپائی ہوئی خشک چھالیہ" ہے۔)اسے اس کا اصل نام فرض کیا جا سکتا ہے۔ڈینز(Denny) کہتے ہیں "ائر سے مراد بید کی چھڑیاں ہیں، اسی لیے انھیں یہ نام دیا جاتا ہے۔" مگر یقینی طور پر خیال غلط ہے۔

PENGUIN,s

پینگوین، اسم ذات

یہ اپٹینوڈائیٹز (Aptenodytes) اور سفینس کس(Spheniscus) کی نوع سے تعلق رکھنے والے پرندوں کی متعدد اقسام کا معروف نام ہے۔ہم اس نام کے درست اشتقاق کو معلوم کرنے سے قاصر ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ پرتگالی لفظ ہونگوئی بمعنی"فربہ" سے مشتق ہو۔ لٹر (Litter) نے کلاسس(Clausius) کو نقل کیا ہے۔وہ کہتا ہے کہ یہ پرندے پنگیڈائن(Pinguedine) کہلاتے تھے یقیناً سر تھامس بربرٹ(Thoma berbert) نے ٹرتھ آف دالیجنڈآف مڈاکس سیٹلمنٹ ان امریکا(Truth of the legend settlement in of Modoc's america) یہ تلفظ نہیں دیا جس میں ڈریک کے سمندری سفر کے بیان سے ۶۰ سال پہلے اس کا ذکر ملتا ہے۔تاہم غالباً بربرٹ نے یہ خیال سلڈن (Selden) سے براہ راست لیا ہے۔

PEON,s

پیئن، اسم ذات

یہ ایک پرتگالی لفظ پاؤ(Peao) ہے۔(ہسپانوی میں "پیئن" ہے اس کا مادہ "پئ" بمعنی "پاؤں" ہے۔ اس سے مراد ملازم ہے۔ (شطرنج میں بھی پان(Pawn) ہوتا ہے۔) اسے کسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہندی زبان میں اس کا ہم معنی لفظ " پیادہ" موجود ہے۔ چنانچہ یقیناً ان دونوں الفاظ کا مادہ ایک ہی ہے۔ ابتداء میں اسے ایک پیادہ سپاہی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس سے "قاصد" یا "پیغام رساں" بھی مراد لیا جاتا تھا۔ لفظ سپاہی کا استعمال ہماری یاداشت میں محفوظ ہے اور غالباً اب تک یہ بمبئی کے شہر میں انھی معنوں میں مستعمل ہے۔ جنوبی ہندوستان میں اردو کے معنوں میں پیئن کا لفظ عام استعمال ہوتا ہے جبکہ شمالی ہندوستان میں چپڑاسی کا لفظ زیادہ عام ہے۔ تاہم یہاں پیئن کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ یہ لفظ اسی انداز میں محکمہ پولیس میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سکیٹ صاحب نے مالے کو ریاستوں اور سنگاپور میں تمبی (Tambi) یا تنبے میں پئین لفظ کے استعمال کی تصدیق کی ہے۔

PEPPER,s

پیپر،اسم ذات

اصل میں یہ سنسکرت لفظ پپلی (Pippali) ہے اس سے مراد خرید و فروخت والی عام مرچ (کالی مرچ) نہیں ہے۔ اس سے مراد لانگ پیپر (لمبی فلفل) ہے۔ اس کا سنسکرت نام اب بھی بنگال میں مستعمل ہے۔ جہاں ایک عرصہ میں لانگ پیپر (لمبی فلفل) کے کالی مرچوں سے قدرے مختلف قسم کے پودے کاشت کیے جاتے ہیں۔ ابھی تک لانگ پیپر (لمبی فلفل) کلکتہ سے قابل ذکر حد تک بر آمد ہوتی ہے اور اس کی مماثل اقسام بحرالجزائر میں اگائی جاتی ہیں۔ پلینی (Pliny) نے وائٹ پیپر (سفید مرچوں) بلیک پیپر، (کالی مرچوں) کے ساتھ ساتھ لانگ پیپر کا ذکر بھی کیا ہے۔ مرچوں کی یہ تین مختلف اقسام ابھی تک تجارت کے میدان میں جانی پہچانی جاتی ہیں۔ اس طرح کے معاملات میں جو عمومی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ اغلاط اب تک بر قرار ہیں۔ جیسے کے ان تینوں اقسام میں موجود تعلق واضح نہیں ہو پایا۔

یقیناً غیر ملکی تاجروں نے اس نام کو بلیک پیپر میں تبدیل کر دیا ہو گا۔ اوائل میں اس کی پیداوار اور بر آمد کے متعلق معلومات مختلف کتب سے مل سکتی ہیں۔ لانگ پیپر کی جڑ پپلمولہ (Pippalimula) کا ذکر مقامی مخزن ادویات میں صحت مند کرنے والی دوا کے طور پر موجود ہے۔ ہم یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلیک پیپر سدابہار جھاڑ پیپر نگرم (Piper nigram) کا پھل ہے۔ یہ مالا بار اور تراونکور (Travancore) کے جھنگلوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ مالے کے علاقے خصوصاً سماٹرا میں متعارف ہوا۔

بلیک پیپر کے تخم دان سے پوست تک پھل کے تمام حصے کی بیرونی سیاہ تہہ کو ہٹا کر وائٹ پیپر تیار کی جاتی ہے۔ اس طرح اسے اس کے ذائقے کے ایک حصے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ سنگاپور کے راستے ولندیزی علاقے رِیو (Rhio) سے آتی ہے۔ ٹیلی چیری (Tellicherry) سے مالابار میں اعلیٰ معیار کی وائٹ پیپر کی کچھ مقدار درآمد کی جاتی ہے۔

لانگ پیپر دو جھاڑی نما پودوں، پیپر افشنارم (Piper officinarum) سی۔ڈی۔ سی اور بحرالجزائر کے مقامی پودے پیپر لنگم (Paper Longum) سے حاصل کی جاتی ہے۔ یہ مالابار، سیلون، مشرقی بنگال، تمور (Timor) اور فلپائن میں بھی عام پائے جاتے ہیں۔ لانگ پیپر کا پھل نماڈنٹھل مکمل طور پر پکنے سے پہلے خشک کر لیا جاتا ہے۔ پیپر (مرچوں) کی یہ تمام اقسام عہد قدیم میں بھی جانی جاتی تھیں۔

PERGUNNAH,s

پرگنہ، اسم ذات

ہندی میں لفظ پرگنہ ہے۔ (سنسکرت میں پرگنہ (Pargan) بمعنی "حساب لگانا" ہے۔) ضلع کا ذیلی حلقہ (تحصیل)۔

PARGUNNAHA, THE TWENTY FOUR ,n.p

پرگنہ، دی ٹوئنٹی فور، اسم ذات

یہ ایک ضلع کا سرکاری نام ہے۔ البتہ انتظامی طور پر کلکتہ اس میں شامل نہیں ہے۔یہ نام مشرق اور ہندوستان کی قدیم تاریخ کا حصہ ہے۔ دراصل اس سے مراد کلکتہ کی زمینداری ہے جو صوبیدار پروانہ کے ذریعے ۱۷۵۷ء۔۱۷۵۸ء تک کے عرصہ کے لیے انگریزی کمپنی کی دی گئی تھی۔ بعد ازاں عظیم مغلوں کی طرف سے اس کے غیر مشروط اور خراج سے مستثنیٰ جاگیر ہونے کی تصدیق کی گئی۔

PERI,s

پری، اسم ذات

یہ خیالی بھوتوں کی جماعت کے لیے ایک فارسی لفظ ہے۔ مور[25] (Moore) اور ساؤتھی[26] (Southey) کے اشعار میں غیر رسمی طور پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا انگریزی لفظ فیری (Fairy) کے ساتھ اصلاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ (گریم)(Grimm) کے ابتدائی صوتیہ میں تبدیلی کے قانون کی تعمیل کے باوجود بھی ایسا نہیں ہے۔) فارسی لفظ پری لفظ "پر" سے ماخذ ہے، جس کے معنی اڑنے والے پنکھ" کے ہیں۔ اسی لیے لفظ پری سے 'پروں' یا پروں والی، مراد لی جاتی ہے۔ (ایف جانسن(F. Jahnson) کی فارسی لغت میں اس کے یہی معنی درج ہے۔ مگر اس کے ماخذ کے متعلق بہت سے شبہات ہیں۔ جبکہ انگریزی زبان کے لفظ فیری کا سلسلہ نسب اطالوی لفظ فاٹہ (Fata) اور فرانسیسی لفظ فیک(Fec) سے ملتا ہے۔ جس طرح فیکری کے معنی (پروں والی) کے ہیں اسی طرح فیری کے بھی یہی معنی ہے۔

PERPET, PERPETUANO,s

پرپٹ، پرپیٹوئنو، اسم ذات

یہ سترھویں صدی اور اٹھارہوی صدی کے ابتدائی عرصہ میں انگلستان سے مشرق میں برآمد کیے جانے والے کپڑے کا نام ہے۔ بظاہر یہ ایک ہلکار ریشمی، چمکیلا کپڑا لگتا ہے۔ اسی قسم کے ایک اور کپڑے کو مضبوطی کی وجہ سے "لاسٹنگ " (پائیدار) کا نام دیا گیا۔ فرانس میں اسے پرپئیٹیونی یا سیمپٹرنی کہتے ہیں۔ اطالوی میں اسے پرپیٹوہنہ (Perpetuana) کہتے ہیں۔

PERSAINI,n.p

پرسیانی،اسم معرفہ

یہ پیگو میں بسین (Bassein) نام کی ایک پرانی شکل ہے۔ یہ ملبرن (Milburn) میں بھی موجود ہے۔

PERSIMMON,s

پرسمن ،اسم ذات

اس امریکی نام کا اطلاق چین اور جاپان میں پائے جانے والے ایک عام پھل پر ہوتا ہے۔ جس کی کثیر تعدار خشک کر کے چین سے تبت درآمد کی جاتی ہے۔ اس درخت کا نباتاتی نام ڈسپروس کاکی (Diospyros Kaki) ہے۔ اس کا تعق درختوں کے اسی گروہ سے ہے جو آبنوسی لکڑی پیدا کرتا ہے۔ صحیح طور پر یہ لفظ امریکی پھل کا نام ہے اسے کھجور کا درخت بھی کہتے ہیں۔ ورسٹر (Worcester) کی لغت کے مطابق اس کا تعلق ورجینا کی ہندوستانی زبان سے ہے۔ ۱۸۹۶ء میں یہ لفظ گھڑ دوڑ جیتنے والے کے نام کے طور پر معروف تھا۔

PERUMBAUCUM,n.p

پرومباکم،اسم معرفہ

یہ ضلع مدارس میں کنجورم (Conjuwaram) کے شمالی مغرب میں ۱۴ میل کے فاصلے پر واقع ایک قصبہ ہے۔ غالباً یہ نام تامل زبان کا لفظ پرم پاکم (Perum pakkam) یعنی "بڑا گاؤں" ہے۔

PESCARIA,n.p

پسکاریو[27] ،اسم معرفہ

پرتگلیوں نے ٹینی ویلی (Tinnevelly) کے ساحل کو یہاں موجود عظیم ماہی گیری کی وجہ سے یہ نام دیا۔

PESHAWAR, n.p

پشاور،اسم معرفہ

یہ ایک سرحدی شہر کا نام ہے جو کابل کی طرف ہندوستان کے فوجی پڑاؤ کا مقام ہے۔ بعض جگہ یہ دعوی کیا گیا ہے کہ یہ نام اسے اکبر بادشاہ نے دیا تھا۔ مگر حقیقت میں یہ نام بہت قدیم ہے۔ اکبر کے ساتھ منسلک دعوے کی سچائی یہ نظر آتی ہے کہ اس نے پرانے نام میں تبدیل کی ہوگئی۔ اس وقت سے اب تک لفظ کی تبدیل شدہ صورت استعمال ہور ہی ہے۔ جنرل کیگھم (Gen. Cummigham) کی تحریروں میں تبدیلی کو دیکھا جا سکتا ہے مگر ان کے بیان کی بنیاد کے متعلق ہم کچھ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ پشاور کو بامشکل ہی اکبر کے دور کا سرحدی علاقہ کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آئین اکبری سے ملنے والی معلومات کے مطابق اکبر کے انتظامی اضلاع میں صوبہ کابل کا وسط، کشمیر اور اس کا تمام مغربی علاقہ

شامل ہے پروفیسر بلوک مین (Blochmann) کا شائع کردہ آئین اکبری کے متن میں ہمیں اس کی جدید صورت نظر نہیں آتی۔ [28] نظام الدین احمد (متوفی ۱۵۹۴ء-۱۵۹۵ء) کے طبقات اکبری کے کیے گئے ترجمے میں ہمیں یہ ترجمہ شدہ نام مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ جیسے پشاور، پرشاور پرشور، پرشور، ہم اس بات میں شبہ نہیں کرسکتے کہ چینی فلوشہ کی کتاب فاہ ہین (Fah hain) میں پہلے سے ہی اس نام کو پرشاور یا پشاور لکھا گیا تھا۔

PESHCUBZ,s

پیش قبض، اسم ذات

یہ خنجر کی ایک قسم ہے جس کے دھاری دار حصے کی سیدھی موٹی پشت ہوتی ہے جبکہ کنارا چوڑے حصے سے اندر کے تیز مقام کی طرف گول ہو جاتا ہے۔ فارسی میں اس کے لیے "پیش قبض" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہے۔ " آگے سے پکڑنا" ۔ دستہ عام طور پر " شرماہی" یعنی " بڑے حوت کی سفید ہڈی سے بنایا جاتا ہے۔ غالباً یہ دریائی گھوڑے کے دانت ہیں۔ جن کا ذکر ہمیں انگلستان اور ایران کی تجارت کے اوائل میں بہت مانگ کی حامل شے کے طور پر ملتا ہے۔ (آگرٹن (Egerton) صاحب کی کتاب کٹیلاگ آف انڈین آرمز میں پیش قبض کا ذکر کئی جگہ پر موجود ہے۔

PESHCUSH,s

پیش کش، اسم ذات

پیش کش فارسی زبان کا لفظ ہے۔ ولسن نے معنوی طور پر اسکی تشریح "موسم کی پہلی فصل" کی ہے۔ خصوصاً وہ جو نذر خدا کی جائے۔ یہ لفظ اپنے مخصوص اور تکنیکی معنوں میں نذرانے یا اظہار عقیدت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ولسن کے ہاں اسکے متنوع استعمال کی مناسب تشریح ملے گئی۔ مثلاً ملاقات پر جرمانہ، تجدید، مقبوضہ جائیداد حاصل کرنے، کرایہ ادا کرنا، زمین کے لیے ادا کی جانے والی رقم جو ماضی میں کرائے سے مستثنیٰ تھی یا اس خدمت کے استبدلال کے لیے جس کا اب مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ بعض اوقات اس سے کسی بڑے آدمی کو تحفہ دینے پر مبہم انداز میں حکومت کو زمین کے مطالبے پر دی جانے والی رقم مراد لی جاتی ہے۔ قدیم انگریزی تحریروں میں پیش کش کا لفظ عموماً بڑے آدمی کو تحفہ دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

PESH KHANA, PESH-KHIDMAT,s

پیش خانہ، پیش خدمت، اسم ذات

اس فارسی زبان کے لفظ کا مطلب "خدمت پر مامور فرد" ہے۔ اس سے مراد وہ خدم و حشم ہے جو

خیموں کے ساتھ دوران سفر، رات کے وقت نئے پڑاؤ کے میدان میں آقا کی آمد پر استقبال کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ ایک ایسی بڑی شخصیت کے لیے جو مقامی لوگوں میں خاص طور پر احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ [ایسی ہی ایک اور فارسی اصطلاح "پیش خیمہ" بھی عام طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس اصطلاح کا معنی "پہلے سے خیمہ لگانا ہے۔]

PESHWA,s

پیشوا، اسم ذات

یہ لفظ فارسی الاصل ہے۔ اس کے معنی 'رہبر' اور "رہنما" کے ہیں۔ مرہٹہ طاقت کا وزیر اعلی، جس نے بعد میں اپنے آقا شیواجی[24]☆ کے جانشینوں کو سازش سے برطرف کیا اور خود ایک آزاد، خود مختار ریاست قائم کر کے مرہٹوں کا سربراہ بن گیا۔ ان کی طاقت اس وقت ختم ہوئی جب ۱۸۱۷ء میں آخری پیشوا باجی راؤ نے سرجان میلکم (Sir John Malcolm) کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ انہوں نے جنوری ۱۸۵۱ء تک کانپور کے نزدیک بھتور میں اپنی جاگیر کے ساتھ، امیرانہ جلاوطنی میں زندگی گزاری بدنام زمانہ "نانا صاحب" اُن کا لے پالک جانشین تھا۔

سی پی براؤن صاحب نے لفظ پیشون، کو اس کا مونث بتایا ہے۔ "گنگا بائی کی شہزادی" پورپی دھر کی پیشون تھی۔"

PETERSILLY,s

پیٹر سلی، اسم ذات

شمالی ہندوستان میں عموماً پودینے کے لیے یہ نام استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم نے مقامی افراد کے منہ انگریزی کے بگڑے ہوئے ایسے بے معنی الفاظ کی بہت سی مثالیں سنی ہیں مگر یہ معاملہ مختلف ہے۔ اسے درست منتقلی کی مثال کے طور پر نقل کیا جاسکتا ہے۔ یہ لفظ پودینے کے لیے استعمال ہونے والی ولندیزی اصطلاح پٹرسلئے (petersilie) ہے جو لاطینی لفظ پٹروسلنم (Peterosilmum) سے آیا ہے۔ یوں انگریزی لفظ پارسلے (پودینہ) بذات خود فرانسیسی لفظ پرسل (Persil) کی دوگنی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ابن سینا[25]☆ نے عربی میں فٹرسلون (Fatrasilian) کو اس کا اصلی نام بتایا گیا ہے۔

PETTAH,s

پیٹھ، اسم ذات

پیٹھئی تامل لفظ ہے۔ قلعے سے باہر شہر کا نواحی علاقہ یا قلعے سے نزدیک اور منسلک قصبہ۔ اکثر پیٹھ (Pettah) کو الگ سے بذات خود مضبوط بنایا جاتا

ہے۔ یوں قلعہ عموماً اس (شہر) سے اونچا بنا دکھائی دیتا تھا۔ مراٹھی میں لفظ "پتھ" (Puth) ہے۔ غالباً یہ لفظ مراٹھی زبان سے تامل میں آیا ہے۔ جنوبی ہندوستان کی جنگوں کی تواریخ میں اکثر جگہ یہ لفظ نظر آتا ہے۔

PHANSEEGAR,s

پھانسی گر، اسم ذات

یہ ٹھگ[29] کا ہم معنی ہے۔

PHOOLAKAREE,s

پھول کاری، اسم ذات

ہندی لفظ "پھول کاری" کے معنی "گل نما کڑھائی" کے ہیں۔ اس اصطلاح کا اطلاق ان کاٹن کی چادروں پر ہوتا ہے جن پر گاؤں کی خواتین خصوصاً جاٹ (خواتین) ریشمی دھاگوں سے کڑھائی کرتی ہیں۔ تقریباً ہر لڑکی اپنی شادی (جہیز) کے لیے کسی نہ کسی ایسی چادر پر کڑھائی کرتی ہے۔ حالیہ سالوں میں انگریزی خواتین کے درمیان اس قسم (کی کڑھائی) کے نمونوں کی طلب میں معقول اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جو انھیں پردوں یا دوسری جگہوں پر سجاوٹ کے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ پس یہ ایک قابل توجہ صنعت کے طور پر سامنے آتی ہے جس کا ذکر مسز اے۔ سٹیل کی تحریر میں ملے گا۔ جو مسٹر ایچ۔ سی ۔کو کسن (H.C. Cookson) کی تحریر مونوگراف ان دی سلک انڈسٹری آف پنجاب کے ساتھ منسلک ہے۔ نیز اس کا ذکر فرنل آف انڈین آرٹ میں بھی موجود ہے۔

PHOORZA,s

پھورزہ، اسم ذات

درآمدات و برآمدات کے محصول کی وصولی کا دفتر: گجراتی زبان میں اسے "پھرجا" کہتے ہیں۔ جو عربی زبان کے لفظ فرضت سے ماخوذ ہے، اس کے معانی، ایک نشان یا پھر اونچائی، دریا کا دہانے یا بندرگاہ، کے ہیں۔ تاہم اس سے مراد، ایک ٹیکس، یا "درآمدات وبرآمدات کا محصول" ہے۔

PIAL,s

پال، اسم ذات

لوگوں کے بیٹھنے کا یک اونچا چبوترا، عام طور پر یہ برآمدے کے نیچے یا گھر کے دروازے کے کس ایک طرف بنایا جاتا ہے۔ یہ خالصتاً جنوبی ہندوستان کا لفظ ہے اور کسی حد تک معنی کے لحاظ سے یہ شمالی ہندوستان کے لفظ چبوترہ کا ہم معنی ہے۔ ولسن کے خیال میں یہ تلگو لفظ ہے۔ مگر حقیقت میں یہ پرتگالی لفظ پوہو (Poya) اور پویل (Poyal) ہے جن کے معانی ۔ لکڑی کی نشت، یا" بیٹھنے کی جگہ" ہے۔

(ہسپانوی لفظ پوہو(Poyo) ڈیز(Diez) کے مطابق یہ لاطینی زبان کا لفظ پوڈیم(Podium) ہے۔ جس کے معنی ابھری ہوئی بنیاد یا بر آمد کے ہیں۔ بلیٹو نے اس کی وضاحت گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے بنائے گئے پائیدان یا زینے کے ایک قدمچے کے طور پر کی ہے۔

PICAR,s

پائے کار، اسم ذات

پائے کار ہندی زبان کا لفظ ہے۔ (جو فارسی لفظ "پائے کار" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ پائے سے "ایک پاؤں" مراد ہے۔) خوردہ فروش، درمیانی تاجر، دلال۔

PICE,s

پائس، اسم ذات

ہندی میں پیسہ ہے۔ پیتل کا ایک چھوٹا سکہ، برطانوی ہند میں رواں سکوں کے نظام کے مطابق اس کی قیمت ایک آنے کے ۱/۴، روپیہ کے ۱/۶۴ حصے کے برابر ہے اور کسی حد تک فارتھنگ (Farthing) سے ۲/۳ فیصد کم ہے۔ عموماً پائس کا لفظ رقم کے لیے بے تکلفانہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ۱۸۷۰ء کے قانون کے تحت درج ذیل سکے رائج ہوئے۔

۱۔ دوگنا پائس یا نصف آنا

۲۔ پائس یا آنے کا چوتھا حصہ

۳۔ نصف پائس یا آٹھ آنہ

۴۔ پائی یا ۱-۱۲/۱ آنہ۔

دوسرے نمبر پر درج سکے کا استعمال سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے بہت سے سکوں، اوزان اور پیمائشوں کے ساتھ پکا پائس اور کچا پائس کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بعض اوقات (یہ دونوں لفظ) حکومت کے باقاعدگی کے ڈھالے جانے والے پیتل اور کچھ خاص بے وضع، پیتل کے ٹکڑوں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

PICOTA,s

پکوٹہ، اسم ذات

اشیاء کے وزن میں رعایت کے لیے شامل کیا جانے والی اضافی وظیفہ یا شرح فی صد، مختلف اشیاء کے لیے اس کی شرح بھی مختلف ہوتی ہے۔

PICOTTAH,s

پکوتاہ، اسم ذات

جنوبی ہندوستان میں یہ اصطلاح پانی کی سطح بلند کرنے والی ایک قدیم مشین کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ ایک لمبے بیرم یا گز پر مشتمل ہوتی ہے، جو سیدھا زمین پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ اس کے چھوٹے بازو پر وزن ڈالا ہوتا ہے اور لمبے بازو پر ایک رسی اور بالٹی لگی ہوتی ہے۔ اسے بالائی ہندوستان میں ڈھنکلی(Dhenkli)

، نیل کے علاقے میں اسے شادوف اور قدیم انگریزی میں سویپ، سونپ یا سوے پول کہا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ مشین اب بھی لندن کے جنوب مشرقی علاقے ٹیرا انکا گنٹیہ، (Terra incognita) میں سبزیوں کے کھیتوں میں استعمال ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ پرتگالی نام پکوٹہ (Picota) ہے۔ یہ ایک بحری اصطلاح ہے۔ جس کا اطلاق اب جہاز کے پمپ یا دستے پر ہوتا ہے۔ جہاں یہ پہیے کی رفتار کو روکنے یا کم کرنے کے کام آتا ہے۔ سمندر میں پکوٹہ (Picota) کو شکنجے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس لفظ کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا کوریا (Correa) نے نقل کیا ہے۔ یہ لفظ فتح رپورٹ کے ساتھ منسلک فرہنگ میں موجود ہے۔ مگر وہاں بھی اس کے ماخذ کا کوئی حوالہ درج نہیں ہے۔ فرائر (Fryer) ۱۶۹۸ء میں شائع ہونے والی کتاب میں نام دیے بغیر اس شے کا تذکرہ کیا ہے۔

PIE,s

پائی، اسم ذات

یہ ہندی زبان لفظ، "پائی" ہے۔ یہ اینگلو انڈین رواں سکوں میں پیتل کا سب سے چھوٹا سکہ ہے۔ یہ آنے کا ۱۲/۱ حصے، روپیہ ۱۹۲/۱ حصے اور فارتھنگ کے نصف حصے کے برابر ہے۔ اب یہی پائی کے مستند معنی ہے۔ مگر حقیقتاً پائی آنے کے چوتھے حصے کے برابر نظر آتی ہے اور جتنا ہمیں پتہ چلا ہے اس کے مطابق پائس اور اس کی قیمت برابر ہے۔

یہ ہندی میں مراٹھی لفظ "دوپائی" بمعنی "ایک چوتھائی" سے آیا ہے۔ جس کا ماخذ سنسکرت لفظ "پاؤ" ہے جو انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

PIECE GOODS

پائس گڈز

اب یہ اصطلاح ہندوستان میں درآمد کی جانے والی مانچسٹر کاٹن کے لیے استعمال ہوتی ہے جبکہ اصل میں تجارت کے حوالے سے اس کا اطلاق ہندوستان سے انگلستان برآمد کی جانے والی کاٹن پر ہوتا تھا۔ ایک ایسی تجارت جسے جان بوجھ کر بھاری محصولات کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔ لنکیشئر (Lancashire) نے اپنے مفاد کے لیے ان محصولات کو نافذ کیا۔ حال ہی میں اپنے مفاد کے لیے ہندوستان میں انگلستان سے برآمد کی جانے والی پائس گڈز پر محصولات کو موقوف کر دیا گیا ہے۔ (۱۸۹۸ء میں کاٹن کی اشیاء پر ۳ فیصد کی شرح مقرر کر کے یہ محصول پھر عائد کر دیا گیا تھا۔

ہندوستان سے درآمد کی جانے والی پائس گڈز کی مختلف اقسام کی فہرست ملبرن (Milburn) میں ملے گی۔ ہم انہیں نیچے اکٹھا کرتے ہے۔ (حالیہ ایڈیشن میں یہ فہرستیں حروف تہجی کی ترتیب سے دی گئی ہے۔ ہر

ایک سے پہلے دی گئی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ درج ذیل گروہ میں آتے ہیں۔

۱۔ وہ پائس گڈز جو ماضی میں بمبئی اور سورت سے برآمد کیے گئے۔

۲۔ مدارس اور ساحل سے برآمد کیے جانے والے پائس گڈز۔

۳۔ پائس گڈز کی یہ قسم بنگال سے برطانیہ برآمد کی جاتی تھی۔

یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ استعمال کی مثالوں کے طور پر پیش کیے گئے کتب میں ان اشیاء کے نام ان کے موجودہ ناموں کی نمائندگی کر سکتے ہیں یا نہیں۔

PIGDAUN,s

پگدان (پیکدان)، اسم ذات

ایک اگال دان؛ ہندی زبان میں پیکدان۔ پیک کا اصل مطلب چبائی ہوئی چھالیہ کا رس ہے۔

PIGEON ENGLISH,s

پیجن انگلش، اسم ذات

یہ خاص قسم کی ملاوٹ شدہ بگڑی ہوئی زبان ہے جو چینی بندرگاہوں پر چینی زبان سے نابلد انگریزوں اور انگریزی زبان سے نابلد چینیوں کے درمیان ابلاغ کا کام کرتی ہے۔ لفظ "بزنس" اسی نوعیت کی گفتگو کے دوران خلق ہوا۔ البتہ اب پیجن نے جارگن کی صورت اختیار کر لی ہے۔

PIG STICKING

پگ سٹکنگ

اس اینگلو انڈین اصطلاح کا اطلاق سور کے شکار کے لیے یا جنگلی سور کا خوشی سے تعاقب کرنے والے لوگوں کے مغرورانہ انداز پر ہوتا ہے۔ بہت سال پہلے جب موجودہ مصنفین میں سے ایک کا بنگال صدارت کے عہدے پر تقرر ہوا۔ ایڈن (Eden) میں بمبئی رجمنٹ کی فوجی طعام گاہ میں پہلی بار ان کی سب سے ملاقات ہوئی۔ (اب یہ دستہ بمبئی کے شاہی سپاہیوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔) بنگالیوں کی مہمان نوازی کو دیکھتے ہوئے وہ ان کی صدارتی کمزوریوں سے آگاہ کرنے کے موقع سے فائدہ حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔ چنانچہ چیف نے ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کی۔

۱۔ کمتر بنگالی گھوڑ توپ خانے۔

۲۔ سور کے شکار کے لیے اس پر نیزہ پھینکتے ہیں۔ یہ الزامات بظاہر قدیم روایات تھیں۔ تاہم انہوں نے ۱۸۴۰ء کے آخر تک حقائق کی حیثیت سے شناخت برقرار رکھی اور عملاً یہ اس بات کا اظہار تھا کہ اس سال کے آخر تک صدارتوں کے مابین رابطے کس قدر کمزور ہیں۔ کافی عرصہ ہوا اب ان دونوں

الزامات کو درست خیال نہیں کیا جاتا مگر غالباً یہ دونوں معاملات ۱۸ویں صدی تک موجود رہے۔ ہمیں یہ کہنے میں تامل سے کام لینا چاہیے کہ بمبئی اور بنگال میں سور کے شکار کی بنیادی تکنیک میں فرق ہے۔ بنگال کا نیزہ تقریباً ۱/۲ ۶ فٹ لمبا ہے۔ اس کا دستہ سیسے سے بھرا ہوتا ہے، جو اسے آخری حصے سے آسانی سے پکڑنے اور نشانے تک لے جانے میں مدد دیتا ہے۔ اگلا حصہ تھوڑا سا مڑا ہوتا ہے۔ سور اس کا حملہ اپنی دائیں پسلیوں پر وصول کرتا ہے۔ جب نیزے کا کنارہ سطح سے ۴۵ سے ۵۰ ڈگری بلند ہوتا ہے، تو درست رہنمائی کی صورت میں اس کا سرا سور کے کندھے میں چھید کر دیتا ہے۔ بمبئی کا نیزہ قدرے لمبا ہتھیار ہے جو فوجی نیزے کی طرح بغل کے نیچے دبا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ تاریخی کتب سے رائے اخذ کرتے ہوئے ہمیں یہ قیاس کرنا چاہیے کہ بنگال اور بمبئی دونوں میں بنیادی طریقہ نیزے کو پھینکنا ہی تھا مگر اب دونوں نے اسے آزادانہ طور پر رد کر دیا ہے۔

PIG TAIL,s

پگ ٹیل، اسم ذات

اس اصطلاح کا اطلاق چینی باشندوں کے بالوں کی دو یا تین لٹوں میں گندھی ہوئی چوٹی پر ہوتا ہے۔ یہ نام چینیوں کی ان کے آباؤاجداد سے منتقل ہونے والی چوٹی کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ سترہویں صدی کے مانچو فاتحین نے اس انداز کو رواج دیا تھا۔ اموئے(Amoy) اور سویٹو(Swatow) کے اضلاع کے مقامی باشندوں نے اس رواج کے خلاف کافی عرصہ تک مزاحمت کی تھی مگر آخر کار جب انھیں اس ناپسندیدہ وضع کو اپنانے پر مجبور کر دیا گیا تو انھوں نے غلامی کی اس نشانی کو چھپانے کے لیے کاٹن کی پگڑیوں کا استعمال کیا جو موجودہ دور تک استعمال ہوتی رہی ہیں۔ اس سے پہلے چینی لوگ اپنے (سر کے پچھلے حصے کے) بغیر مونڈھے ہوئے بالوں کو ایک جالی میں اکٹھا کر کے یا جوڑے کی صورت میں لپیٹ کر رکھتے تھے۔) ڈی روڈس(De Rhodes) ٹانگ کنگ کے لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ چینیوں کی طرح یہاں بھی عمدہ جالی میں بالوں کو لپیٹ کر ٹوپی کے نیچے رکھنے کی روایت تھی۔

PILAU, PILOW, PILAF

پلاؤ، پلو، پلاف

فارسی میں لفظ پلاؤ یا پِلاؤ ہے، اس کا ہم معنی لفظ "پلاکہ" ہے۔
یعنی "ابلے ہوئے چاولوں کا گولہ" یہ کھانا خالصتاً مسلمانوں کی طرف سے متعارف کروایا گیا ہے۔ یہ انڈہ دینے والے پالتو جانوروں کے گوشت پر مشتمل ہوتا ہے۔ چاولوں کو گوشت اور مرچوں کے

ساتھ ابال کر تیار کیا جاتا ہے۔ آئین اکبری [26]☆ میں اس کھانے کی ترکیب درج ہے۔ ہمارے پاس موجود قیمہ پلاؤ اسی نوع کے کھانوں کی ایک قسم ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اس قسم کے کھانے ہیں جنہیں کوئی نام نہیں دیا گیا۔ یہ نام انگلستان میں کم و بیش اتنا ہی جانا جاتا ہے جتنا کہ گوشت کا سالن۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ انگلستان میں لوگ اس کھانے سے واقف نہیں ہیں۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ تقریباً ۴۵ سال پہلے ہندوستان کی گھڑ سوار فوج کے دو سرجنوں کو کری اور پلاؤ کہا جاتا تھا۔

PINANG,s

پنانگ، اسم ذات

یہ لفظ ملاوی میں چھالیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ولندیزیوں نے بھی چھالیہ کے لیے ہمیشہ یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ان کے بعد دوسری اقوام کے کچھ مصنفین نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ چینی زبان میں چھالیہ کے لیے پن لنگ (Pin Lang) کا لفظ ہے۔ بریچنائڈر (Bectschneider) کے خیال میں ملاوی لفظ اسی چینی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

PINDARRY,s

پنڈاری، اسم ذات

یہ ہندی لفظ "پنڈاری" یا "پنڈارا" ہے۔ مگر مراٹھی لفظ "پنڈھاری" زیادہ قریب الاصل محسوس ہوتا ہے۔ مراٹھی زبان میں لوٹنے والے گروہ کے رکن کو "پنڈھار" یا "پنڈھارا" کہا جاتا تھا۔ اس لفظ کا اشتقاق واضح نہیں ہے۔ ہم ایک عجیب اتفاق کی بنیاد پر ایچ۔ ٹی۔ پرنسپ صاحب کے خیال کو رد کر سکتے ہیں کہ پینڈارا کا پینڈور سے وہی تعلق ہے جو قذاق کا قوسیک سے ہے۔ سر جان ملکولم کہتے ہیں کہ یہ نام اس گروہ کے آوارہ منش طرزِ زندگی کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ ان میں سے اکثریت پنڈو نام کی مخمور کر دینے والی شراب پیا کرتے تھے۔ (مولزورتھ (Molwsworth) کی مراٹھی لغت کے مطابق پنڈا الکس مورکم (Holcus Sorgham) سے تیارہ کردہ ایک مشروب ہے جسے مویشی اور آدمی دونوں استعمال کرتے ہیں۔) سر جان مشہور پنڈاری رہنما کریم خان کے حوالے سے اضافہ کرتے ہیں کہ انہوں نے اس نام کے ماخذ کے بارے میں کبھی نہیں سنا مگر میجر ہنلی (Henly) کے پاس اس کے اشتقاق کے حوالے سے ایک تجویز موجود ہے جسے وہ ایک ذہین پنڈاری سے اخذ کرتے ہیں مگر ولسن اسے مراٹھی زبان کے لفظ پنڈھا سے اخذ کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس سے مراد چاول کے ڈنٹھوں کے گٹھے ہیں۔ جنھیں اٹھانے والے کو "ہارا" کہتے ہیں۔ نام کا اصل اطلاق ان گھوڑ سواروں پر ہوتا ہے جو فوج کے ساتھ رہتے تھے اور انھیں گھوڑوں

اور مویشیوں کے لیے چارہ اکھٹا کرنے پر مامور کیا جاتا تھا لیکن کوئی بھی تجویز ہمیں مطمئن نہیں کرتی چنانچہ ایک اور معقول تجویز کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ہندی لفظ "پنڈ پڑنا" اور مراٹھی لفظ "پنڈاس بسّن" دونوں پیروی کرنے کا مفہوم دیتے ہیں۔ موخر الذکر قریب رہنے کے، مرتے دم تک پیروی کرنے کے، نا پسندیدہ ساتھی کے طرف دار رہنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یوں ان کلمات کا موزوں اطلاق فوج کے ان موالیوں پر ہوتا ہے جو شکار کی تلاش میں جاتے ہیں۔ [ولیم اروئن (W. irvine) صاحب نے انڈین اینٹکیٹی ۱۹۰۰ء میں شائع ہونے والی اپنی ایک تحریر میں لفظ کے ماخذ کے حوالے سے پیش کی گئی تجاویز میں دو مزید تجاویز کا اضافہ کیا ہے۔
(۱)۔ یہ اصطلاح بدر (Beder) نسل سے لی گئی ہے۔ (۲)۔ پینڈاری کا ماخذ لفظ پینڈ ہے۔ جس کے معنی "خوراک کا بندوبست کرنے والے" کے ہیں۔ بدر (Beder) نسل کے متعلق انہوں نے وضاحت کی ہے کہ میسور اور سلطنت نظام کے علاقوں میں سکونت پزیر تھی مگر اس تجویز پر یہ اعتراض ہے کہ ۱۷۴۸ء میں ایک مقامی مورخ رام سنگھ منشی نے بدر اور پنڈاری ان دونوں الفاظ کو دو مختلف گروہوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ اروائن صاحب کے خیال میں یہ لفظ پنڈھار کے علاقے سے اخذ کیا گیا ہے۔ مقامی مورخین کے مطابق یہ علاقہ نربودا میں برہان پور اور پنڈیا کے درمیان واقع ہے۔ پنڈاریوں کی اس علاقے میں سکونت کو ثابت کرنے کے لیے دو امور کے مابین پرانا تعلق (۲)۔ پنڈاریوں کے پاس پنڈھار کے علاوہ کوئی گھر یا مقام نہ تھا۔ پہلے بات کے جواز کے طور پر ہمیں ۱۷۹۴ء سے زیادہ پیچھے نہیں جانا پڑے گا۔ ۱۷۹۴ء میں سینڈیہ (sendhiah) نے انھیں نمار میں جگہ دی اس وقت سے پہلے یہ نام جانا جاتا تھا۔ اور اینگلو انڈین لغت میں موجود ہی تھا۔ دوسرے نکتہ کی بابت گرانٹ ڈف (Grant Duff) کہتے ہیں۔ ۱۷۲۶ء میں بہت سے پنڈاری خاندیش سے ہجرت کر کے مہارشٹر اور کرناٹک کی سرحدوں پر آباد ہوئے تھے گو کہ پنڈھار کے علاقے سے کئی سو میل کے فاصلے پر جنوب میں پنڈاری نام سے جانے والے افراد ۱۷۹۴ء میں ایک ایسے ملک میں آباد ہوتے ہیں جو ان کے قبضے میں آنے سے کم از کم ۹۰ سال پہلے پنڈھار کے نام سے جانا جاتا ہو گا۔ پنڈھار اور پنڈاری کے درمیان ایسا اتفاقی تعلق غیر معمولی ہے کہ ہم اسے خارج از مکان تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک موزوں نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پنڈھار ہی پنڈاریوں کا اصل گھر ہے اور انہوں نے اپنا نام اسی سے لیا۔ برہان پور اور انڈیا کے درمیان موجود زمین انہی کو عطا کی گئی تھی۔ پنڈاریوں کے آبائی گھر کا نام ہی پنڈھار ہے۔]
شواہد سے علم ہوتا ہے کہ پنڈاری سلطنت دکن میں مسلمان خاندانوں کے مابین لڑی جانے والی جنگوں

میں پروان چڑھے ہیں اور پھر سترھویں صدی کے آخر میں اورنگزیب کے خلاف مرہٹوں کی بغاوت کا حصہ بنے۔ ہر نسب سے ملنے والی معلومات کے مطابق لارڈ ولزلی کے عہد میں اور اس کے بعد بھی بہت سے پنڈاری رہنماؤں (Sindai) اور ہالکر (Halkar) سے وسطی ہند میں زمین کے ٹکڑے حاصل کیے۔ برطانوی تسلط سے باہر کے علاقوں میں جب ہر سمت ظالم وحشی قبائل انتشار پھیلا رہے تھے۔ پنڈاری بھی انھیں میں سے ایک ناقابل برداشت گروہ تھا۔ ان کی دست اندازیاں شمال مشرق میں بندل کھنڈ، جنوب میں کڈاپا، جنوب مشرق میں اڑیسہ سے ہوتی ہوئی جنوب میں گجرات تک پہنچ گئی۔ یہاں تک کے یہ برطانوی سلطنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ساحل پہ کئے جانے والے حملے میں پنڈاریوں نے دس دنوں میں ۳۳۹ گاؤں لوٹے، بہت سوں کو جلایا، ۶۸۲ انسانوں کو ہلاک اور زخمی کیا۔ ۳۶۰۰ پر تشدد کیا۔ اور ۲۵۰۰۰ ڈالر کے لگ بھگ کے اثاثوں کو یا تو اپنے ساتھ لے گئے یا تباہ کر دیا۔ تاہم ۱۸۱۷ء کے بعد گورنر جنرل نے حکومت سے اجازت لے کر ان پر کاری ضرب لگائی۔ حکومت برطانیہ نے مقامی حکمرانوں کی مدد لے کر پنڈاریوں کے خلاف مربوط حکمت عملی اپنائی اور ایک زبردست چال چل کر ان کی طاقت کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ یوں پہلی بار پورے ہندوستان میں برطانوی طاقت کا نمونہ پیش کیا گیا۔

PINE APPLE

پائن ایپل

مقامی پارچہ بافوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر پینا پھول یا مینا پھول بنا دیا ہے۔ پائن ایپل (اناس) جیسے نقش و نگار کی وجہ سے اس کا بگڑا ہوا نام ایک ریشی کپڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

PINJRAPOLE,s

پنجرہ پول، اسم ذات

یہ گجرات میں موجود جانوروں کے ہسپتال کا نام ہے۔ گجراتی زبان میں پنجرہ پول بولا جاتا ہے۔ (حقیقت میں اس سے مراد "مقدس بیل" ہے جسے شیوا کے نام پر چھوڑا جاتا ہے۔ سورت میں بھی ایک جانوروں کا ہسپتال ہے۔ جسے بینن ہسپتال (Banain hospital) کہتے ہیں۔ سورت کے ہسپتال کے لیے پنجرہ پول کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ مولز (Moles) نے اسے مراٹھی زبان میں کافی جدید قرار دیا ہے۔

PIANTADO

پنٹڈو

یہ پرتگالی کا لفظ ہے۔

ا۔ ایک رنگا ہوا یا نشان زدہ کپڑا مثلاً مختلف رنگوں میں چھاپا ہوا چمکدار سوتی کپڑا۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ اس لفظ کا اطلاق رنگوں کی چھپائی والے تمام مال پر ہوتا ہے۔ کچھ ہاتھ کے چھاپے ہوئے عمدہ ہندی سوتی کپڑے بھی اس میں شمار ہوتے ہیں۔

ب۔ یہ چینا مرغ کو دیا جانے والا ایک نام ہے۔ یہ نام اسے اس کے پروں اور چھپے ہوئے کپڑوں کے مابین مماثلت کی وجہ سے دیا گیا ہو گا۔ مگر درحقیقت پرتگالی میں پنٹا کے معنی دھبے یا نشان کے ہیں۔

PISACHEE

پشاچی

یہ سنسکرت لفظ پشاچی ہے۔ جس کے معنی مونث بدروح کے ہیں۔ اس کا مذکر پشاچہ ہے۔ جنوبی ہندوستان کے کچھ قبائل کچھ بدروحوں کی عبادت کرتے ہیں، انہی کو یہ نام دیتے ہیں۔ مزدوروں کی روحوں خصوصاً جن کو خوفناک موت کا سامنا کرنا پڑا کے لیے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ تامل زبان میں انہیں پائے (pey) کہا جاتا ہے۔ سر واٹر ایلٹ (Water Ellot) کے خیال میں پشاچی راکھشس کی طرح اصل باشندوں کی ایک شاخ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پشاچی بولی دراوڑی بولی سے قدرے مختلف ہے۔ اس کی مشاہدہ پرایا (Paraiya) کی عام بول چال میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بہت سے خالص تامل حروف بولنے سے قاصر ہے۔ تاہم ایک ہندوی ڈراما میں پشاچہ بھاشا کو سنسکرت کی بگڑی ہوئی شکل کے طور پر متعارف کروا دیا گیا۔ بطور اصطلاح پشاچی کا اطلاق چھوٹے چکر دار طوفان پر بھی کیا جاتا ہے۔ جسے یورپی شیاطین کہتے ہیں۔ ہمیں علم نہیں ہے کہ لفظ پشاچی کو سفید بدروح کے معنوں میں کب اور کہاں استعمال کیا گیا۔

PISANG,s

پسنگ، اسم ذات

یہ ملاوی کا لفظ ہے۔ یہ کیلے یا کیلے کے ہم اصل پودے پلانٹین (Plantain) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انگریز یہ لفظ استعمال نہیں کرتے مگر ولندیزی اور جرمن لوگوں کے ہاں اس کا اطلاق عام ہے۔ غالباً نارویجن اور سویڈن کے باشندوں نے اسے ولندیزیوں ہی سے سیکھا ہے۔

PISHPASH,s

پش پش

بظاہر یہ ایک اینگلو انڈین لفظ ہے۔ جس کا اطلاق چاولوں کے ایسے سوپ پر ہوتا ہے۔ جس میں گوشت

کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوں۔ اس لفظ کا کثرت سے استعمال اینگلو انڈین نرسری میں ہوتا ہے۔ (غالباً یہ پرتگالی لفظ پش پش ہے جس کا معنی ریزہ ہوا ہوا یا ٹکڑوں میں ٹوٹا ہوا ہے۔ فارسی لفظ پسیدن اس کا ماخذ ہے۔

PITARRAH,s

پٹارا، اسم ذات

ایک ڈبا جو مسافر کے کپڑوں کو لے جانے کے لیے پالکی کے سفر کے دوران استعمال ہوتا ہے۔ ہندی میں اسے پٹارا اور سنسکرت میں اسے "پٹاکا" یعنی "ٹوکری" کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ٹوکری ہے جو بید سے بنائی جاتی ہے، مگر بعد ازاں اسے ہلکی لکڑی کے ڈھانچے اور لوہے کی چادر سے بھی بنایا گیا۔

PLANTAIN,s

پلنٹین، پلانٹین، اسم ذات

عام طور پر اینگلو انڈین مسا سیپینٹم(Masa Sapientum) کو اس نام سے جانا جاتا ہے مگر کتابیں مسا سیپینٹم (Musa Sapintium) اور پلانٹین کے درمیان فرق کرتی ہے۔ نیز کیلے اور مسا سیپینٹم کے درمیان بھی تمیز قائم کرتی ہے۔ مگر ان دونوں کے درمیان تمیز قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ تنوع بتدریج اور کثیر ہے۔

نباتاتی نام مُسا(Musa) عربی لفظ(Muza) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا ماخذ سنکرت لفظ موچا ہے۔ سیپنٹم کا مخصوص نام پلینی میں ایک اقتباس کی وجہ سے سامنے آیا ہے۔ مخصوص پیراڈسیہ(Paradisaicia) مشرقی عسیائیوں کے قدیم عقیدے سے اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ یہ وہ درخت ہے جس کے پتوں سے آدم اور حوا نے اپنا لباس بنایا تھا۔ ایک مزید متصوفانہ خیال اس پھل کے ساتھ ہی منسلک ہے کہ یہ جنت کا منع کردہ پھل تھا۔ بیجوں سے بننے والی صورت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب ہمارے آباؤ اجدار نے اس پھل کو کاٹا ہو گا تو انھوں نے اسے آڑی ترچھی لکیریں یا صلیب سمجھا ہو گا۔ قروں وسطی کے مسافر عموماً اسے موسیٰ(Muse) یا جنت کا ناشپاتی کہتے ہیں۔ یا بعض اوقات ہندوستان کا ناشپاتی یا انجیر بھی کہا جاتا ہے۔ آج بھی ویسٹ انڈیز میں پلانٹین کو انجیر یا ناشپاتی کہا جاتا ہے۔ پرتگالیوں نے بھی عادتاً اسے ہندوستان کا انجیر یا ناشپاتی کہا ہے۔ غالباً اسی نے ملٹن کے ذہن میں الجھن کو جنم دیا۔ چنانچہ اس نے اسے بڑے پتوں والا درخت بنا دیا۔ اور اس کے پتوں کے حجم کے بارے میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی کی۔

ہندوستان میں انگریزوں نے کبھی بھی بنانا (کیلے (Banana)) کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ جبکہ یہ نام لندن کے پھلوں کی دکانوں میں عام مستعمل ہے، جہاں یہ پھل تقریباً ہر موسم میں موجود ہوتا ہے۔

اچھے معیار کا یہ پھل میڈیرا(Medira) سے خاص طور پر در آمد کیا جاتا ہے۔ سکیٹ صاحب کہتے ہیں کہ آبنائے کے علاقے میں پلانٹین (plantian) کا نام ان متنوع اشیاء کے لیے مخصوص ہے جو پکانے کے بعد کھانے کے قابل ہوتی ہیں۔ عام طور پر بنانا(Banana) اور پلانٹین کو ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر موخر الذکر ہر لحاظ سے ایک کم استعمال ہونے والا نایاب لفظ ہے۔

پلانٹین بنانا سے زیادہ ہندی الاصل لفظ نہیں ہے۔ پلانٹین یا پلٹنو کے نام سے اس پھل کو پہلی مرتبہ ویسٹ انڈیز لایا گیا۔ اویڈو (Oviedo) نے ۱۵۱۶ء میں اسے پلنی کے پلینٹسن سے مختلف سے قرار دیا ہے۔ بلٹیو(Bluteau) اسے ہسپانوی لفظ خیال کرتا ہے۔ گپے صاحب کے خیال میں ہسپانیوں نے یہ لفظ جنوبی جزائر قرب الہند میں بنانا (کیلے) کے لیے مستعمل لفظ" پلیٹنہ" سے لیا ہے۔ آسٹریلوی نو آباد کاروں نے بھی کزورنیا(Casurina) کے درخت کو شی اوک(She-oak) کا مقامی نام دینے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ یوں ہم با آسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح ہسپانوی میں "پلٹنو" کا لفظ پلین کے درخت اور کیلے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پروفیسر سکیٹ اسے ایک لاطینی لفظ "پلینٹ"سے اخذ کرتے ہیں جس کے معنی ایک پودے کے ہیں یعنی کس جڑ سے پھوٹنے والی ذیلی کونپل، پلانٹین نام کی وجہ سے تسمیہ اس کے پھیلتے ہوئے پتے ہیں۔ پلانٹین یا بنانا (کیلے) کا مغرب میں تیزی سے پھیلاؤ ایشیاء کی قدیم دنیا میں اناناس(Ananas) کے تیز پھیلاؤ سے مشابہ ہے۔ منڈوکا (Mendoca) کے تراجم سے سامنے آئے گا کہ ۱۵۸۵ء میں ہسپانوی لوگوں نے پلنٹنو کا لفظ اسی شے کے لیے استعمال کیا ہے۔ جس کے لیے انگریز پلنٹین کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر بیلی (Bailley) کی لغت کے ۱۷۳۶ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن میں بھی اس لفظ کی وضاحت میں صرف لاطینی لفظ پلنٹگو درج ہے۔ جس سے مراد میدانی خودرو گھاس پھوس ہے۔ فلپائنی جزیروں میں ہسپانوی لوگ پلٹنو یا پلنٹنو کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

PLASSEY, n.p

پلاسی، اسم معرفہ

پلاسی ایک گاؤں کا نام ہے۔ لارڈ کلائیو (Clive) کی ایک مشہور جنگ اس گاؤں کے نام سے منسوب ہے۔[27☆] (۲۳ جون ۱۷۵۷ء) غالباً یہ نام پالس کے درخت سے لیا گیا ہے۔

PODAR,s

پدار، اسم ذات

ہندی لفظ" پدار" فارسی لفظ فطدار(fotadar)کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کا سادہ 'فطہ' ہے۔یعنی" رقم کا تھیلا"یوں اس کے معنی رقم کی حفاظت کرنے والے یا خزانے سے منسلک عہدے دار کے ہیں۔ جس کا کام سکوں کا وزن کرنا، انھیں شمار کرنا اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ہوتا ہے۔

POGGLE, PUGGLY, &c,s

پگلی، اسم ذات

یہ ہندی زبان کا لفظ" پاگل "ہے۔ جس کے معنی بیو قوف کے ہیں۔ اینگلو انڈین میں یہ لفظ عام بول چال میں استعمال کیا جاتا ہے۔

POISON NUT ,s

پوائزن نٹ، اسم ذات

کچلا کا زہر یلا پودا، نکس وامیکا

POLEO, n.p

پولئو، اسم معرفہ

پولین ملاوی لفظ ہے۔(تامل لفظ پُلم (Pulam)، بمعنی "کھیت یا میدان"سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ مالابار میں ان لوگوں کو چاول کی کاشت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے)۔ یہ نچلی ذات یا کم تر قبائل کے وہ لوگ ہے جو اگر مخصوص فاصلے سے تجاوز کرے تو اونچے طبقے کے لیے ناپاکی کا باعث بنتے ہیں۔(لوگان صاحب نے لوگوں سے ان کے میل جول کے قوانین تحریر کیے ہیں) لفظ "پلا" سے پرتگالی زبان میں فعل بھی تشکیل دیے گئے ہیں۔ مثلاً امپولیز یعنی کسی نچلی ذات کے فرد کے چھونے سے ناپاک ہو جانا، ڈسامپولیئر یعنی اپنے آپ کو ایسی ناپاکی سے پاک کرنا۔ مینزس(Minezes)نے مالابار کے عیسائیوں کے حوالے سے ایسی توہمات کا ذکر کیا ہے۔

POLIGAR,s

پولی گر،اسم ذات

یہ اصطلاح مدراسی صدارت کے لئے مخصوص ہے۔ اس سے مراد کم حیثیت کے حامل جاگیر دار ہیں جن کے پاس وسیع ویران قطعہ زمین تھے۔ماضی میں ان کی عمومی پہچان ان کا ظالمانہ رویہ تھا۔ اب اس اصطلاح کے کثرت استعمال سے انھیں زمیندار کے ہم پلہ تصور کیا جاتا ہے۔ تامل زبان میں ایک لفظ 'پلائی یکارن' (Palaiyakkaran)ہے جس کے معنی پالیم کے مالک یا زمینداری والے قطعہ اراضی کے ہیں۔ تلگو زبان میں لفظ پلیگاڈو اور مراٹھی میں

پانگار ہے۔ یقیناً لفظ کی انگریزی صورت انہی لفظوں ہی سے لی ہو گئی۔

تقریباً ۱۰۰ سال پہلے ان پولی گروں نے کافی فساد کھڑا کیا۔ پولی گر جنگیں قدرے سنجیدہ معاملات میں شمار ہوتی ہیں - پانجا لمکریچی (Panjalamkurichi) پر ایک حملے کے دوران ۱۷۹۹ء سے ۱۸۰۱ء تک ٹنولی (Tinnevely) میں ان کے ایک قلعہ پر لڑائی میں ۱۵ برطانوی افسران مارے گئے۔ جنوب کے پولی گاروں کے متعلق نلسن کی کتاب نے مادھورا اور بشپ کالڈول (Coldwell Bishap) کی دلچسپ کتاب ہسٹری آف تنولی (History of Tinnevely) میں معلومات مل سکتی ہیں۔ عام طور پر یہ اصطلاح مرہٹوں کی سرحد کے شمال میں بکثرت استعمال ہوتی ہے۔

POLIGAR DOG,s

پولی گرڈاگ، اسم ذات

یہ جنوبی ہندوستان میں پائے جانے والے کتوں کی ایک بڑی نسل ہے۔ پولی گرڈاگ بڑے اور طاقتور ہوتے ہیں۔ بغیر بالوں کے جلد بھی ان کی ایک نمایاں خاصیت ہے۔

POLO,s

پولو، اسم ذات

یہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر کھیلا جانے والا ہاکی کا کھیل ہے۔ بالٹی (Balti) سے اخذ کئے گئے نام کے تحت یہ انگلستان میں متعارف کروایا گیا۔ علاقائی زبان میں "پولو" دراصل اس کھیل میں استعمال ہونے والی گیند کو کہتے ہیں۔ بہت عرصہ بعد اس کھیل کا دوبارہ احیاء کیا گیا۔ حالانکہ یہ کھیل بہت پہلے سے جانا جاتا تھا۔ یہ کھیل اپنی مختلف صورتوں میں ہندوستان کے صوبے سے چین کی سرحدوں تک کھیلا جاتا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ یہ ہمالیہ کے انتہائی مشرق میں کچار اور برما کے درمیان سنی پور اور انتہائی مغرب میں وادی سندھ (لداخ، بلتی، استور، گلگت اور چترال) تک کھیلا جاتا ہے۔ اس کے بعد سب سے پہلے گلگت کے لوگوں نے اس کھیل کو اختیار کیا۔ تھوڑے عرصے بعد تقریباً ۱۸۴۶ء سے پنجاب میں متعارف کرایا گیا۔ اسی دوران زیریں صوبوں اور کشمیر میں موسم گرما میں آنے والے سیاحوں نے اسے قبول کیا۔ ۱۸۷۱ء میں پہلی بار انگلستان میں اسے ایلڈرشوٹ (Aldershoot) کے مقام پر کھیلا گیا۔ اسی سال اگست میں اسے ڈبلن کے فونکس پارک میں بھی کھیلا گیا۔ یوں اگلے سال اسے اور بہت سے مقامات پر کھیلا گیا۔ مگر ٹائم کی تحریروں میں جس پہلے میچ کا ذکر ملتا ہے وہ للی

برتج(Lillic Bridge) میں ۱۱ جولائی ۱۸۷۴ء کو کھیلا گیا تھا۔ ہندوستان کے برطانوی افسران کی ایجاد کے طور پر اس کھیل کا ذکر ۲۰ جولائی ۱۸۷۴ء میں شائع ہونے والے Illustrated Landon News میں ملتا ہے۔[اس کھیل پر لکھے جانے والے علمی مقالے بیڈمنٹن لائبریری (Badminton Library) کے مصنف کے مطابق یہ کھیل ۱۸۵۴ ء میں لیفٹنٹ شئیرر(Sheres) کی طرف سے متعارف کروایا گیا۔ ۱۸۵۹ء میں اس کے لئے ایک کلب تشکیل دیا گیا۔ اس مصنف کے مطابق صوبہ سرحد اور پنجاب میں یہ ۱۸۶۱ء۔۱۸۶۲ء میں متعارف ہوا۔ بیلی کے میگزین میں چھپنے والا مقالہ دی ارلی ہسٹری آف پولو " The early history of Polo " بھی غور طلب ہے۔ یہ لداخ میں استعمال ہونے والا مقامی نام نہیں ہے ۔ اسے بلتستان نے متعارف کرایا۔ ان علاقوں کے کھیل کے بارے میں دلچسپ معلومات ایف ڈریو صاحب(F.Drew) کی بہترین کتاب دی جموں اینڈ کشمیر ٹیریٹری (The Jummo and Kashmir Tessitation) سے مل سکتی ہیں۔

پروفیسر ٹیلر(Tayler) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھیل اب تک جاپان میں موجود ہے۔

POLLOCK-SAUG's

پالک۔ساگ، اسم ذات

پالک، پالک ساگ ہندی زبان کے الفاظ ہیں۔ یہ ایک عام سی سبزی ہے۔ جسے دیہی پالک بھی کہا جاتا ہے۔(ریڈل(Riddell) اسے بنگال بیٹ یعنی بنگال کی ترکاری کہتا ہے)

POLONGA, TIC-POLONGA,s

پلنگہ، تک پلنگہ، اسم ذات

سیلون میں یہ نام بہت زہریلے سانپ کو دیا جاتا ہے۔ "پلنگرا" اس کا ہے۔ (مدراس گلوسری میں اس کے لئے 'چین وائپر' کا لفظ ہے جس کے معنی "سانپوں کے ہار" کے ہیں۔

اس کے لئے ٹِٹ پلنگہ کا نام بھی مستعمل ہے۔ ٹٹ کے معنی داغ یا نشان کے ہیں۔ جبکہ پلنگہ زہریلے سانپ کا مطلب دیتا ہے۔

POMERET, POMPHRET,s

پمیرٹ، پمفرٹ، اسم ذات

یہ دبی ہوئی شکل کی سمندری مچھلی کی ایسی نوع ہے جس کی کئی مزید اقسام ہیں۔ ہندوستان کے تمام ساحلوں پر کھانے کے لئے مشہور ہے۔ ڈے(Day) کے مطابق ان سب کو پکڑا جا سکتا ہے۔ نابالغ اسے

سفید پمفرٹ، جبکہ بالغ اس مچھلی کو نقرائی پمفرٹ کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سرمائی پمفرٹ اور کالی پمفرٹ بھی ہیں۔ پونڈی چیری (Pondicherry) کے فرانسیسی لوگ اسے پیمپل (Pample) کہتے ہیں۔

ہم اسے (Athenacous) ایتھنائیس مچھلی کے ساتھ نہیں جوڑ سکتے۔ جسے ایک بہت ہی مختلف مچھلی "پائلٹ فش کے مماثل" قرار دیا جاتا ہے۔

غالباً یہ پرتگالی زبان کے لفظ پمپنو (Pampno) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کے معنی 'پچھواں بیل کے پتے' کے ہیں۔ ان دونوں مختلف چشم کی مچھلیوں کے درمیان غلط فہمی شدید مماثلت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ دراصل یہ ایک ایسی مچھلی کا پرتگالی نام ہے جو وہاں موجود ہے جہاں پمفرٹ کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔

POMMELO, PAMPLEMOOSE, &c,s

پمیلو، پمپلیموز، اسم ذات

ترشاوا مالٹے کے قبیلے کا سب سے بڑا پھل ہے۔ یہ بالکل ویسٹ انڈیز کے پھل شیڈوک (Shaddock) جیسا ہے۔ متنوع اقسام کی وجہ سے پمیلو نام کی کچھ صورتوں کا اطلاق مغرب میں بھی ہوتا ہے۔ عمدہ چھلکے والے اس پھل کا ایک چھوٹا گروہ لندن کے بازاروں میں منع شدہ پھل کے طور پر فروخت کیا جاتا ہے۔ گو کہ یہ پھل ہندوستان کے باغات میں وسیع قطعہ اراضی میں اگایا جاتا ہے۔ مگر یہ پھل صرف خط استواء کے قریب خصوصاً جاوا میں اپنی بہترین صورت میں نمو پاتا ہے۔ غالباً یہ یہیں سے پورے براعظم میں لایا گیا تھا۔ کیونکہ بنگال میں اسے بٹاری نیمبو کہا جاتا ہے۔ چونکہ آئین اکبری میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے اس لئے غالب امکان ہے کہ یہ سترہویں صدی کے بعد ہی ہندوستان میں متعارف ہوا ہو گا۔ برٹسچندر (Bretschneider) کے مطابق شوکنگ کی قدیم چینی کتابوں میں بھی ہملو کا ذکر اس کے چینی نام "یو" سے موجود ہے۔

اس کی مذکورہ صورت اینگلو انڈین میں عام استعمال ہوتی ہے۔ مگر یہ غالبا صرف معنی جاننے کی سمت کوشش کا جدید نتیجہ ہے۔ قدیم مصنفین کے ہاں اس نام کی مختلف نامانوس صورتوں پر بحث ملتی ہے۔ تورنیر (Tavernier) نے اسے پمپونی (Pompone) کہا ہے مگر فرانسیسی میں عام طور پر اسے پیمپل موزز (Pample mousse) کہا جاتا ہے۔ ڈیپئیر (Dampin) نے اسے پمپل نوز (Pimplenose)، لاکئیر نے اسے پمپل موز، فارسٹ نے اسے پمپل نوز (Pummel-nose) اور آئی ویز (Ives) نے اسے پمپل نوزز کا نام دیا ہے۔ مولزورتھ کی مراٹھی لغت میں پیاناس، پپناس یا پپنس کے الفاظ دیے گئے ہیں اور اسے جنوبی امریکہ کا ایک لفظ قرار دیا گیا ہے۔ ہم اس کے درست اشتقاق کی وضاحت سے قاصر

ہیں۔ مگر لٹر (Littre) پورے اعتماد سے تامل لفظ بمبولمس (Bambolimas) اور پمپرا پنسا (Pampara-panasa) کو تلگو زبان کے الفاظ اور بمبلی نارنجی کو ملیالم زبان کا لفظ قرار دیا ہے۔ اگر ان تمام الفاظ کو درست خیال کر بھی لیا جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کسی بیرونی اصطلاح کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ (ایف برانڈٹ صاحب(F. Brandt) نے نشاندہی کی ہے کہ اوپر بیان کردہ صورتیں محض ایک تامل لفظ پمپلی ماسو (Pambalimasu) کی تحویل حرفی کی مختلف کوششیں ہیں۔ اس کا ہم معنی ملیالم لفظ بمبالی نارکم (Bambali narkam) یعنی "بُمبلی کا درخت" ہے۔ مدراس گلوسری کے مطابق یہ تمام اور اس لفظ کی تمام انگریزی صورتیں بھی مالے زبان کے لفظ پمپولمس سے اخذ کی گئیں ہیں۔[سکیٹ صاحب کہتے ہیں کہ ۱۸۰۱ء کی ایک متروک مالے لغت میں اس کا نام پوم پلموس (Poomplemoos) ملتا ہے۔ ایک ایسا پھل جسے کیپٹین شیڈوک ہندوستان سے رائے تھے۔ بربدوس (Barbadoes) میں اس کا بیج بویا گیا۔ یہاں پروان چڑھنے کے بعد ہی اس نے کوئی نام حاصل کیا۔ موز (Moos) کا لاحقہ ولندیزی لفظ موز (Moos) بمعنی 'سبزی' سے اخذ شدہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو مالے لفظ کبھی بھی اس کی اصل صورت نہیں ہو سکتا۔]

PONDICHERRY,n.p

پُنڈچیری، اسم معرفہ

ہندوستان میں اہم فرانسیسی نو آبادیات کا نام پرچ چیری یا پٹھو کیری ہے یعنی نیا قصبہ، اسے مزید بگاڑ کر پدووے اور پھُووے یعنی "نئی جگہ" بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم سی۔ پی براؤن نے اسے پدی چیرو (Pudicheru) یعنی "نئی جھیل" کہا ہے۔ مقامی لوگ بعض اوقات اسے پھل چیری بھی لکھتے ہیں(Phulchari) ۔ گرسٹن(Garstin) صاحب کے مطابق ہندو اسے پتھوے(Puthevai) یا پتھچری بلاتے ہیں جبکہ مسلمان 'پلچیری (Pulcheri)' کہتے ہیں۔ مدراس گلوسری میں بھی اسے "پلچیری" ہی لکھا ہے۔

PONGOL,s

پنگل، اسم ذات

یہ ہر جنوری کے آغاز میں جنوبی ہندوستان میں منایا جانے والا ایک میلہ ہے۔ یہ تامل لفظ پنگل یعنی "ابلتا ہوا" ہے۔ چونکہ اس میلے کا آغاز نئے چاولوں کو ابال کر کیا جاتا ہے چنانچہ اسی نسبت سے اس کا یہ نام مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ایک قسم کا فصل کی کٹائی پر منایا جانے والا تہوار ہے۔ مرحوم سی۔ ای۔ گورے نے اس میلے کی بہت دلچسپ روداد لکھی ہے۔ انہوں نے اس

تہوار کو قدیم ویدک مذہب سے جوڑا ہے مگر اس خیال کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

POOJA,s

پوجا، اسم ذات

صیح معنوں میں اس کا اطلاق بت پرستی کہ ہندوانہ تقریبات پر ہوتا ہے۔ سنسکرت میں اس کے لئے 'پوجا' کا لفظ ہے۔ بے تکلفانہ بول چال میں اس کا اطلاق کچھ رسموں پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے محافظ سواروں کی تقریب میں پرچم کشائی کرنے کو بھی 'جھنڈے کی پوجا' کہا جاتا ہے۔

POOJAREE,s

پجاری، اسم ذات

پجاری ہندی زبان کا لفظ ہے۔ بتوں کے مندر میں مذہبی رسومات کی قیادت کرنے والے پروہت کو پجاری کہتے ہیں۔

POOL,s

پل، اسم ذات

پل کا لفظ فارسی زبان سے ہندی زبان میں آیا ہے۔

POOLBUNDY,s

پل بندی، اسم ذات

پل بندی کا لفظ فارسی زبان سے ہندی زبان میں آیا ہے۔ اس کا مطلب پلوں اور پشتوں کی حفاظت کرنا ہے۔ماضی میں یہ نام پشتوں کی حفاظت کرنے والے بنگال کے با اختیار شہری محکمے کو دیا گیا تھا۔ نیز بعض اوقات عام لوگ پشتوں کے لئے بھی اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

POON, PEON, &c,s

پون،پیئن، اسم ذات

کنارا کی زبان میں یہ لفظ پونی (Ponne) ہے۔ (ملاوی میں "پُنہ" (Punne) ، سنسکرت میں پنگا،(Punege)ہے۔(ایک قد آور درخت جو کنارا کے جنگلوں میں اگتا ہے۔ ماضی میں اس کی لکڑی مستول کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔(لنسچوٹن نے بھی اس درخت کا ذکر کیا ہے مگر یہ نام استعمال نہیں کیا)۔

POONAMALEE, n.p

پونا ملی، اسم معرفہ

یہ ایک قصبہ ہے۔ ماضی میں یہ مدارس کے جنوب میں ۱۳ میل کے فاصلے پر مدراسی صدارت کے ضلع چنگلہ پت میں ایک فوجی چھاؤنی تھی۔ امپیریل گزٹ

میں اس کا نام پونہ ملو اور پندا ملائی ملتا ہے۔ کرنل برنفل (Branfill) نے اسے پونتھا ملی لکھا ہے۔ مدراس گلوسری میں اس کے لیے تامل لفظ پندا ملی لکھا ہے جس کے معنی " چنبیلی پھیلانے والی بیل کا قصبہ " ہے۔ مدراس کے بازاروں میں فروخت کرنے کے لیے یہ بیل بڑے پیمانے پر اگائی جاتی ہے۔

POONGEE, PHOONGY,s

پونگی، فونگی، اسم ذات

برطانوی برما میں عام طور پر یہ نام بدھ مت پر شدت سے کار بند ہونے والوں کو دیا جاتا تھا۔ اس لفظ میں عظیم جاہ و جلال کا مفہوم ہے۔

POORANA,s

پرانا، اسم ذات

پرانا سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "قدیم" کے ہے۔ عام طور پر برہمنوں کی ۱۸ اہم اساطیری کتابوں کو یہ نام دیا جاتا ہے۔

POORUB AND POOBEEA,s

پورب اور پوربیہ، اسم ذات

ہندی لفظ پورب کے معنی " مشرق " کے ہیں۔ یہ سنسکرت زبان کے لفظ "پروا" یا "پربا" سے آیا ہے۔ جس کے معنی "سامنے " کے ہے۔ جسے ہندی لفظ پچھم کے معنی ' پیچھے ' یا " مغرب" کے ہیں۔ دکشنا (Dakshina) کے معنی " داہنی طرف " یا جنوبی سمت" کے ہیں۔ بالائی ہندوستان میں عام طور پر اس اصطلاح سے اودھ، بنارس کا انتظامی حلقہ یا بہار کا علاقہ مراد لیا جاتا ہے۔ پس پوربی سے مراد "ان علاقوں کے باشندے " ہیں۔ پرانی بنگال فوج کے دنوں میں سپاہی کے لئے پربی کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ کیونکہ فوج کی اکثریت ان ہی علاقوں سے بھرتی کی جاتی ہے۔

POOTLY NAUTCH,s

پتلی ناچ، اسم ذات

صیح لفظ ہندی کٹھ پتلی ناچ ہے۔ کٹھ پتلیوں کا کھیل

POOPER-CAKE

پاپڑ کیک

بمبئی اور مدراس میں اسے پپادم (Popadam) کہتے ہیں۔ بظاہر یہ دونوں لفظ اور چیزیں ایک ہی ہے۔ تاہم اول الذکر ہندی اور مراٹھی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا ماخذ " پاپڑ " ہے۔ سنسکرت میں لفظ" پرپٹا"۔ موخرالذکر تامل لفظ پپاڈم (Pappadam) ہے۔ یہ اصل لفظ پرپو آدم کا مخفف ہے جس کے معنی "مسور کی دال کی جمی ہوئی ٹھوس شکل ہے"۔ [مدراس گلوسری میں تلگو لفظ آپدم، تامل لفظ، آپلم اور ملاوی لفظ پپیٹم دیئے گئے ہیں جن کے باترتیب معانی دال،

آٹے اور کیک کے ہیں) یہ ایک قسم کا آٹے، گھی اور دودھ سے تیار کردہ تھوڑی دیر سنکا ہوا کیک ہے۔ یا پھر بہت ہلکا، خستہ میٹھا بسکٹ ہوتا ہے جسے خاص طور پر آئس کریم کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں اسے مسالے میں ڈال کر اور تل کر خستہ بنایا جاتا ہے، اکثر اسے یورپی دستر خوان پر سالن کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے کسی انجان کو پیش کرنے کے لئے بھی برا کھانا تصور نہیں کیا جاتا۔

PORCA,n.p

پرکہ، اسم معرفہ

امپیریل گزیٹیر آف انڈیا میں اسے "پرکاد" اور "پرکدہ" لکھا گیا ہے۔ مزید درست کر کے "پڑاکاڈو" بولا جائے گا۔ (مدراس گلوسری میں ملاوی کا لفظ پرکاتو (Purakkatu) دیا گیا ہے۔ پُر، کے معنی "باہر" اور "کاتو" کے معنی "جنگل" کے ہیں۔ ماضی میں ترونکور (Taravacore) کے ساحل پر واقع قصبہ دراصل ایک الگ ریاست تھی۔ یہاں پرتگالیوں کا ایک قلعہ تھا۔ سترہویں صدی میں یہاں ولندیزوں کا ایک کارخانہ تھا۔ ۱۷۹۶ء میں فرا پاؤلینا (Fra Paolina) نے اس شہر کا ذکر سوداگروں، مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے گنجان آباد شہر کے طور کیا ہے۔ مگر اب اس شہر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

POROCELAIN's

پورسلین، اسم ذات

چین کے برتنوں کے لئے اس لفظ کے استعمال کی تاریخ حسب ذیل نظر آتی ہے۔ یک صمامی رخوہ کا خاندان سپرانڈائے (Cypracidae) کہلاتا ہے، قرون وسطی کے اٹلی میں کوڑی (Cowries) کو پورسلنا (Porcellana) اور پور سلیٹا (Porceletta) کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ نام اسے پگ (سور) کے جسم اور پشت سے بہت زیادہ مماثلت کی وجہ سے دیا گیا۔ البتہ مماثلت کی یہ تجویز مائن (Mahn) کی پیش کردہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر جے - ای - گرے (J.E.Gray) کی تحریر کردہ صورتحال کے ذریعے موثر انداز میں اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ انگریزی ساحلوں پر پگ خول کے خاندانوں کا عام نام ہے۔ جبکہ "سو" (جوان سورنی) بھی ان میں سے کسی ایک یا بہت سی اقسام کا نام ہے۔ عہد وسطی میں آرائشی برتنوں پر اس کی پتلی تہہ کا استعمال عام تھا۔ اسی سبب عمدہ برتنوں کے لیے پورسلنا کی اصطلاح کا استعمال مشرق بعید سے آیا ہے۔ مارکوپولو نے کوڑی اور چینی برتنوں دونوں کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

پور سلنا کے حوالے سے ڈاکٹر جانسن کے پیش کیے گئے اشتقاق کی ہر گز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ وہ پور سنٹ ایز(Pour cerit Anees)کو اس کا ماخذ قرار دیتے ہیں کیونکہ یورپیوں کا عقیدہ تھا کہ اشیاء کو زمین کے نیچے سو سال رکھ کر پختہ کیا گیا ہے۔

PORGO,s

پُر گو، اسم ذات

یہ لفظ پرتگالی لفظ "پر گوا" (PORGO)کو ظاہر کرتا ہے۔ فرانسیسی میں "پر گوئی" ایک چھوٹی پتلی کشتی، یا درخت کے کھوکھلے تنے سے بنی ہوئی کشتی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لٹر (Litter) نے اسے جنوبی جزائر غرب الہند کے باشندوں کی زبان کی اصطلاح(پر گہ)(Piroga) قرار دیا ہے۔

انڈرسن (Anderson) نے ۱۶۸۵ء کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ سامان سے لدے کئی پر گوز (جہاز) اور کشتیوں کو میڈاپولن(Madapollan) کے شمالی جانب واقع رامیٹس ورم کے کورو مینڈل ساحل پر حفاظت کے لیے رکھا گیا تھا۔ البتہ اب یہاں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ تاہم میرا خیال کہ پر گوز ایک اینگلو انڈین اصطلاح پر کو، یا بر کہ ہے۔ جسے مشرق کی طرف سے اقتدار میں آنے والے پرتگالیوں نے ہر قسم کی بادبانی کشتی کے لیے استعمال کیا ہے۔

PORTIA,s

اسم ذات

جنوبی ہندوستان میں یہ دپسیہ ، پپلنیہ لیم (Therpesia Populnea Lam) کا ایک عام استعمال ہونے والا نام ہے۔ یہ ایک پسندیدہ آرائشی درخت ہے جو سمندر کے نزدیک تیزی سے نشو نما پاتا ہے۔ یہ تامل لفظ پوارسو(Puarassu) کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی، پھول بادشاہ، کے ہیں۔ (لفظ پوارسو کے دو حصے ہیں۔ پو کے معنی "پھول" ہیں اور " ارسو" کے معنی " پپل کے درخت" کے ہیں)۔ سیلون میں اسے ٹیولپ کا درخت کہتے ہیں۔

PORTO NOVO,n.p

پُرت نو، اسم معرفہ

یہ پنڈ چیری کے جنوب میں ۳۲ میل کے فاصلے پر جنوبی ارکٹ کے ساحل پر موجود قصبے کا نام ہے۔ سب سے پہلے اس قصبے کا ذکر ہمیں بکارہ(Bocarro) کے ہاں ملتا ہے۔ غالباً اس نام سے 'نئی بندر گاہ' کی بجائے نیا اپورٹو(Oporto) مراد تھا۔ البتہ ہمیں اس نام کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔(اس کا تامل نام پر نگی پیٹئی ہے جس کے معنی "یورپی قصبے" کے ہیں۔ تامل علاقے میں مسلمان یہ نام استعمال کرتے تھے۔

PORTO PIQUENO, PORTO GRANDE, nn.pp

پورٹ پکینو، پورٹ گرینڈ، اسم معرفہ

ان میں سے ایک چھوٹی بندر گاہ ہے اور دوسری بڑی بندر گاہ ہے۔ پرتگالی سولویں صدی میں بنگال کی ستگم(Satigam)اور چٹا گانگ کی بندر گاہوں کو ان ناموں سے پکارتے تھے۔

POSTEEN,s

پوستین، اسم ذات

ایک چمڑے کا ٹخنوں تک کا بے آستین یا آستین والا لبادہ۔ یہ عام طور پر بھیڑ کی کھال سے تیار کیا جاتا ہے جس پر اُون بھی لگی ہوتی ہے۔ فارسی زبان کے لفظ پوستین کا ماخذ "پوست" ہے۔ جس کے معنی "جانور کی کھال" کے ہیں۔

POTTAH,s

اسم ذات

ہندی اور دیگر مقامی زبانوں میں پٹا(Patta) بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی دستاویزات ہے جو زمین کے قبضے سے متعلق شرائط کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں یعنی اجارہ یا دوسری ایسی دستاویزات ہے جو زمین، گھر یا جائیداد کے مالکان کے حقوق کا تحفظ کرتی ہیں۔

PRA, PHRA, PRAW,s

پرہ، پھرہ، پراَ، اسم ذات

کثرت استعمال سے برما میں رہنے والا ہر شخص اس اصطلاح سے مانوس ہو گیا ہے۔ اس کا استعمال احترام کے اظہار کے لئے کیا جاتا ہے۔ اسے معزز افراد اور عقیدت مند چیزوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دربار میں بادشاہ کو مخاطب کرنے کے لئے، بدھا اور اس کی تصاویر کے لیے، پادریوں اور مقدس کتابوں کے ذکر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مفہوم اور اعتبار سے یہ اصطلاح سنسکرت لفظ شری سے بہت قریب ہے۔ برمی زبان میں اس لفظ کو 'بھرا' لکھا جاتا ہے مگر اراکان (Arakan) میں اسے "پَرا" پڑھا جاتا ہے۔ جدید برمی لہجے میں "پر" کی آواز ملا کر مدغم کر دیا جاتا ہے۔ یوں "پیا" بولا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کا استعمال صرف برما تک محدود نہیں ہے۔ لفظ کی یہی شکل شانز (shans) کے ہاں بھی استعمال ہوتی نظر آتی ہے۔ جبکہ کمبوجہ (Comboja) میں اسے پریہ (Prea) بولا جاتا ہے۔ گارنیر (Goneir) نے اندر اور وشنو کے کمبوجہ کے خطابات میں اس کی نشاندہی کی ہے۔ جس بادشاہ نے انگکور (Angkor) کا مندر تعمیر کروایا۔ اسے پریہ (Prea) کوٹ میلا کہا جاتا ہے۔

مہم جوئی کے وقت حکومت کرنے والے بادشاہ کو پرا انگ و چھائے ورے (Prea ang Reachea Vodey) ۔ مندر کے مختلف مقامات کو پر نکون(preacon)وغیرہ کہا جاتا ہے۔Phra کا لاحقہ بہت سے برمی بادشاہوں کے نام کا حصہ ہے۔

۱۷۵۳ء سے ۱۷۶۰ء تک گزشتہ سلطنت کے مشہور بادشاہ کا نام (Alomphra) ہے اور ان کے بیٹے (۱۷۸۱ء-۱۸۱۹ء) کا نام (bodoah-phra) ہے۔

اے فیری (A.Phayre) کے مطابق اول الذکر نام کی درست مثال (Alaung-Phra) ہے

بدھا کے مقدس قدموں کے نشان کے بیان کے لئے پرابات (Phra Bat) کی سامی مثال ہے ۔یہ اصطلاح سیلون کے "سری پاڈا" کو ظاہر کرتی ہے ۔مرحوم پروفیسر ولسن کا خیال تھا کہ یہ سنسکرت لفظ" پرھو" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مگر الباسٹر صاحب کے سامی املاء کو مد نظر رکھتے ہوئے نشاندہی کی ہے کہ سنسکرت لفظ ورا، بمعنی " زبردست اعلی ترین "کی بجائے یہ باقی زبان کا لفظ "ورو" بمعنی "زبردست" قیمتی بہترین لائق تحسین ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تمام ہند چینی ریاستوں میں اس اصطلاح کا رواج بدھ مت کے آغاز سے جڑا ہوا ہے۔ سیلون اور ہندوستان میں نئے مذہب کے مبلغین کے درمیان یہ اصطلاح کثرت سے استعمال میں تھی۔ اس کے باوجود "پرھا اور ورا" کے استعمال کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اول الذکر لفظ پالی زبان میں "پابھو" ہو گا۔ بجڈر گیرج (Bijdragen) کے رائل انسٹیوٹ آف ہیگو (Royal Institute of Hague) کے ایک مختصر مقالے میں پروفیسر کرن (Karn) اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ اصطلاح جاوا میں "شاندار" اور پسندیدگی کرتے ہیں کہ معنوں میں "لرا اور پرا" کی صورت میں مستعمل تھی ۔ مثال کے طور پر "براوجے" نے پیش کیا ہے۔ بلاشبہ "برا" یہاں سنسکرت لفظ نثری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے(قرون وسطی میں جاوا کے کئی بادشاہوں کا ہی انداز تھا۔)

PRAAG, PIAGG,n.p

پراگ،پیاگ، اسم معرفہ

اصل میں یہ لفظ "پریاگہ" (Prayage) ہے۔یعنی "قربانی کی جگہ" یہ آلہ آباد کا پرانا ہندو نام ہے۔ خصوصاً "دریا کے سنگم" کو یہ نام دیا جاتا تھا۔ یہاں موجود زیارت کے مقامات وقت کے ساتھ بوسیدہ ہو گئے ہیں۔

PRACRIT,s

پراکرت، اسم ذات

اس اصطلاح کا اطلاق ہندوستان میں بولی جانے والی قدیم بولیوں پر ہوتا ہے۔ یہ بولیاں کسی زبان سے اخذ

کی گئی یا سنسکرت سے مماثل ہیں۔ سنسکرت ڈراموں میں خواتین اور نچلے طبقے کے کردار ایسی بولیاں استعمال کرتے ہیں۔ ان بولیوں کا اور دیگر جدید مقامی زبانوں کا سنسکرت کے ساتھ وہی تعلق ہے جو یورپ کی رومانی زبانوں کا لاطینی کے ساتھ ہے۔ یہ مثال اپنی تفصیلات میں حیرت انگیز مطابقت کی حامل ہے۔ تمام پراکرتوں میں "پالی" کا ذخیرہ زبان سے زیادہ محفوظ ہے۔ یہ مگدھا میں بولی جاتی تھی۔ سیلون کی بدھ مت کی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ پراکرت لفظ بذات خود سنسکرت زبان کا ہے جس کے معنی "قدرتی" خام اور ناشائستہ کے ہیں۔

PRAYA,s

پرایا، اسم ذات

ہانگ کانگ میں یہ نام چین میں ہونے والی بیرونی آباد کاریوں کو دیا جاتا ہے۔ جسے چائنہ میں (Bund) کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی سمندر کے کنارے چہل قدمی یا بہاؤ کے ہیں، اصل میں یہ پرتگالی لفظ پرءَ (Praia) بمعنی ساحل ہے۔

PRESIDENCY, PRESIDENT,s

پریذیڈنسی، پریذیڈنٹ، اسم ذات

"پریذیڈنٹ" کے خطاب کا اطلاق فیکٹری کے سربراہ پر ہوتا ہے۔ ابتداء میں اس کا استعمال عام تھا۔ تاہم E.L.C کے تحریری دستور العمل میں پہلی مرتبہ اس کا ذکر ۱۶۶۱ء میں ملتا ہے۔ سین بری (Sainburry) کے کیلنڈر میں ہمیں وہ خطوط ملتے ہیں جو کیپٹن جارڈن نے ۱۶۱۴ ء میں بنتم (Bantam) کے مقام پر انگلستان کے پریذیڈنٹ (صدر) کو لکھے تھے۔ مگر اس کے پیرائیہ اظہار کے بارے میں شبہ ہے کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ مڈلٹن صاحب (Middlten) نے بھی ایک تجویز پیش کی ہے۔ سورت اور بنتم کے مقام پر دو اہم کاروباری شخصیات کو تعینات کیا گیا۔ جن کو باقی تمام افراد کے اوپر مکمل اختیار حاصل تھا انھیں جارڈن کا نام دیا گیا اور بعد میں اِس اصطلاح نے "جان جارڈن" کی شکل اختیار کر لی یعنی "ادارے کا سربراہ"۔

PRICKLY HEAT,s

پرکلی ہیٹ، اسم ذات

سرخ چھوٹے ابھرنے والے تکلیف دہ دانے، جن پر نا قابل برداشت خارش ہوتی ہے۔ بہت سے یورپی موسم گرما میں ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ فرائر (Frayer) نے ۱۶۹۸ء میں ان انتہائی سرخ چکتوں کا سرسری ذکر کیا ہے۔ مگر اس بیماری کو کوئی مخصوص نام نہیں دیا۔ جنوب میں رہنے والے لوگوں کو اکثر اس بیماری کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وہ صندل کے درخت کی لگدی افاقے کے لیے استعمال کرتے

ہیں۔ سر چارلس نیپئر (Chales Nimpier) سندھ میں اکثر اس بیماری کا شکار رہتے تھے۔ ہم نے ان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ایک گرم موسم کے انٹرویو کے دوران ایک کھلے دروازے کے کونے سے لگ کر کھڑے تھے۔ تاکہ کبھی کبھار ہونیوالی خارش میں سہولت رہے۔

PRICKLY PEAR,s

پرکلی پیئر، اسم ذات

مشرقی و مغربی ہندوستان میں اُپنشا ڈلن آئے (Opunita Dillecnii) اس نام سے معروف ہے۔ یہ پودا پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں افزائش کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مقامی پودا ہے۔ اسی لیے اسے یہ (مقامی) نام دیا گیا ہے۔ مگر بلاشبہ یہ امریکہ سے آیا ہے۔ جنوبی یورپ اور ایشیاء میں تیزی سے پھیلا ہے۔ بحیرہ روم کے ساحلوں مثلاً سسلی وغیرہ میں یہ اتنی تیزی سے پھیلا ہے کہ یہ ماننا شکل ہو جاتا ہے کہ یہ پودا سولہویں صدی سے پہلے یہاں موجود نہیں تھا۔ پالرمو (Palermo) میں ہم نے ایک واقعہ سنا۔ اس واقعہ کا تحریری ثبوت بھی عام ملتا ہے۔

انجیر کے درخت کے پتوں کے لباس میں موجود آدم و ہوا کو یہی ناقابل سمجھوتہ پودا دیا گیا تھا۔ موجودہ مصنفین میں ایک نے اس قصے کی بنت کا از سر نو مطالعہ کیا ہے اور ان کے مطابق قصے کا کوئی بھی نکتہ اس خیال کو مضبوط بنیاد فراہم نہیں کرتا۔ پہلے، از غوانی اور سرخ رنگ کے تھوہر کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ بحیرہ روم کے کھانے کا اہم جزو ہے۔ جنہیں اب بعض اوقات لندن کی دوکانوں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ مگر ہندوستان میں یہ قحط کے دنوں کے سوا کہیں بھی استعمال نہیں ہوتا۔ ڈروری (Drury) کی کتاب یوزفل پلانٹس آف انڈیا (Useful plants of India) میں کسی بھی قسم کے تھوہر کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ معاملہ قابل تحقیق ہے کہ بحیرہ روم میں اگنے والے تھوہر اور ہندوستان میں پھیلنے والے تھوبر ایک ہی قسم سے ہے یا مختلف ہیں۔ ہندوستان کا پودا چھوٹا اور کم رسیلا ہوتا ہے۔ اویڈو (Ovideo) میں اس پورے اور پھل کی مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے ۱۵۱۵ء میں جنوبی ڈمینگو (Domingo) میں اس پھل کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کو ایک مزاحیہ کہانی کی صورت میں بیان کیا ہے۔ پنجاب میں یہ پودا جن ناموں سے جانا جاتا ہے وہ اس کا تعلق یفوبیہ (Euphorbia) کی اقسام سے جوڑتے ہیں۔ یفوبیہ رویلیَنا (Royleana Euphoriba) تسوی، اور 'چو' وغیرہ کہلاتا ہے۔ اور اُپنشا (Opuntia) کے پودے کو "کابلی تسوی"، "گنجی ستو" اور "کنگھی چو" وغیرہ کے نام دیے جاتے ہیں۔

یفوبیہ کو بھی "گنجی چو" کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سٹیورٹ کے خیال میں پر کلی پیئر کے لیے بالائی ہندوستان میں ناگ پھنی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ نام اسے سانپ سے مشابہت کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ کچھ تھوہر یفوبیہ جیسے ہی ہوتے ہیں مگر ایسا کوئی یفوبیہ ہے جو شکل میں اپنشا سے مماثلت رکھتا ہو۔

ز قوم نے "آئین اکبری" میں ذکر کیا ہے کہ یفوبیہ کو گجرات میں حد بندی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اُپنشا کو فوجی چھاؤنیوں میں حد بندی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹیپو سلطان نے اسے قلعہ بندی کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ پنجاب کے علاقے میں یہ دونوں پودے حد بندی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اپنشا (Opuntia) کو گندگی اور چپکلیوں وغیرہ کو پناہ دینے کے حوالے سے ناپسند کیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ پرندوں کے پھل کھانے اور خود شاخوں کے پھیلنے سے نئے پودے جنم لیتے ہیں۔ اس افزائشی سہولت کی وجہ سے اسے اگایا جاتا ہے۔

PROME,n.p

پروم، اسم معرفہ

یہ پیگو میں ڈیلٹا سے کچھ اوپر واقع ایک اہم جگہ ہے۔ یہ نام دراصل تلنگ زبان کا لفظ برن (Brun) ہے۔ برمی لوگ اسے پئی (Pye) کہتے ہیں۔ (اراکان میں "ای" کی جگہ "ر" کی آواز نکالی جاتی ہے۔ پری (Pre)

PROW, PARAO,s

پُر، پراؤ، اسم ذات

یورپ میں استعمال ہونے والے اس لفظ کے دو ماخذ ہیں۔

(۱) ملیالم زبان کا لفظ "پارو" یعنی "کشتی"

(۲) جزیروں میں "پراو" یا "پراہو" (یہ لفظ ملاوی، جاوی اور بحر الجزائر کی بہت سی زبانوں میں عام ہے۔

عام طور پر اس کا اطلاق ایک خاص قسم کی نیچی، چپٹے عرشے والی کشتی پر ہوتا ہے۔ جو بادبانوں اور چپوؤں کی مدد سے چلائی جاتی تھی۔ "مالے پرو"۔ کرافرڈ کے خیال میں یہ ہر قسم کے جہاز وغیرہ کے لیے ایک عام اصطلاح ہے۔ مگر عموماً اس سے "چھوٹی کشتی" مراد لی جاتی ہے۔ تاریخ اور مقام کے تعین کے بغیر کتابوں میں اس کے لیے اختیار کیے گئے الفاظ کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے۔

PUKA,adj

پکا، اسم صفت

پکا ہندی کا لفظ ہے۔ یہ لفظ پک کر تیار ہو چکی فصل یا شے کے معنی کا حامل ہے۔ اپنے بہت سے مختلف اطلاقات میں یہ وقیع اور مستقل خاصیت کی حامل

اشیاء کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پکے اور کچے کا ایک عام استعمال اینٹوں ، چونے اور سیمنٹ کی عمارتوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ نسبتاً کم تر گارے، لکڑی وغیرہ کو کچا اور بہتر کو پکا کہا جاتا ہے۔

وزن اور پیمائش کی دو اقسام کے دوران فرق کرنے کے لیے بھی "پکا" اور "کچا" کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ دوگنا وزن کو "پکا" اور اصل وزن کو "کچا" کہنا ہندوستان میں عام ہے۔ قرون وسطی کے یورپ میں اس کا یہ استعمال عام تھا۔ کم و بیش انگلی کے ہر شہر میں بھی وزن کے لیے یہی انداز رائج تھا۔

PUCKAULY, PUCKAUL,s

پکھال، پکھالی، اسم ذات

پکھالی ہندی لفظ ہے۔ یعنی "پانی پہنچانے والا" ۔ شمالی ہندوستان میں اسے "پکھال" کہتے ہیں۔ (سنسکرت کے الفاظ "پیاس" اور "کھال" اس کے ماخذ ہیں۔ پیاس کے معنی " پانی " اور " کھال " کے معنی " جلد" کے ہیں)۔ یہ کھال سے بنا ہوا ایک تھیلہ ہے جس میں تقریباً ۲۰ گیلن پانی با آسانی سما سکتا ہے۔ ان تھیلوں کا ایک جوڑا ایک خصی بیل کے ذریعے لایا جاتا ہے۔ کھال کے بنے ہوئے اس تھیلے کو پانی سے بھر نے والے کو 'پکھالی' کہتے ہیں۔ مدراس کے ۱۷۸۵ء کے قوانین کے مطابق ایک فوجی دستے کو دس پکھالی دے جاتے تھے۔

PUCKEROW,v

پکڑو، فعل

یہ ہندی زبان کا فعل "پکڑانا" ہے۔ یعنی ' قبضے میں لے لیا جانا۔ 'پکڑاو' یعنی 'قبضے میں کروایا جانا، غالباً "پکڑاو" فعل مرکب ہے۔ یعنی "قبضہ کرنا اور آنا" ہماری محاوراتی زبان میں جانا اور قبضہ کرنا، مگر پکڑو لازماً یورپی فوج کی بولی سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے معنی ہے "گرفت میں لینا" (عموماً یہ فعل باغی یا نافرما ن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہندی زبان کے صیغہ امر کے اینگلو انڈین فعل مصدر میں تبدیلی معمولی بات ہے۔

PUDIPATAN,n.p

پڈپٹن، اسم معرفہ

یہ مالابار کی ایک بہت پرانی بندرگاہ کا نام ہے۔ یہ اب جدید نقشوں میں موجود نہیں ہے۔ یہ کنارا اور کلکتہ کے درمیان میں واقع ہے۔ جانسٹن (Johnston) کے شاہی نقشوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ (لوگان کے مالابار کے نقشوں میں اسے " پتوپٹنم" یا "پتپنم" لکھا گیا ہے)۔ یہ نام اصل میں تامل زبان کا لفظ 'پڈو پٹنہ' یعنی "نیا شہر" ہے۔

PUG,s

پگ، اسم ذات

ہندی زبان کا لفظ "پگ"، سنسکرت لفظ "پداکہ" (Padaka)سے آیا ہے۔اس کے معنی "پاؤں" کے ہیں۔اینگلوانڈین میں یہ جانور کے پاؤں کے نشان کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے چیتا۔

PUGGRY, PUGGERIE's

پگڑی، اسم ذات

پگڑی ہندی لفظ ہے۔ریشم یا کاٹن کے کپڑے کو ٹوپی کے گرد لپیٹ کر پگڑی کی صورت دی جاتی ہے۔ پگڑی کا مقصد سر کو دھوپ سے بچانا ہوتا ہے۔ پچھلے کچھ سالوں میں یہ نام اور شے دونوں انگلستان میں متعارف ہو گئے ہیں۔ اب اسے لندن کی دکانوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

PUGGY,s

پگی، اسم ذات

"پگی" ہندی لفظ ہے۔ اس کا ماخذ پگ یعنی 'پاؤں' ہے۔ایک پیشہ ور کھوجی، یہ ایک ذات یا یوں کہیں کہ ایک پیشے کا نام ہے۔اس کا کام چوروں کی پیروں کے نشانوں سے ان کا کھوج لگانا ہوتا ہے۔

PHUR, PORE, PYRE&c,s

پور، پہر، اسم ذات

ہندی لفظ پہر کا ماخذ سنسکرت لفظ "پرہرا" (Prehere) ہے۔ اس سے مراد دن اور رات کا چوتھا حصہ ہے یا آٹھ گھڑی کے وقفے کو بھی پہر کہتے ہیں۔

PULA,s

پلاَ، اسم ذات

تامل زبان مین لفظ 'پلائی'، ملیالم میں پلا ہے یعنی "بچہ" یہ سکھوں کی نام نہاد اعلیٰ ذات کا خطاب ہے۔ کوچن اور ترونکور (Travacore) میں یہ نائر کے ہم معنی کے طور پر مستعمل ہے۔ یہ مقتدر کی طرف سے دیا گیا خطاب ہے۔ جنھیں یہ خطاب دے دیا جاتا ہے وہ روایتی مزدوری سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔

PULICAT,n.p

پولکٹ، اسم معرفہ

یہ مدارس کے ساحل پر واقع ایک قصبہ ہے ایک لمبے عرصے تک یہاں ولندیزی کارخانے موجو د رہے ہیں۔ کالڈول (Caldwell) کے مقامی دوست شگر ی شاستری نے پلاولکاڈو (Pala-velkadu) کو اس کا صحیح نام بتایا ہے۔ یعنی پرانا ولکاڈو یا ورکاڈو۔[مدراس

گلوسری میں اس جگہ کو پذہاورک کاڈو(Pazhaval kadu)کا نام دیا گیا ہے۔یعنی ببول کے کانٹوں کا پرانا جنگل۔ ڈاکٹر ہیلٹیچ (Haltzseh) نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔]

PULTUN,s

پلٹن، اسم ذات

ہندی لفظ پلٹن، بٹالین، کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ممکنہ طور پر یہ " پلٹون' یاپیلٹون' کے ساتھ گڈ مڈ ہو گیا ہے۔ جنوبی ہندوستان مین " پٹولم" یا"پٹالم" کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ مقامی فوجی دستے کے لیے ایک عام استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ اس کا اطلاق کسی بھی یورپی فوجی دستے پر نہیں ہوتا۔

PULWAH, PULWAR,s

پلواہ،پلوار، اسم ذات

یہ بنگال کے دریاؤں میں استعمال ہونے والی ایک مقامی کشتی کا نام ہے۔ یہ بارہ سے پندرہ ٹن وزن با آسانی لے جاسکتی ہے۔ ہندی زبان میں یہ لفظ پلوار(Palwar)ہے۔

PULWAUN,s

پلوان(پہلوان)، اسم ذات

پہلوان لفظ فارسی سے ہندی زبان میں آیا ہے۔اس کے معنی ہے"قدیم ایران کا مقامی باشندہ" ۔[سکیٹ صاحب نے نشاندہی کی ہے ملاوی میں یہ "پہلاوان" بن گیا ہے۔ غالباً اس تبدیلی کی وجہ یہ ہے کہ ملاوی میں "اوان" سے مراد "لڑائی" ہے]۔ یوں پہلوان کے معانی غالب رہنے والے، دعویدار لڑاکا یا مضبوط آدمی کے ہیں۔

PUN,s

پَن، اسم ذات

کوڑیوں کی ایک خاص تعداد ہے، عموماً یہ ۸۰ ہوتی ہے۔ہندی میں اسے "پنہ" کہتے ہیں۔ سنسکرت لفظ "پنہ" قیمت کے لیے کھیلے جانیوالے 'داؤ' کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس ان دونوں سے مراد سکے اور خاص مقدر میں کوڑیاں ہیں۔

PUNCH,s

پنچ، اسم ذات

حاصل کردہ اشتقاق کے مطابق اس مشروب کا فارسی نام "پنچ" ہے۔ ہندی اور مراٹھی میں اسے "پانچ" کہتے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اسے پانچ اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے۔یعنی کوکوپورے کے رس یا چاول سے بنی ہوئی شراب، لیموں کا عرق چینی، مرچ اور پانی، فرائر(Frayer) اس نام کی اصل کے حوالے سے کچھ تاریخی ثبوت فراہم کرتے ہیں۔اس حوالے

سے دی گئی تجاویز میں ایک ہندی محاورہ بھی سر فہرست ہے۔ بالائی ہندوستان میں گھوڑوں ایک بہت مشہور دوا" بتیسی " کہلاتی ہے۔ اس کی تیاری میں بتیس اجزاء استعمال ہوتے ہیں۔ سچلر(Schiller) نے اپنی کتاب پنچر لیڈ (Punchlied) میں سچ کو قربان کرتے ہوئے مرچ کے ذکر کو نظر انداز کیا ہے۔ اور صرف چار اجزاء بتائے ہیں۔

لٹر(Littre) نے فارسی لفظ "پنج" کو اس کا ماخذ بتایا ہے۔ اس کے مطابق پانچ اجزاء چائے، چینی تیز کشید کی ہوئی شراب، دار چینی اور لیموں کا چھلکا ہیں۔ پانی ان پانچ اجزاء میں شامل نہیں ہے۔

ستارہویں صدی میں کچھ ایسے مرکب مشروب لڑکن(Larkin) نام کے تحت استعمال ہوتے تھے۔ اس صدی میں فرانسیسی اور ولندیزی مسافر مختلف ناموں کے تحت اس مشروب کو جشن منانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس مشروب کو اسی برتن میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں یہ تیار کیا جاتا ہے۔

۱۸۵۱ ء میں بول پنجیں (Bole-ponjis) کی ترکیب کو بنگالی شہری ، مقامی سطح پر اپنے ادبی اورڈراماتی ذوق کے حوالے سے شہرت کی حامل مرڈتھ پارکر(parker Meredth) نے اسے مسلکنی(Miscelleny) یعنی ملغوبے یا مرکب کے نام سے پیش کیا۔

PUNCH-HOUSE,s

پنچ ہاؤس، اسم ذات

ایک سرائے یا ایوان عام جہاں شراب اور رہائش میسر ہوں(بعض اوقات اسے "پنچ گھر" بھی کہا جاتا ہے۔ بالائی ہندوستان میں یہ جگہ بلدیاتی تنظیم کے اجلاس کی جگہ میں منتقل ہو چکی ہے)۔

مقامی لوگ اس اصطلاح کا اطلاق صدارتی قصبات اور جہاز رانوں کے گھروں پر کرتے ہیں۔ ماضی میں یہ اینگلو انڈین لفظ عام مستعمل تھا۔

PUNCHAYET,s

پنچایت، اسم ذات

ہندی لفظ 'پنچایت' کا ماخذ "پانچ" ہے۔ پنچایت پانچ افراد پر مشتمل ایک مجلس مشاورت ہے۔ ان اصحاب کی عدالت بطور ثالثین فیصلہ کرنے کے لیے جمع ہوتی ہے۔ ان کا تعلق گاؤں کی کسی ذات سے ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنے سے پہلے عموماً یہ توجہ حاصل کرنے کے لیے مختلف سوالات بھی کرتے ہیں۔

PUNDIT,s

پنڈت، اسم ذات

سنسکرت لفظ "پنڈتہ" کے معنی "عالم انسان" کے ہیں۔ یعنی ایسا آدمی جو سنسکرت کے معارف کا ماہر ہو۔

سپریم کورٹ میں پنڈت کا عہدہ ہندو ماہر قانون کے پاس ہوا کرتا تھا۔ جس کا کام انگریز ججوں کو حل طلب معاملات میں ہندو قانون کے تحت مشورہ دینا تھا۔ برطانوی ملکہ کی طرف سے ۱۴ مئی ۱۸۶۲ء کے سرکاری خط میں دیے گئے حکم کے نتیجے میں یہ عہدہ ختم کر دیا گیا۔ نا صرف یہ بلکہ سپریم کورٹ کو بھی ختم کر دیا گیا۔

مرہٹہ اور تلگو کے علاقوں میں لفظ پنڈت عموماً پنت پڑھا جاتا ہے۔ (روزمرہ انگریزی میں "پنت" ہے) مگر آسانی کے لیے دوسرے ہندو الفاظ کے ساتھ ملانے سے اُس لفظ نے اپنے اصل معنی کھو دیے ہیں۔ اب یہ محض مرہٹوں کی تاریخ میں جانا جانے والا ایک ذاتی نام بن کر رہ گیا ہے۔ مثلاً بری شہرت کے لیے۔ نانا ڈھونڈو پنت۔

پچھلے سالوں میں ہندوستان میں اس لفظ نے مخصوص معنی حاصل کر لیے ہیں۔ مقامی لوگ آلات موسیقی کے ان ماہرین کو یہ نام دیتے ہیں۔ جنھیں برطانوی حکومت خاص طور پر یورپی لوگوں کے لیے بھرتی کرتی ہے۔ لفظ کے اس اطلاق کا آغاز کچھ یوں ہوا کہ ابتداء میں جن دو لوگوں کو اس کام کے لیے بھرتی کا کیا تھا۔ ان میں سے ایک سکول کا استاد تھا۔ اس کا تعلق صوبہ ہمالیہ سے تھا، جہاں استاد کے لیے پنڈت کی اصطلاح عام استعمال ہوتی تھی۔ پنڈت کے خطاب کے ساتھ جن لوگوں نے شہرت پائی ان میں اہم نام مرحوم نین سنگھ کا ہے۔

PUNJAB, n.p

پنجاب، اسم معرفہ

سندھ اور ستلج کے درمیان واقع علاقے کا نام پنجاب ہے۔ اس جدید اینگلو انڈین صوبے نے جہاں سندھ کی سمت سے بڑھ کر پشاور اور ڈیرہ جات کو اپنے اندر شامل کر لیا ہے تو دوسری سمت بشمول دہلی جمنا تک پہنچ گیا ہے۔ (۱۹۰۱ء میں سرحدی اضلاع کو انتظامی امور کے لئے الگ رکھا گیا تھا)۔ پنجاب فارسی نام ہے۔ یعنی پانچ دریا۔ اگر ان دریاؤں میں دریائے سندھ کو شامل کیا جائے تو یہ پانچ دریا ہوں گے۔ (۱) سندھ (۲) جہلم (۳) چناب (۴) راوی (۵) بیاس۔ (دریائے سندھ کی جگہ دریائے ستلج کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

یونانی جغرافیہ دانوں نے اس کے لیے کوئی مربوط اصطلاح استعمال نہیں کی۔ تاہم لیزن (Lassen) نے ایک عملی مقابلے میں اس قدیم جغرافیہ کی وجہ سے اسے پنٹپوٹمیہ (Pentepotamia) کا نام دیا ہے۔ مگر پنجاب لفظ کے فارسی الاصل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ نام مسلمانوں کے وقت سے چلا آیا ہے۔ البتہ مہا بھارت اور رامائن میں ایک قدیم سنسکرت نام "پنچیدہ" (Panchanda) موجود

ہے۔ پنجاب کے علاقے کے تمام دریا دریائے سندھ سے جا کر ملتے ہیں۔ پرانے مسلمان مورخین اسی مقام سے آگے بہنے والے دریائے سندھ کو پنجاب کا نام دیتے نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھار انھیں معنوں میں یکساں مفہوم کا حامل لفظ "پنجند" بھی استعمال ہوتا ہے۔ (جنوبی ہندوستان میں اس کا بعض اوقات اطلاق ان علاقوں پر ہوتا ہے جنھیں تمبھدرہ، وردہ، ملپربھا، گٹپربھا اور کستنا سیراب کرتے ہیں)۔
دوسری سکھ جنگ کے بعد انگلستان میں مسیحی کلیسا کے عملے کی رپورٹ میں اخباری حوالے کے مطابق سکھوں نے لاہور کے پنجاب کی برخاستگی کی بات کی تھی۔

PUNKAH,s

پنکھا، اسم ذات

یہ ہندی لفظ "پنکھا" ہے۔

ا۔ اپنے اصل معنوں میں اس سے مراد 'دستی پنکھا' ہے۔ عموماً یہ پلمیرا (Palmyra) پودے کے پنکھے کی شکل کے پتوں سے بنایا جاتا ہے۔ تاہم اب ہندوستان میں چائنہ جیسے دستی پنکھے نہیں بنائے جاتے۔ خواہ یہ بڑے ہو یا چھوٹے عموماً یہ پھلی کی شکل کے ہوتے ہیں۔ ان خشک پتوں کے ڈنٹھلوں کا ایک حصہ آپس میں جڑا ہوتا ہے، جو دستے کا کام دیتا ہے۔

ب۔ اینگلو انڈین میں اس کا اطلاق لمبے، نصب شدہ، گھومنے والے پنکھے پر ہوتا ہے۔ یہ چھت پر معلق کپڑے سے بنا ہوتا ہے۔ اور چوکور چوکھٹے پر پھیلا ہوتا ہے۔ یہ گرم موسم میں ہوا کو حرکت دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہمیں علم نہیں ہے کہ ہندوستان میں یہ مشین کب متعارف ہوئی۔ لنسچوٹن کے خیال میں ایسے کچھ آلات سولہویں صدی میں جانے جاتے تھے۔

بستید صاحب (Bustead) صاحب نے اپنے مطالعے سے ایک خاص امر کی طرف نشاندہی کی ہے کہ اٹھارہویں صدی میں ملنے والے دستاویزات میں ملازمین اور ان کی ذمہ داریوں کے ضمن مین کہیں بھی پنکھے کا ذکر نہیں ملتا۔ یہاں تک کے ہندوستان کی خانگی زندگی میں بھی ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ آخری دور کی اختراع گھومنے والے پنکھے سے ہماری طرح سبھی واقف ہیں۔ (ٹکنے والا پنکھا اٹھارویں صدی کے اختتام پر کلکتہ میں حادثاتی طور پر متعارف ہوا۔ سرکاری دفتر کے ایک کلرک میز کے کپڑے کو لٹکایا تھا۔ آنے والے کسی ملاقاتی نے غیر ارادی طور پر کپڑے کو دائیں بائیں ہلایا تھا۔ چنانچہ وصول ہونے والا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ہی اس پنکھے کی ایجاد کا باعث بنا۔ ڈوگلز (Dougles) صاحب کہتے ہیں کہ ۱۸۱۰ء میں بمبئی کے بہت کم یورپیوں اس پنکھے کو استعمال کیا

کرتے تھے۔ اسی طرح ۱۷۷۵ء میں کلکتہ میں اس کے استعمال کے متعلق ثبوت نہیں ملتا۔

PUNSAREE,s

پنساری، اسم ذات

ادویات فروخت کرنے والے کو ہندی میں پنساری کہتے ہیں۔ ہم نے یہاں اس لفظ کا ذکر کچھ تحفظات کے ساتھ کیا ہے۔ کیونکہ سی پی برون(C.P. Brown) کے مطابق یہ غیر ملکی لفظ ہے۔ یہ ڈسپنسیرم(Dispensarium) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مگر یہ اشتقاق درست نہیں ہوتا۔
(اصل میں یہ سنسکرت "پنٹالہ" سے آیا ہے۔ جس کے معنی بازار یا گودام کے ہیں)۔

PURDAH,s

پردہ، اسم ذات

ہندی میں یہ فارسی لفظ "پردہ "سے آیا ہے۔ دروازے پر پڑا ہوا پردہ مگر خاص طور پر اس سے مراد عورتوں کا مردوں کی نظروں سے بچنے کے لیے کیا جانے والا پردہ ہے۔ جو خواتین ان قوانین کی پاسداری کرتی ہیں۔ انھیں پردہ نشین کہتے ہیں۔

PURDESEE,s

پردیسی، اسم ذات

پردیسی ہندی زبان کا لفظ ہے۔ غیر ملکی کو پردیسی کہتے ہیں۔ بمبئی کی فوج میں شمالی ہندوستان کے تمام سپاہیوں کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ (صوبہ سرحد میں اس کا اطلاق جہاں پیائی کرنے والے فریبی اور جعلی سکے ڈھالنے والے قبیلوں پر ہوتا ہے)۔

PURWANNA, PERWAUNA,s

پروانہ، اسم ذات

لفظ "پروانہ" ہندی میں فارسی سے آیا ہے۔ یعنی "حکم نامہ" شاہی مہر کے تحت بھیجا گیا عطیہ یا خط، عہدہ دار کی طرف سے اپنے ماتحت کو بھیجا گیا خط؛ سند یافتہ یا اجازت نامہ۔ ان سے مراد پروانہ ہے۔

PUTCHOCK,s

پٹ چوک، اسم ذات

یہ ایک خوشبودار جڑ کا تجارتی نام ہے۔ یہ کشمیر کے قریب میں ہمالیہ کی پیداوار ہے۔ یہ بمبئی اور کلکتہ سے مالے کے علاقوں اور چین میں درآمد کی جاتی ہے۔ جہاں یہ چینی لوبان کو قیمتی بنانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں جسے عام طور پر جُسٹک (Justick) کہا جاتا ہے۔ گارسیادی عورتا (Garcia de Orte) کے خیال میں قدماء کے نزدیک، اس جڑ کا نام کسٹس(Coustus) تھا۔ بعد میں اسے سنسکرت

لفظ "کٹھا" سے اخذ کر کے اس نام میں "کٹ" کی تبدیلی کی گئی ہے۔

بالائی ہندوستان میں اب بھی یہ دوائی کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ دی عورتا ایک ایسے پودے کا ذکر کرتے ہیں جو مندو(Mandu) اور چور کے قریب اگتا ہے اور احمد آباد فروخت کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ مگر دراصل انکی معلومات نے انھیں گمراہ کیا ہے۔ روئلی(Royle) اور فلکونر(Falcuner) دوروشن دماغ شخصیات نے اس کا ماخذ کچھ اور ہی بتایا ہے۔ اسے کمپوسٹائے سسوریہ(Compostai Saussunea)سے جوڑا ہے۔

یہ گچھوں کی صورت میں اگنے والا پودا ہے۔ یہ کھلی اور پہاڑ کی ڈھلوان سمت میں جگہ گھیرتا ہے۔ تقریباً ۸۰۰۰ سے ۹۰۰۰ فٹ کی اونچائی پر پایا جاتا ہے۔

ولسن کے مطابق اس کا تجارتی نام دراصل تلگو لفظ پاچ چاق یعنی "ہراپتہ" ہے۔ گارسیا نے" پوچو" (Pucho) کو ملاوی لفظ کہا ہے۔ یہ مرسڈن (Marsdan) کی ابتدائی ملاوی لغت میں تھا۔ لغت کے مطابق پوچوق ایک ایسا خوشبودار پودا ہے جس کے پتوں کی تجارت کی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے کسٹس انڈکس (Indiena Costus) جبکہ کچھ لوگوں نے اسے میلیسا (Melissa) اور لارس (Laurus) کہا ہے۔ تاہم کرافرڈ اور فیور(Favre) میں سے کسی نے بھی اسے ان معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ (سکیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ ملاوی لفظ پوچوق کے معنی نوخیز کونپل کے ہیں۔ یا اس سے مراد بڑھتی ہوئی کلی ہے۔ کلنکرٹ(Klinkat) نے پوچوق کو ایک کونپل یا بڑھتی ہوئی کلی کے شلغمی پودے کی جڑ کے طور پر بھی پیش کیا ہے جسے ہوا صاف کرنے والی دوا کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (یہ چائنہ میں بھی پائی جاتی ہے) دراصل اس پودے کے پتے نہیں بلکہ جڑ ہی استعمال ہوتی ہے۔ شائد اسی لیے مرسڈن لفظ کے دونوں مفاہیم کے درمیان مغالطے کا شکار ہوئے)۔ ۱۸۳۷ء اور ۱۸۳۸ء میں صرف کلکتہ سے اس کے ۲۵۰ ٹن جس کی مالیت دس ہزار ڈالر تھی درآمد کیے گئے ہیں۔ ویلس ویلم(Wals Willians) کے مطابق بعد کی تاریخوں میں چین میں اس کی سالانہ برآمد ۱۲۰ ٹن تھی۔ ۱۸۶۵ء-۱۸۶۶ء وہ آخری سال ہے جن کی معمولی برآمدوں کی تفصیل مطبوعہ صورت میں پائی جاتی ہے۔ اس کے مطابق جو مقدار کلکتہ سے برآمد کی گئی وہ صرف ۲۴ ۱/۲ ٹن تھی۔ ہنکو (Hankow) اور چیفو(Chefoo) کے مقام پر ہونے والی درآمد کی قیمت ۶۲۱،۴ڈالر تھی۔

PUTLAM,n.p

پٹلم، اسم معرفہ

یہ سیلون میں خلیج کے ساحل پر یا کلپٹن

(Calpentyn) کے چوڑے دہانے پر واقع قصبے کا نام ہے۔ غالباً درست لفظ "پٹلمہ" (Puttalama) ہے۔ فرگوسن (Ferguson) صاحب نے اسے تامل لفظ پتھولم (Puthualam) بتایا ہے۔ جس کے معنی ایک ایسے گڑھے کے ہیں جس میں سمندری پانی بھرا ہوا ہو اور اسے خشک کر کے نمک حاصل کیا جائے۔ یہاں سے ۱۰ میل اندر "تمنا نوارہ" (Newara Tammana) کے کھنڈرات ہیں۔ جن کا اصل نام تمبپانی (Tambapanni) ہے۔ یہی پر ہندوستان سے آنے والے وجے نے اپنا اقتدار قائم کیا تھا اور پٹلم ہی وہ مقام ہے جہاں اُس نے سب سے پہلے قدم رکھا تھا۔

PUTNEE, PUTNEY,s

پٹنی، اسم ذات

ا۔ ہندی اور بنگالی میں یہ لفظ "پٹنی" یا "پٹنی" ہے۔ اس کا مادہ فعل "پٹنا" ہے۔ یعنی "متفق ہونا یا رضا مندی ظاہر کرنا"، (جیسے خرید و فروخت میں معاملہ طے کرنا)۔

ب۔ بنگال کے زیریں صوبوں میں جب ایک طے شدہ کرایہ دینے کی مدت کا تعین کر لیتے ہیں۔ ایسے میں زمین کی ملکیت حاصل کرنے والے کو "پٹنی دار" کہتے ہیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض اوقات اصل زمیندار اپنی زمین کے کسی ایک حصے کا قبضہ کسی کو دیتا ہے۔ ایسے میں قبضہ لینے والے کو زمین کے تمام حقوق مل جاتے ہیں۔ یہاں تک زمین کی خرید و فروخت اور وراثت کا حق بھی۔ مگر یہ تمام حقوق صرف اس وقت تک ملتے ہیں جب تک معاہدے کے مطابق باقاعدگی سے کرایہ زمیندار کو ملتا رہتا ہے۔ جبکہ معاہدے سے انحراف کی صورت میں جائیداد کے حقوق کے ساتھ زمیندار بھی لے سکتا ہے۔ غالباً ا اور ب دونوں اشتقاق درست ہیں اور دونوں کا تعلق ہی "پٹنا" سے جڑا ہوا ہے۔

PUTTAN, PATHAN,n.p

پٹان، پٹھان، اسم معرفہ

پٹھان ہندی لفظ ہے۔ عام طور پر اس کا اطلاق افغانوں پر اور بالخصوص ہندوستان کے افغان لوگوں پر کیا جاتا ہے۔ اس کا ماخذ غیر واضح ہے۔ ایلپلیسٹون (Elplistone) اسے "پشتون" اور "پختون" سے اخذ کرتے ہیں۔ یہ نام افغانوں نے خود اپنی نسل کو دیے ہیں۔ ڈاکٹر ٹرمپ (Trummp) بھی اس خیال پر متفق ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو بعض اوقات چار گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا۔ پٹھان ۲۔ مغل جن کا تعلق ترکوں سے ہے، ۳۔ شیخ جو خود کو عربوں کا جانشین بتاتے، ۴۔ سید، جو محمد ﷺ کی جانشینی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

PUTTEE,PUTTY,s

پٹی، اسم ذات

(ا) کپڑے کا ٹکڑا یا حصہ۔ خاص طور پر اس سے مراد ایک ایسا کپڑا جو ٹانگ کے نچلے حصے پر موزے کی جگہ گرہ لگا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہمالیہ میں اسے اس مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ البتہ اب اِس کا یہ استعمال سپاہیوں اور کھلاڑیوں میں عام ہے۔ یہ خاص قسم کا کپڑا قدیم تجارت کی فہرستوں میں "پٹیاں" کے نام سے ملتا ہے۔

(ب)صوبہ سرحد میں اِس کا اطلاق ایک اکٹھے یا مشترکہ گاؤں پر ہوتا ہے یا پھر ایک ایسی ریاست پر ہوتا ہے جس میں بہت سے گاؤں شامل ہوں۔ بعض جگہوں پر اسے ریاست کے چھوٹے ذیلی حصے کے طور پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ پس یوں پٹی داری کی اصطلاح اِسی نوعیت کے قبضے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

(ج)شمالی ہندوستان میں سپاہیوں کی تنخواہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

PUTTYWALA,s

پٹی والا، اسم ذات

"پٹا والا" اور "پٹی والا" ہندی زبان کے الفاظ ہیں یعنی وہ شخص جس کے پاس پٹی / بیلٹ ہو۔ یہ بمبئی میں پیغام رساں کے لیے استعمال ہونے والی ایک عام اصطلاح ہے۔ کسی دفتر سے منسلک اردلی جو پٹی پہنتا ہو، بنگال میں جسے چپڑاسی کہا جاتا ہے۔ اسی کو پٹی والا بھی کہا جاتا ہے۔

PUTWA,s

پتوا، اسم ذات

"پتوا" ہندی لفظ ہے۔ یہ ترش رسیلے پھول ہیں جن سے اینگلو انڈین گھرانوں میں بہت عمدہ جیلی تیار کی جاتی ہے۔ یہ (روزلی Rozelle) یا ریڈ سورل (Red Sorrel) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ریڈل (Riddle) اسے روزلی جام اور جیلی کہتے ہیں۔

PYE,s

پائی، اسم ذات

یہ پرایا ڈاگ (Pariah Dug) کے لیے برطانوی افسروں اور نوجوانوں کے درمیان ایک جانا پہنچانا نام ہے۔ بلاشبہ یہ پرایا (Pariah) کی ہی ترمیم شدہ شکل ہے۔

PYJAMAS,s

پاجامہ، اسم ذات

"پائے جامہ" ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی "ٹانگوں کی پوشاک" ہے یعنی ایسا لباس جو کمر کے نیچے لباس کے اندر پہنا جائے اور وہ جسم کے ساتھ چپکا رہے۔ یا ڈھیلا ٹراؤزر جو کمر کے گرد بندھا

ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بہت سے لوگ ایسا لباس استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین، سکھ مرد، مسلمان مرد و خواتین مسلمانوں نے یہ لباس یورپیوں سے لیا ہے۔ شلوار اور مغل بریچز اس کے مترادف ہیں۔ اغلب امکان ہے کہ انگریزوں نے دوسری بہت سی اچھی عادتوں کی طرح اسے بھی پرتگالیوں سے ہی لیا ہو۔ پاجامے کا لفظ اب لندن کی دکانوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک دوست سے پاجامے کے متعلق ایک تازہ واقعہ سنا ہے۔ جب ایک گاہک نے درزی سے استفسار کیا کہ اس نے پاجامے کے ساتھ موزے کیوں سی دیے ہیں ۔جواباً درزی نے بہت پر لطف انداز میں کہا کہ ایسا کرنے کی وجہ دیمک سے بچانا ہے۔

PYKE, PAIK,s

پایک، پایک، اسم ذات

ولسن نے اس اصطلاح کا صرف ایک ماخذ بتایا ہے۔ جسے اینگلو انڈین تقریروں میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ وہ اس لفظ کا 'پایک' یا' پائک' لکھتے ہیں جو بگڑ کر 'پیک' (Pyke) بن گیا ہے۔ (یہ ہندی لفظ سنسکرت کے لفظ "پدا تکہ" سے آیا ہے)۔ مراٹھی الفاظ 'پایک'، "پائیک" سے مراد پیادہ" صلح خدمتگار، پولیس کا چھوٹا عہدہ دار وصولی کا عہدہ دار، پیغاں رساں ، گاؤں کا چوکیدار ہے۔ ماضی میں پایک مقامی رضا کاروں کی فوج تشکیل دیتا تھا۔ جو فوجی خدمت پوری کرنے کے بعد زمیندار برادریوں یا راجاؤں کی زمین کے مالک ہوتے تھے۔ (پلیٹس نے بھی ان دونوں لفظوں کو ایک جیسا قرار دیا ہے) مگر ہمیں واضح نظر آتا ہے کہ یہاں دو مختلف لفظوں کو اکٹھا ملا دیا گیا ہے۔

(ا) فارسی لفظ "پایک" کے معنی پیدل چلنے والے یا پیغام لے جانے والے کے ہیں۔ ہمیں یہ علم نہیں کہ آیا یہ کوئی پرانا فارسی لفظ ہے یا اسے منگولوں نے متعارف کروایا۔ یہ دونوں الفاظ آئین اکبری میں موجود ہیں۔ مگر دونوں کے لہجے مختلف کیے جاتے ہیں۔ "پایک" کو فتحہ کے نشان کے ساتھ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔

(ب) ہندی اور مراٹھی کے الفاظ "پایک" "پائیک" سنسکرت کے لفظ "پداتکہ" سے آئے ہیں۔ اس کے معنی "ایک فوجی پیادے" کے ہیں ۔ ولسن کے مطابق اس کے علاوہ یہ پیغام رساں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کچھ زبانی بیانات کے مطابق یہ چپڑا سی کے مفہوم پر پورا اترتا ہے۔

PYSE! Interjectron,s

یہ خالصتاً ہندوستانی لفظ ہے۔ پُئس (Pois) یعنی دیکھنا تیار ہونا یا آگے بڑھنا۔ بظاہر یہ سنسکرت لفظ "پیشہ" جس کے معنی "دیکھنے" کے ہیں۔ اس قسم کا اظہار ہمیں ملیالم لفظ "پو" میں نظر آتا ہے۔ یعنی "راستے

سے ہٹ جاؤ" ہندی اور مراٹھی میں لفظ کھِس ہے
جس کے معنی رفتہ رفتہ کم ہو جانے کے ہیں۔ 'کھِس'
لفظ 'کھسنا' سے آیا ہے۔

حواشی

1۔ ڈنکن فاربس نے تنخواہ اور اجرت کے علاوہ بھی پگار کا ایک معنی دیا ہے۔ پگار سے مراد ایسا گارا ہے جو عمارتیں بنانے یا انھیں پورا کرنے کے کام آتا ہے۔ فاربس کے خیال میں یہ مراٹھی یا پرتگالی کی بجائے دکنی لفظ کہا ہے۔ فیلن بھی اسے لفظ "گارا" سے اخذ کرتا ہے۔ جو عمارتیں بنانے کے کام آتا ہے۔ پلیٹس نے پگار کو پگنا کا ہم معنی لفظ کہا ہے۔ پگنا سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی بھی عمارتوں کی تعمیر کے لئے استعمال ہونے والا گارا ہے نیز پلیٹس نے احاطہ بندی اور باڑ کے معانی بھی لکھے ہیں۔ شیکسپیئر کی لغت میں یہ لفظ موجود ہی نہیں ہے اور نہ فیلن کی لغت میں باڑ کے معنی درج ہے۔ غالباً ہنری یول ان کتب سے استفادے میں مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔

فاربس، ص ۲۰۱؛ پلیٹس ۲۶۶؛ فیلن ص ۳۶۴۔

2۔ مثمن شکل کا چینی مٹی سے تعمیر کردہ تاریخی پگوڈا پندرھویں صدی عیسویں منگ بادشاہ نے تعمیر کروایا تھا۔ انیسویں صدی عیسویں میں حکومت برطانیہ اور باغیوں میں ننکنگ کے حصول کے لئے لڑی جانے والی لڑائیوں میں یہ پگوڈا تباہ ہو گیا۔

Encyclopedia International، جلد ۱۲، ص ۴۱۴۔

3۔ چینی پگوڈے سے مراد ایک خاص طرز تعمیر کی حامل عمارتیں ہیں۔ دراصل یہ طرز تعمیر بدھ مت کے چین میں متعارف ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ آغاز میں بدھ مذہب کی عمارتیں اسی انداز سے بنائی جاتی تھی۔ ان کی چھتیں اولتی شکل کی تھی۔ بدھ مت یہاں پہلی صدی عیسویں میں متعارف ہوا۔ آغاز میں ان عمارتوں میں صرف مذہبی کتابیں اور مجسمے وغیر رکھے جاتے تھے۔ بعد کے ادوار میں ان عمارتوں کا استعمال بدلتا رہا۔ ۱۸۶۴ء میں تعمیر کردہ پیرس کا مشہور بٹاکلان تھیٹر چینی پگوڈا کی طرز پر بنایا گیا تھا۔

روزنامہ جنگ (راولپنڈی: ۲۳ نومبر ۲۰۱۵ء)، ص ۹۔

4۔ فنم ایک چھوٹا طلائی سکہ ہے۔ اس کی قیمت ہمیشہ تغیر پذیر ائی ہے۔ مختلف اوقات میں یا مختلف مقامات پر ایک پگوڈے میں یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ ضم شمار کیے جاتے رہے ہیں۔

ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ، اکبر سے اورنگزیب تک، ترجمہ جمال محمد صدیقی (نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۱ء)، ص ۴۰۷۔

5۔ پلیٹس کی لغت میں پپلک اور پپلیہ کا کے الفاظ موجود ہے بالترتیب ان کے معانی کالا چیونٹا اور عام بھوری چیونٹی کے ہیں۔ پلیٹس نے اس لفظ میں سونے کے معنی کی موجودگی کی نشاندہی نہیں کی۔

پلیٹس، ص ۲۲۳۔

6۔ سمشو شراب کی تیز قسم ہے، یہ چین میں چاولوں سے تیار کی جاتی ہے۔ کچھ لوگ اسے سنشاؤں بھی کہتے ہیں۔ ہندوستانی جو کی جگہ چاولوں سے تیار کی گئی شراب صرف قربانی دیتے وقت پیتے ہیں۔

یول، برنل، ص ۷۸۹۔

7۔ یونانی اساطیر کے مطابق ڈیفنی دریائے پینیس کی بیٹی تھی۔ سورج دیوتا اپالو ڈیفنی کے حُسن کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ ڈیفنی نے اپالو سے بچنے کے لئے دیگر دیوتاؤں کی مدد چاہی تو انھوں نے ڈیفنی کو جنوبی یورپ کے سدا بہار پودے لارل میں تبدیل کر دیا۔ اسی وقت سے لارل سورج دیوتا کا محبوب پودا ہے۔ یقیناً یہاں ہنری یول نے ڈیفنی کی چھال کے الفاظ لارل کی چھال کے لئے استعمال کیے ہیں۔

ایگل، ص ۱۳۴۔

8۔ سیام تھائی لینڈ کا پرانا نام ہے۔ ۱۹۴۹ء میں سیام کو تھائی لینڈ کا نیا نام دیا گیا تھا۔

9۔ کروتم کو تم یا کرت بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب ہی کی ایک شکل ہے۔ مگر کاغذ کی بجائے کاٹن کے کپڑے کی کتاب ہے۔ اس کاٹن کے کپڑے کی چوڑائی ۱۸ انچ سے ایک فٹ تک ہوتی ہے جبکہ لمبائی ۱۲ فٹ سے ۱۸ فٹ تک ہوتی ہے۔ اسے بہت مہارت سے خاص طرح کا لیپ لگا کر خشک کیا جاتا ہے۔ خشک کرنے کے بعد اس کی برابر حصوں میں تہہ لگا دی جاتی ہے۔ کتاب کے دونوں اطراف لکڑی کی خوبصورت، تختیاں لگا دی جاتی ہیں۔ ان تختیوں پر خوبصورت رنگوں سے ڈیزائن بنائے جاتے ہین۔ ان کتابوں کو سلک یا کاٹن کے فیتہ لگے غلافوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ یہ کتاب دونوں اطراف سے کھولی جاسکتی ہے۔ تہیں کھولنے پر کتاب ایک بار پھر سے اپنی پوری لمبائی سمیت سامنے آجاتی ہے۔

کلونل مارک ولکس(Colonel Mark Killers)، *Historical Sketches of the South India*(لندن: پرنٹرز فارلانگ مین، پرسٹ، اری اینڈ بروم، ۱۸۲۰ء)، ص ۱۲۔۱۳۔

10۔ سنگ صابون یعنی لیپس اولارس (Lapis Ollaris)یا لیپس زلی (Lapis Luzli)یہ ایک معدنی شے ہے جس سے شوخ نیلا رنگ تیار کیا جاتا ہے۔ اسے کوزہ پتو بھی کہتے ہیں۔

احمد، *Jami English Urdu Dictionary*، جلد سوم، ص ۵۲۱۔

11۔ لفظ پرتاپ دراصل پرتاب کا ہم معنی ہے۔ پرتاپ کے معنی شان و شوکت، پروکار حاکم اعلی، طاقتور، عہدہ دار، صاحب جرات وہمت، رحمدل اور سخی کے ہیں۔

پلیٹس ص ۲۳۹۔

12۔ بجروک (Budgrook) پرتگالی زبان کا لفظ ہے۔ یہ تانبے، ٹین، سیسے اور جسٹ کی غلوط دھات سے مل کر بنا ہوا ایک کم مالیت کا سکہ ہے۔ یہ گوا اور مغربی ساحلوں پر استعمال ہوتا ہے۔ غالباً یہ بازار روکی، کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی "بازار کے پیسوں" کے ہیں۔ مگر ایک خیال یہ بھی ہے کہ شاید یہ فارسی لفظ بزرگ، کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

یول، برنل، ص ۱۲۱۔

13۔ برگانی یا برکانی چاندی کے ایک چھوٹے سکے کا نام ہے۔ غالباً قدیم درادڑی لفظ کانی اس نام کا اخذ ہے۔ دہلی کے بادشاہ محمد تغلق دوکانی، شش کانی، ہشت کانی، دوازدہ کانی اور شانزدہ کانی کی اصطلاحات بھی مختلف مالیت کے سکوں کے لئے رائج تھی۔ سلطان فیروز شاہ نے بھی کانی اور اس سے متعلقہ مالیت کا اصطلاحوں کو جاری رکھا۔ ان میں سے کچھ اصطلاحات کو لمبے عرصے تک استعمال کیا جاتا رہا۔ مثلاً جنوبی اور مغربی ہندوستان میں ذوکانی کی اصطلاح اور مغربی ہندوستان میں وبارہ کانی کی اصطلاح رائج رہی۔

یول، برنل، ص ۶۸۔

14۔ فیلن نے ہندی لفظ پر بھو کا ماخذ پالی زبان کے لفظ پبھو کو بتایا ہے۔ جس کے معانی استاد، اور دیوتا کے ہیں۔ جمیل جالی کے پر بھو کے معنی، مالک لکھے ہیں۔ پلیٹس نے پر بھو کو برتر، حکمران، گورنر، حاکم، صاحب جائیداد، مالک وغیرہ کے معانی کا حامل لکھا ہے۔ نیز پر بھو بھگت کا لفظ بھی پیش کیا ہے۔ جو بطور صفت استعمال ہوتا۔ یعنی خدا یا حاکم اعلیٰ سے جڑے ہونا، مخلص ہونا۔

فیلن، ص ۳۴۹: جمیل جالبی، قدیم اردو کی لغت (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۳۷ء)، ص ۶۶؛ پلیٹس، ص ۲۳۸۔

15۔ انگریزی تلفظ 'پٹیکا' جبکہ پرتگالی تلفظ 'پتکا' ہے۔

16۔ استراخان روس کا جنوب مغربی شہر ہے۔ یہ شہر دریائے والگا (Volga) کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ صنعتی اور تہذیبی حوالوں سے اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ استراخان کو انتظامی حوالے سے تین اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۴۱۱،۰۰۰ ہے۔ اس کی دریائی اور سمندری بندرگاہیں تجارتی حوالے سے اہم تصور کی جاتی ہے۔

استراخان میں خوراک، لوہا، لکڑی اور کیمیا سازی کی فیکٹریاں ہیں۔ مچھلی کے کارخانے خاص طور پر خوراک کی صنعت میں اضافے کا باعث بنتے ہے۔ مچھلیوں کو صاف کر کے برف میں جما کر ٹین کے ڈبوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گوشت اور دودھ کی مصنوعات کی تیاری کے پلانٹ اور فیکٹریاں بھی ہیں۔ یہاں موجود مشین سازی کے کارخانے بحری جہازوں کی مرمت اور نگہداشت میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ لکڑی کی صنعت سے فرنیچر، گتے کے ڈبے، اور کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ کپڑا بنانے کی چھوٹی موٹی فیکٹریاں بھی موجود ہیں۔ استراخاں میں موجود ٹیلی ویژن سٹیشن اور تھیٹر تہذیبی روایات کا پتہ بتاتے ہیں۔

Great Soviet Encyclopedia، جلد دوم (نیویارک / لندن: کویر میکملن پبلشرز، ۱۹۷۰ء)، ص ۴۲۳۔

17۔ یہ وسطی ہندوستان میں واقع ریاست مدھیہ پردیش کا ضلع اور شہر ہے۔ بال گھاٹ ہے۔ برہا اور برہی نام کے دو گاؤں پر مشتمل تھا۔ ۱۸۹۵ء میں حکومت برطانیہ نے ان دونوں گاؤں کر اسے ملا کر موجودہ شہر کی صورت دے دی۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۱۷۸،۶۲یت، ۱۸۶۷ء میں برطانوی چیف کمشنر رچرڈ ٹمپل کو یہ قصبہ اس قدر پسند آیا تھا کہ اس نے اس قصبے کی برطانوی افسران کے تفریحی مقام کے لئے مخصوص کرنے کی تجویز دی تھی۔ یہاں ایشیا کی سب سے بڑی میگانیز کی کان موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہاں چینی بنانے کے کارخانے بھی ہیں۔

Students Britanica India، جلد اول (نئی دہلی: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۵۰۔

18۔ مشنہ تالمود کا پہلا حصہ ہے۔ اس میں عہد نامہ عتیق کے زبانی قانون اور یہودیوں کے سیاسی وسول قوانین کے ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ اسے دوسری صدی عیسوی کے آخری ربعہ میں یا تیسری صدی کے پہلے ربعہ میں ربی ہو۔ واہ نے مرتب کیا۔ جو اکدوش یا ہاناسی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، وہ فلسطینی یہودی برادری کا جد امجد اور جبنہ کے جمیل کا پوتا تھا۔ مشنہ ارتقاء کی کئی صدیوں کا نمائندہ ہے۔ مختلف ابتدائی مجموعوں میں سے قدیم ترین مجموعہ شامائی اور ہل ایل کے شاگردوں کا تھا مشنہ ممبرانی میں لکھی گئی لیکن اس میں ارامی اور یونانی الفاظ کی ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے۔ اسے چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصہ مذید مقالوں اور انواب میں منقسم ہے۔ مشنہ صرف قوانین کی ضابطہ بندی ہے۔ اس کے بعد تالمود کا دوسرا حصہ جمیرہ (Germora) ہے۔ جس میں مشنہ کی تفسیر کی گئی ہے۔

یاسر جواد، عالمی انسائیکلو پیڈیا، جلد دوم (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۹، ۳۷۔

19۔ پٹیل یا پتیل کے معنی عزت ماب اور گاؤں کے سردار کے ہیں۔ عام طور پر اس سے مراد ایک کمبی قبیلے کا سردار لیا جاتا ہے۔ (کمبی سے مراد کاشتکاروں کے طبقے سے تعلق رکھنے والا قبیلہ ہے)۔ پٹیل ہندوؤں میں مرہٹوں کے لئے عام مستعمل خطاب ہے۔
پلیٹس، ص ۲۲۹، ۸۴۸۔

20۔ راؤٹی تکونی چھت والے چھوٹے خیمے کی ایک قسم ہے۔
یول، برنل، ص ۷۷۲۔

21۔ ہنری یول کو لفظ "نبی" کے استعمال کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ پیر، صوفی، ولی یا امام زادہ یہ تمام الفاظ کسی ایک شخص کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ مگر نبی ایک مخصوص اسلامی اصطلاح ہے۔ نبی کے لیے بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ سے رابطہ ضروری ہے۔ تعلیماتِ اسلام کے مطابق محمد ﷺ اللہ کے آخری بھیجے گئے نبی ہے۔ اب نبوت کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہے۔ چنانچہ کسی بھی انسان کے لیے نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

22۔ البتروس قادوسی پرندوں کی ایک قسم ہے جو بحر اوقیانوس اور جنوبی بحیروں میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک بڑا دریائی پرندہ ہے۔ اگلے زمانے میں اس پرندے کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ یہ اپنی چونچ میں پانی بھر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔
کلیم الدین احمد، *Jami English Urdu Dictionary*، جلد اول (نئی دہلی: بیورو فار پرموشن آف اردو، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۲۰۔

23۔ Tahiti فرانسیسی پولنیہ کا سب سے اہم اور بڑا جزیرہ ہے۔ یہ جزیرہ بحر اوقیانوس میں واقع ہے۔ یہاں دو بڑے لاوے کے مینار نما پہاڑ ہیں جن کی بلندی ۷،۶۱۸ فٹ ہے۔ ایک انگریزی مہم جوئی سموئیل ویلس نے ۱۷۶۷ء میں اسے پہلی دفعہ دریافت کیا۔ فرانس نے ۱۸۴۲ء میں اس جزیرے پر اپنا قبضہ قائم کیا۔ ماہی گیری یہاں کے لوگوں کا بنیادی پیشہ ہے۔ پھل دار درخت بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔
International Encyclopedia، جلد ۱۷ (چائنہ: لیکپکان پبلیکیشن، ۱۹۸۲ء)، ص ۴۸۱۔

24۔ پینانگ ملائیشیا کی ایک ریاست اور جزیرہ ہے جس کا رقبہ ۴۰۴.۶ مربع کلومیٹر ہے۔ ۱۷۸۶ء میں یہ جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے کپتان لائٹ نے کیدہ کے سلطان سے ایک سالانہ رقم کے عوض حاصل کر کے نو آبادی کی بنیاد رکھی۔ وہ اسے مشرقی سمندروں کے لیے منڈی بنانا چاہتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اسے ایک تعزیری بستی بنا دیا گیا۔ ۱۸۵۷ء تک اسے ہندوستان کے کالا پانی کی حیثیت حاصل رہی۔ ۱۸۰۵ء میں اسے ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ ۱۸۲۶ء میں جب سنگاپور اور ملاکا کو ملایا گیا تو اسے دار لحکومت بنا دیا گیا۔ ۱۸۶۷ء میں ایک نئی شاہی نو آبادی بنائی گئی تو یہ ایک ریذیڈنٹ کے زیر اہتمام آ گیا۔ ۱۹۶۰ء میں ملائیشیا کی آزادی کے ساتھ ہی اسے بھی وفاق میں شامل کر لیا گیا۔
سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، جلد اول (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۳ء)، ص ۵۵۸۔

25۔ تھامس مور ۱۷۷۹ء میں ڈبلن میں پیدا ہوا۔ مور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ موسیقار بھی تھا۔ اسے آئرلینڈ کے قومی شاعر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس کی دو نظمیں Lalla Rookh اور Love of the Angels کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ آخری عمر میں ناول بھی لکھا مگر اس کی شہرت شاعری اور موسیقی ہی کے توسط سے ہے۔ ۱۸۵۲ء میں برطانیہ میں انتقال کر گیا۔

ایگل، ص ۳۹۱۔

26۔ رابرٹ ساؤتھی (Rober Southey) انگریزی شاعر ۱۷۷۴ء میں پیدا ہوا۔ رابرٹ ساؤتھی نے کبھی کسی مخصوص مکتبِ فکر کی پیروی نہ کی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ نقطۂ نظر رومانوی فکر کا حامل تھا۔ یہ ۱۸۱۳ء سے ۱۸۴۳ء تک سرکاری شاعر کے عہدے پر فائض رہا۔ ساؤتھی نے ہسپانوی سے انگریزی میں کافی تراجم کیے۔ بہت سے اخباروں میں بھی لکھا۔ طویل اور مختصر دونوں طرح کی نظمیں لکھی مگر ان کی اصل وجہ شہرت ان کی مختصر نظمیں بنی۔ ۱۸۴۳ء میں ساؤتھی کا انتقال لندن میں ہوا۔

ایضاً، ص ۵۴۲۔

27۔ پسکار یو پرتگالی زبان کا لفظ ہے۔

28۔ ہنری یول کے مطابق بلوک مین کے ترجمہ کیے گئے آئین اکبری کے ترجمے میں پشاور کا لفظ موجود نہیں ہے۔ جب کہ جو ایڈیشن راقمہ نے دیکھا ہے اس میں چھ مختلف جگہوں پر پشاور کا ذکر کیا گیا ہے۔ پشاور کے قریب زین خان کے کامیاب حملے، پشاور میں کوچ خاں کے انتقال، عہد اکبری کے پشاور میں مقرر گورنر، پشاور بطور سید حامد کی جاگیر کے، پشاور بطور احمد بیگ کی جاگیر اور سردار خان کے سخت رویے کے ضمن میں پشاور کا ذکر موجود ہے۔

ابو الفضل، *The Ain Akbari*، ترجمہ بلوک مین (نئی دہلی: اورینٹل بکس و پرنٹ کارپوریشن، ۱۹۷۷ء)، ص ۳۶۸، ۳۸۱، ۴۰۸، ۴۳۴، ۵۱۹، ۵۲۳۔

29۔ ٹھگ سے مراد وہ چور ہے جو تاجروں، مسافروں یا یاتریوں کی حیثیت سے قافلے کے دوسرے مسافروں میں گھل مل جاتے تھے اور موقع پاتے ہی اپنے رومال سے مسافروں کا گلا گھونٹ کر ان کی جان لے لیتے، مال لوٹ کر لاشوں کو ٹھکانے لگا دیتے۔ گلے میں پھندا ڈال کر قتل کرنے کی وجہ سے انھیں پھانسی گر کہا جاتا تھا۔

یول، برنل، ص ۹۱۵۔

"Q"

QUAMOCLIT,s
قویموکلٹ، اسم ذات

یہ اپوسَیا قویموکلٹ ہے۔ لینیس نے چنبیلی کو یہ نام دیا ہے۔ یہ نام سنسکرت لفظ "کاملتا" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یعنی یہ محبت کے دیوتا "کامہ" کے پیغام کو پھیلاتا ہے۔

QUEDDA, n.p
قویدہ، اسم معرفہ

جزیرہ نما مالے کے ساحل پر واقع ایک چھوٹے سے ملک، شہر اور بندرگاہ کا نام ہے۔ یہ ملک سیام (Siam) کو خراج ادا کرتا ہے۔ کرافرڈ (Crawfurd) کے خیال میں یہ ملاوی لفظ "قداہ" ہے یعنی "ہاتھی کو پکڑنے والا ایک جال"۔ [سکیٹ صاحب کا کہنا ہے کہ وہ کرافرڈ کی تجویز کے ماخذ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے مگر انھیں کلنکرٹ (Klinkert) کی لغت میں کہیں بھی یہ لفظ نظر نہیں آیا۔ البتہ نام کا مادہ لفظ "قیداہ" (Keddah) ہی ہے۔ غالباً ہاتھیوں کی قطاریں سامی روایات کا حصہ ہے۔ مالے کے مشرقی ساحلوں پر ہاتھی کو اس کی مضبوط ناک سے پکڑنے کا طریقہ رائج ہے] عرب کے سمندری مسافروں نے اِس مقام کو "قلاء" (Kalah) لکھا ہے۔ سندباد کے چوتھے سمندری سفر میں بھی اِس کا یہی نام ملتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قدیم نام "قولہ" (Kwala) کو ظاہر کرتے ہوں۔ جس کے معنی "دریا کے دہانے" کے ہیں۔ مالے کے علاقے میں بہت سی چھوٹی بندرگاہیں اِسی نام سے جانی جاتی ہیں۔ چنانچہ جس بندرگاہ کو ہم قویدا کہتے ہیں مالے میں اسے قولہ بترنگ (Kwala Batrang) کہتے ہیں۔

QUEMOY, n.p
کیموئے، اسم معرفہ

آموئے[1] (Amoy) کی بندرگاہ کے مشرقی جانب واقع ایک جزیرے کا نام ہے۔ یہ لفظ "کن من" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ چنگ چو کی بولی میں اسے "کن موئی" کہا جائے گا۔ یعنی "سنہری دروازہ"۔

QUI-HI,s
کوئی ہے، اسم ذات

یہ بنگالی اینگلو انڈین میں عرف عام میں استعمال ہونے والا ایک مخصوص نام ہے۔ یہاں عام طور پر نوکروں کو اِس انداز سے پکارا جاتا ہے۔ کوئی ہے یعنی! کیا کوئی موجود ہے؟

مدراس کی اینگلو انڈین کو ئل اور بمبئی کی اینگلو انڈین

"کوڈک"(Duck) کہتے ہیں۔

QUILOA, n.p
کُلوہ، اسم معرفہ

سوفالہ(Sofala) سے آگے جنوب میں '۹ درجے طول بلد پر کُلوہ' واقع ہے۔ عربوں کے بحری سفر میں اِس کا ذکر افریقہ کے مشرقی ساحل پر ملتا ہے۔ ادریسی اور ابوالغداع دونوں جغرافیہ دانوں نے سوفالہ کا ذکر تو کیا ہے مگر کلوہ(Kilwa) کا ذکر کہیں نہیں کیا۔ اس کا ذکر ہمیں ریٹرو(Roteiro) اور بروس(Barros) کی تحریر کردہ واسکوڈے گاما کے سمندری سفر کی روداد میں ملتا ہے۔ بروس کو کُلوہ (Quiloa) کی ایک مقامی سرگزشت بھی دستیاب ہوئی ہے۔ اس کی بنیاد پر بروس نے ۴۰۰ء کو اس کے قیام کی تاریخ لکھا ہے۔

QUILON, n.p
قولون، اسم معرفہ

یہ اب موجودہ ترونکور کے ایک قصبے کا نام ہے۔ نام کی یہ صورت پرتگالیوں سے لی گئی ہے۔ ایک وقت میں یہ مالابار کی بہت مشہور بندرگاہ ہوا کرتی تھی۔ عرب اِس بندرگاہ کو قولم کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اصل میں یہ تامل لفظ قولّم(Kollam) ہے۔ بشپ کلڈول(Bishop Caldwell) کے خیال میں اِس کے معانی 'محل' یا "شاہی رہائش گاہ" کے ہیں۔ کیونکہ "قولو"(Kolu) کے معانی 'شاہی موجودگی' یا 'حاضرین کے لیے مخصوص ہال' کے ہوتے ہیں۔

[لوگان صاحب کا کہنا ہے کہ لفظ قولّم دراصل قویلگم یا قولگم(Kovilagam) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی "بادشاہ کے گھر" کے ہیں۔

ماضی میں ایک عرصے تک 'قولم' کی بندرگاہ ہندوستان اور مغربی ایشیاء کے مابین تجارت کے حوالے سے جانی جاتی تھی۔ خاص طور پر مرچوں اور برازیل کی لکڑی کی تجارت کے لیے یہی بندرگاہ استعمال کی جاتی تھی۔ غالباً چھٹی صدی میں کاسمس(Cosmas) نے اِسی کے لیے میلیٔ (Mali) کا لفظ استعمال کیا تھا۔

مگر موجودہ نام کا ذکر ہمیں سب سے پہلے تین صدیاں قبل ریلیشن(Relation) کے نام سے کیے جانے والے رناؤڈ(Reinaud) کے تراجم میں نظر آتا ہے۔ شامی کتب سے ملنے والی معلومات کے مطابق تین شامی مشنری ۸۲۳ عیسوی میں قولم آئے تھے۔ اور انہوں نے بادشاہ شاکر بیرتی سے یہاں چرچ بنانے کی اجازت لی تھی۔ اِس واقعہ کی دی گئی تاریخ اور قولم کے عہد میں کچھ مطابقت موجود ہے۔ مگر 'شاکر بیرتی' کے متعلق کچھ شبہ ہے کہ یہ شاید "راجا چکرورتی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔[2] یہ قصبہ جسے آج ہم قیولان کا نام دیتے ہیں ترونکور کا تیسرا قصبہ

ہے۔ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اِس کی آبادی ۲۳۳۸۰ نفوس پر مشتمل ہے یہاں چھوٹی موٹی تجارت بھی ہوتی ہے۔ ۱۸۳۰ء سے یہ یورپیوں کی فوجی حفاظت میں ہے مگر اب یہاں سپاہیوں کا صرف ایک دستہ موجود ہے۔

عہد وسطیٰ میں کلیسا کے متعلق لکھی گئی یادداشتوں میں اِس جگہ کا نام قولمبم(Columbum) درج ہے۔ ۱۳۲۸ء میں اِسی نام سے رومی کلیسا کے ریکارڈ میں اِس کا ذکر ملتا ہے مگر یہ معلومات سلطانیہ فارس کے آرچ بشپ کے نائب بشپ کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں۔ کئی کلیسا میں ایک سے زیادہ بشپ کی موجودگی شک میں مبتلا کرتی ہے۔ جارڈنس(Jordanus) نے اپنی کتاب مرابلیلا (Mirabilia) میں اسے کئی جگہ نقل کیا ہے۔ ہمیں ان کی کتاب اور نامزدگی کے متعلق تو علم ہے مگر اِس بارے میں کچھ خبر نہیں کہ وہ بشپ کے عہدے پر برقرار رہے یا اسے چھوڑ دیا۔

کچھ جگہوں پر اِس شہر کا نام "قولمبا" بھی لکھا ہے۔ [قلمبا پٹنہ، قالمبپٹنہ اِس نام کی دیگر صورت ہیں۔ فرائراڈرک(Frair Odoric) کے سفر کے حوالے سے "پلمبم" نام سامنے آتا ہے۔

QUIRPELE,s

کورپیل، اسم ذات

یہ "وینولے" کا تامل نام ہے۔ اصل لفظ کیر پلاء" ہے۔ یعنی "کیٹلی آواز میں چیخنے والا۔"

حواشی

۱۔ یہ جنوبی چین کا شہر ہے۔

2۔ شاکر بیرتی کی ہندوستانی شکل چکرورتی ہے۔ یہ بنگالی برہمن نام ہے جو ہندوستان کے عظیم الشان بادشاہ اپنے لیے استعمال کرتے تھے۔

یول، برنل، ص۶۶۷۔

جب نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ کے اشارے سے چاند فلک پر دو ٹکڑے ہوا تو پوری دنیا میں یہ منظر دیکھا گیا۔ ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلی علاقے کے بادشاہ چکرورتی نے بھی یہ منظر دیکھا تو تخت و تاج بیٹے کے سپرد کر کے حقیقت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ لمبا سفر کر کے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ واپسی کے سفر پر اس کا انتقال ہو گیا۔

مجنوں، ہندوستان کا پہلا مسلمان اور صحابی رسول ﷺ چکرورتی فرمس" http://m.facebook.com.pk[6.sep.2017 ,1:05PM]

تعلیقات

1☆ **ادریسی:**

ادریسی (۱۱۰۰ء۔۱۱۶۵ء) کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد ابن محمد ابن عبد اللہ ادریس الحمودی الحسن ادریسی تھا۔ ادریسی ایک نامور عرب جغرافیہ دان ہے۔ سسلی کے نارمن بادشاہ راجر دوم کا مشیر بھی تھا۔ قرون وسطی میں لکھی گئی عظیم جغرافیہ کی کتب میں سے بھی ایک کتاب کتاب نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق بھی ادریسی ہی کی تصنیف ہے۔ ادریسی کی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہے۔ ادریسی کی جائے پیدائش سبتہ (موجودہ کیوٹا) ہے۔ یہی اس کے محمودی اجداد ملاکا سے بھاگ کر آباد ہوئے تھے۔ اپنی ابتدائی زندگی ادریسی نے شمالی افریقہ اور سپین میں سفر کرتے ہوئے گزاری۔ قرطبہ، مور، مراکش، قسطنطنیہ میں بھی کچھ عرصہ رہا۔ اسے پرتگال، شمال سپین، فرانسیسی اٹلانٹک ساحل سمیت جنوبی یورپ کے کئی علاقوں میں گیا۔ غالباً ۱۱۴۵ء میں سسلی کے راجر دوم کے دربار میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد سے ادریسی کے سب کارنامے پالرمو کے نارمن دربار سے منسلک ہو گئے۔[۱] ادریسی کی بقیہ زندگی یہی گزری۔ کچھ محققین کے مطابق عیسائی بادشاہ کی رعیت میں شامل ہونے پر مسلمانوں میں اسے لادین تصور کیا جانے لگا تھا۔ سسلی میں ادریسی نے جغرافیہ پر تین اہم کام مکمل کیے۔

۱۔ چاندی کا ایک کرہ بنایا جس پر دنیا کا نقشہ دکھایا گیا تھا۔

۲۔ ۷۰ حصوں پر مشتمل ایک نقشہ تیار کیا جس میں خطِ استوا سے شمال کی دنیا کو برابر چوڑائی کے سات خطوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر خطہ مزید دس خطوں میں تقسیم تھا۔

۳۔ اسی کرے کو سمجھنے کے لیے لکھی گئی جغرافیائی کتاب کتاب انزہت المشتاق الاختراق، یہ کتاب روجاری، یا الکتاب الروجار کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔[۲] ادریسی نے اپنی اس کتب میں عربی اور یونانی جغرافیہ دانوں کی کتب سے حاصل شدہ مواد کو عینی شاہدین کے بیانات اور تذکروں کے ساتھ ملا دیا ہے۔ یہ کتاب ۱۱۵۴ء میں راجر کی موت سے کچھ عرصہ قبل مکمل ہوئی۔ اس کتاب کے مختلف حصے ۱۹۷۰ء کی دہائی کے اوائل میں منظرِ عام پر آنا شروع ہوئے۔ ادریسی کی علمی دلچسپیوں میں سائنس کے ساتھ طب بھی شامل ہے۔ کتاب الادویہ میں کم از کم ۱۲ زبانوں میں ادویات کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے۔ شواہد کے مطابق عمر کے آخری حصے میں ادریسی نے عربی زبان میں شاعری بھی کی۔

2☆ **ابن بطوطہ:**

ابن بطوطہ کا اصل نام ابو عبد اللہ محمد الواقف الطنجی ہے۔ یہ مشہور و معروف سیاح مراکش کے شہر طبخہ میں ۲۴ فروری ۱۳۰۴ء میں پیدا ہوا۔ خاندان ہی سے فقہ اور ادب کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۱ سال میں حج کے بعد سیاحت کا آغاز کیا۔ سفر کے آغاز میں حجاز، شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علم کا ارادہ تھا مگر دنیا کو جاننے کی خواہش ۲۸ سال کے طویل سفر کا موجب بنی۔ ابن بطوطہ نے حجاز، شام، اسکندریہ، عراق، مغربی ایران، آذربائیجان، بغداد، جدہ، یمن، عدن، مشرقی افریقہ کے ساحلی مقامات، عمان، خلیج ایران، سنوپ،

جنوبی روس کے سرد علاقے، بخارا، سمرقند، بلخ، قسطنطنیہ، بیت المقدس، فراسان، افغانستان، ہندوستان، سوڈان اور غرناطہ کا سفر کیا۔ [3]

ابن بطوطہ نے سیاحت کی اس روداد کو اپنے سفرنامے "رحلہ" کی صورت میں محفوظ کر دیا۔ تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور معلوماتی حوالوں سے اس سفرنامے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابنِ بطوطہ نے مکہ میں قیام کے دوران دہلی کے بادشاہ محمد بن تغلق کی تعریف سن کر دہلی کے سفر کا ارادہ کیا اور ایک لمبا چکر کاٹ کر ہندوستان پہنچا۔ ہندوستان میں ابنِ بطوطہ کو توقعات کے مطابق پذیرائی ملی۔ اعزازات اور تحائف کے ساتھ قاضی القفاہ کا عہدہ بھی ملا۔ یہاں تک کہ ۱۳۴۲ء میں شہنشاہ چین کے پاس سلطان کا سفیر مقرر ہوا۔ مگر دورانِ سفر کالی کٹ کے مقام پر جہاز طوفان کا شکار ہوا اور یوں ابنِ بطوطہ جزائر مالدیو پہنچ گیا۔ یہاں دو سال کے قیام میں اس نے شاہی خاندان میں شادی کی۔ پھر بنگال آسام سے ہوتا ہوا ساٹرا پہنچا۔ ایک مسلم بادشاہ سے بحری جہاز حاصل کر کے چین روانہ ہوا۔ چینی بندرگاہ زیتون پر اترا اور دریائی سفر کرتا ہوا پیکنگ پہنچا۔ چین سے واپسی پر ساٹرا، مالابار، خلیج فارس، بغداد، شام اور مصر سے ہوتا ہوا تیونس پہنچا۔ ۱۳۴۹ء میں الجیریا اور فز کا سفر کیا، پھر غرناطہ اور سوڈان کا رُخ کیا اور ۱۳۵۲ء میں مالے گیا۔

۱۳۵۳ء کے خاتمے پر مراکش پہنچا اور وہی اپنا تاریخی سفرنامہ لکھا۔ ۱۳۶۸ء سے ۱۳۶۹ء کے دوران وفات پائی اور اپنے آبائی وطن طبخہ ہی میں دفن ہوا۔ اشتیاق حسین قریشی نے ابن بطوطہ کی تاریخ وفات ۱۳۷۷ء لکھی ہے۔ [4] ابن بطوطہ کے سفرنامے کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اردو میں ریٹائرڈ سیشن جج خان بہادر مولوی محمد حسین نے بھی ابن بطوطہ کے سفرنامے کا ترجمہ کیا ہے۔ سفرنامے میں بہت سے اجنبی الفاظ بھی ہیں۔ بعض شہروں کے قدیم نام ہے اس لیے وہ باعث شناخت نہیں رہے مگر اس ترجمہ شدہ ایڈیشن میں معلومات سے بھرپور حواشی درج ہے جس میں مبہم ناموں کے ساتھ ساتھ اضافی معلومات بھی درج ہیں۔

ذاتی زندگی، شادیاں، بادشاہوں اور وزیروں سے تعلقات، قاضی القفاہ کے عہدے کے دوران پیش آنے والے واقعات، سمندری سفروں اور مختلف ممالک میں قیام کے دوران مشاہدے میں آنے والے واقعات، سمندری سفروں اور مختلف ممالک میں قیام کے دوران مشاہدے میں آنے والے امور، خوشی کے تہواروں اور غم کی رسوم تک سب اس سفرنامے کا حصہ ہے۔ سلاطین کے احوال سفرنامے کو تاریخی رنگ دیتے ہیں۔ میلوں، جلوسوں، عوام اور خواص کے دستر خوانوں کے فرق، درباروں کی رونق، عمارت کی شان و شوکت اس کے تہذیبی و ثقافتی اہمیت کو پیش کرتے ہیں۔ غرضیکہ یہ سفرنامہ تاریخی دستاویز اور تہذیبی مرقع کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

3☆ بہمنی سلطنت:

مملکت دکن ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر ۱۳۴۵ء سے ۱۵۲۶ء تک قائم رہی۔ محمد بن تغلق کے عہد میں دکن کے امیران صدہ نے بغاوت کر کے دکن کے اہم مقام دولت آباد پر قبضہ کر کے اس آزاد ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا پہلا حکمران اسماعیل مسخ تھا جس نے سلطان ناصر کا لقب اختیار کیا، ایک نااہل حکمران ثابت ہوا۔ چنانچہ ۱۳ اگست ۱۳۴۷ء کو حسن گنگو (علاؤالدین بہمنی) ریاست کا نیا سلطان مقرر ہوا۔ اس کا سلسلہ نصب چونکہ ایران قدیم کے بادشاہ بہمن شاہ ابن اسفندیار سے ملتا تھا اس لیے وہ اپنے آپ کو بہمنی کہتا تھا اسی نسبت سے یہ نئی سلطنت بہمنی سلطنت کہلائی۔

اس مدبر بادشاہ نے گلبرکہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور سلطنت کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں منقسم کر کے ان پر قابل اعتماد ساتھیوں کو گورنر مقرر کیا۔ اندرونی معاملات کی درستگی کے بعد قندھار، بیدر اور ماکھر وغیرہ فتح ہو کر بہمنی سلطنت میں شامل ہو گئے۔

محمد تغلق کے انتقال نے ریاست کو مزید استحکام بخشا۔ علاؤالدین کے جانشین محمد شاہ اول کے سر ہے۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ جمعہ اور سکہ جاری کیا۔ دربار کا شان و شوکت کے ساتھ انتظام کرتا۔ اس بہادر حکمران نے تلنگانہ اور وجے نگر کی ہندو ریاستوں کے خلاف لشکر کشی کی اور وہ دونوں ہندو ریاستوں کے مہاراجہ کو جھکنے پر مجبور کیا۔ اس کے عہدِ حکومت میں بہمنی سلطنت ۴ صوبوں پر مشتمل تھی۔ ۱۳۷۵ء میں ساڑھے سترہ سال حکومت کرنے کے بعد محمد شاہ اول نے وفات پائی تو اس کا بیٹا مجاہد تخت نشین ہوا۔ اس نے ایرانی اور ترکی امراء کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جس کے باعث دکنی امراء خفا ہوئے۔ اسے مروا کر اس کا چچا تخت پر بیٹھا مگر جلد ہی وہ بھی مارا گیا اور محمد شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ محمد شاہ ثانی صلح جو اور امن پسند تھا۔ شاہی خزانے کو قوم کی امانت تصور کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے دور میں فلاح اور بہبود کے بہت سے کام کیے گئے، علم و فن کی ترقی ہوئی۔ مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ اس قابل بادشاہ کے دورِ حکومت میں ماوراء النہر، وسطی ایشیا، ایران اور ملک عرب سے مسلمانوں کی ایک رو آئی جو بالآخر اسی سرزمین کا حصہ بن گئے۔ ۵

محمد شاہ ثانی کے بعد اس کے دو بیٹے یک بعد دیگرے قلیل مدت کے لیے حکمران بنے۔ بالآخر امراء علاؤالدین حسن کے پوتے فیروز خاں کو تخت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت پر بلالیا۔ اس نے گلبرگہ پہنچ کر تخت پر قبضہ کیا۔ فیروز شاہ بہمنی نے ۱۳۹۷ء میں تاج شاہی پہنا۔ اگلے ہی سال وجے نگر کے ہندو راجہ کے حملے کا منہ توڑ جواب دیا۔ ۱۴۰۶ء میں وجے نگر سے دوسری لڑائی بھی فیروز شاہ نے جیتی اور راجہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔ ۱۴۲۲ء میں بیماری کے باعث فیروز شاہ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد فیروز شاہ کا بھائی احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ ثقافتوں کے ادغام کے حوالے سے فیروز شاہ کا عہد اہم ہے۔

احمد شاہ نے سب سے پہلے اپنا دار لحکومت بیدر منتقل کیا اور پھر جنوب کی طرف فوج کشی کی۔ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ہندو فوج سے معرکہ ہوا۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، راجہ نے ہتھیار ڈال دیے اور بہمنی سلطنت کی زمین میں اضافہ ہو گیا۔ اس عہد میں علم و ادب کی خوب سرپرستی کی گئی۔ ۶ احمد شاہ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا ظفر خاں علاؤالدین ثانی کے خطاب سے تخت نشین ہوا۔ سب سے پہلے اسے اپنے بھائی کی بغاوت سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اس کے بعد وجے نگر سے مسلسل لڑائیاں جاری رہی جن میں بہمنی سلطنت فاتح رہی۔ دکنی امراء کا مذہب سُنی جب کہ دربار میں موجود ترکی اور ایرانی عموماً شیعہ تھے۔ ایسے میں بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہ عہد بھی ریاست کی فلاح و بہبود کا عہد تھا۔

علاؤالدین کے بعد اس کا بیٹا حسن اور پھر اس کا بھائی ہمایوں مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔ ہمایوں سخت گیر، درشت مزاج اور مغلوب الغضب فرمانروا تھا۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بڑی بڑی سزائیں دیا کرتا۔ آخر اس کے ملازمین نے نشہ کی حالت میں اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا آٹھ سالہ بیٹا نظام شاہ تخت پر بیٹھا جب کہ حکومت کا اصل انتظام اس کی والدہ مخدومہ جہاں اور محمود گاواں کے سپرد تھا۔ نظام شاہ کی ایک سال بعد اچانک موت واقع ہو گئی تو اس کا بھائی محمد شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ بھی نہایت کم عمر تھا اس لیے عملی طور پر سلطنت کا انتظام و انصرام والدہ سلطان اور محمود گاواں کے سپرد رہا۔ محمود گاواں نے دیانت اور لیاقت سے اپنے فرائض انجام دیے۔ فلاحی کاموں کے ساتھ بہمنی سلطنت کو وسعت دی۔ حاسدوں نے محمود گاواں کے خلاف سازش کروا کے اسے قتل کروا دیا۔ اس قتل کے ساتھ ہی سلطنت کا امن و سکون بھی رخصت ہو گیا۔ محمد شاہ کے بعد محمود شاہ اور پھر یک بعد دیگرے ۴ حکمران آئے مگر اس دوران بیجاپور، احمد نگر، برار اور گولکنڈہ میں خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ سلطان صرف بیدر کے علاقے تک محدود ہو گئے مگر وہاں بھی ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ آخری سلطان کلیم اللہ نے ۱۵۲۶ء میں بیدر سے بھاگ کر بیجاپور میں

پناہ لی تو امیر برید نے بیدر میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ یوں بہمنی سلطنت کی جگہ مندرجہ ذیل پانچ خود مختار ریاستوں نے لے لی۔

۱۔ برار میں عماد شاہی سلطنت۔

۲۔ احمد نگر میں نظام شاہی سلطنت۔

۳۔ بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت۔

۴۔ گولکنڈہ میں قطب شاہی سلطنت۔

۵۔ بیدر میں برید شاہی سلطنت۔۷

☆4 **ایچ۔ ایچ۔ ولسن:**

ایچ۔ ایچ۔ ولسن کا پورا نام ہورک ہیمن ولسن (Horace Hayman Wilson) ہے۔ لندن میں ۲۶ ستمبر ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ لندن ہی سے تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۸۰۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے شعبہ طب میں ملازمت کے تحت کلکتہ آ گئے مگر کیمسٹری سے گہری آگاہی رکھنے کے باعث انھیں کلکتہ ٹکسال کی ذمہ داریاں دے دی گئی۔ ۱۸۱۱ء سے ۱۸۳۳ء تک ایشیائک سوسائٹی بنگال کے سیکٹری رہے۔ ہندوستان میں قیام کے دوران سنسکرت زبان سیکھی اور ۱۸۱۳ء میں کالی داس کی ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا۔ ان کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر کلکتہ ٹکسال کی ذمہ داری بھی ان کے ہندوستان میں قیام تک ان ہی کے پاس رہی۔۸ ایشیائک سوسائٹی کے توسط سے ایشیائی طب، معاشرت اور مشرقی ادب پر بھی کام کیا۔ عوامی رہنمائی کی کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے انھوں نے یورپی، سائنسی علوم اور انگریزی ادب کو مقامی تعلیم میں شامل کروایا۔ ۱۸۳۳ء کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں سنسکرت کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ان تمام عہدوں کے علاوہ ولسن صاحب ہیل بری کالج کے ممتحن بھی تھے۔ ملازمت کے حوالے سے ملنے والی مصروفیات کے باوجود ذاتی طور پر ہندوستان کے موضوع پر کتابیں بھی لکھی۔ ان کی کچھ کتب کے نام درج ذیل ہے۔

- *Historical Account of the Burmese war.*
- *Vishnu purana; lectures on the Religious and Philosophical systems of the Hindus*, 1840.
- *A Sanskrit grammar.*
- *Translation of Rig veda*
- *A Glossary of Judicial and Revenue terms.*

درج ذیل کتابوں کی تدوین کر کے شائع کیا۔

- *Mill's History of British India.*
- *Macnaghten's Hindu law*۹

فرہنگ ولسن کو مولوی عبد الحق نے ضخیم، محققانہ اور بڑی پایے کی کتاب کہا ہے۔ اس کا سنہ اشاعت ۱۸۰۰ء ہے۔ اس فرہنگ میں حکومت کے نظم و نسق کے ہر شعبے اور ہر صوبے کے الفاظ، اصطلاحات اور دیگر تمام الفاظ جو کسی نہ کسی صورت عدالتی اور مالی قانون میں آ گئے ہیں، ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔ فرہنگ ہندوستانی (اردو) کے سوا عربی، فارسی، سنسکرت، بنگالی، مرہٹی، تلنگی، تامل، ملیالم کے الفاظ بھی شامل ہے۔ فرہنگ کی افادیت کے پیشِ نظر ۱۹۴۰ء میں اسے کلکتہ سے شائع کیا۔ ۱۹۸۵ء میں مقتدرہ قومی

زبان نے اسے اصطلاحات عدلیہ و مالگزاری کے عنوان سے شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں ولسن کا لکھا ہوا مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے۔ الفاظ کی وضاحت انگریزی میں کی گئی ہے مگر اس کی متمیز خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سنسکرت، مراٹھی، عربی، فارسی کو دیوناگری اور اردو رسم الخط میں لکھنے کے ساتھ ساتھ بنگالی، تلگو، کرناٹک، تامل، ملیالم، گجراتی کی آوازوں کی مقدمے میں الگ وضاحت کے ساتھ ان کے مخصوص رسم الخط میں الفاظ بھی شامل ہے۔۱۰

5☆ **جین مت:**

جین مت ہندوستان کا ایک قدیم مذہب ہے۔ جین کے لفظی معنی "فاتح" کے ہیں۔ اس مذہب کا نام ان صوفیوں پر رکھا گیا جنہوں نے اپنی تمام خواہشات پر قابو پالیا۔ جینیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے اور صرف انسانوں نہیں بلکہ کائنات کی تمام چیزوں کا مذہب ہے۔ ہندوستان میں یہ مذہب اپنشد کی تعلیمات و نظریات کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا۔ اپنشد کی تعلیمات فلسفیانہ تھی نیز اس میں عام لوگوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک نیا مذہب وجود میں آیا۔ جین مت کے پیروکاروں کے نزدیک سب سے پہلا انسان ناتھ تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ ناتھ سوکھب پلیا پہلے پیدا ہوا تھا۔ (پلیا سے ان کی مراد اتنی مدت ہے جتنا کوئی پرندہ ایک مربع میل کنویں کو باریک بالوں سے فی بال سو سال کے حساب سے بھر دے)۔

جین مت کا بانی مہابیر ہے جو گوتم بدھ کا ہم عصر تھا۔ مہابیر مگدھ کے راجا کا دوسرا بیٹا تھا۔ غیر معمولی شجاعت و بہادری کے حامل مہابیر کی زندگی خوشگوار بسر ہو رہی تھی مگر والدین کی موت نے اس کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ اس نے بارہ سال تک خاموش رہنے کا عہد کیا اور فقیروں کا لباس پہن کر محل سے نکل کھڑا ہوا۔ یہ مدت گزرنے کے بعد اس نے اپنے خیالات کی اشاعت مختلف علاقوں میں کی، مہابیر نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔۱۱

جینیون کے نزدیک تمام مصائب کا سرچشمہ انسانوں کی لامتناہی اور غیر محدود ہیں۔ چنانچہ روح کو مسرت سے ہمکنار کرنے کے لیے لازم ہے کہ خود کو خواہشات نفس کی قید سے آزاد کر لیا جائے۔ یہی نروان کے حصول کا سلبی ذریعہ ہے۔ ان کے پانچ اصول درج ذیل ہیں۔

۱۔ کسی ذی روح کو قتل نہ کیا جائے۔ کسی کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

۲۔ چوری سے احتراز کیا جائے۔

۳۔ جھوٹ نہ بولا جائے۔

۴۔ نشہ آور اشیاء سے دور رہ کر پاکدامنی کی زندگی بسر کی جائے۔

۵۔ لالچ اور تمنا کو ختم کیا جائے۔

یہ مذہب عالمگیر مذہب نہ بن سکا جس کی بڑی وجہ ان کا پہلا اصول تھا یعنی کسی جاندار کا قتل نہ کیا جائے۔ اسی باعث اس کے پیروکار دنیا کا کوئی پیشہ اختیار نہ کر سکے۔ زمین پر ہل چلاتے حشرات الارض کی موت کا احتمال انھیں زراعت سے دور کر دیتا ہے۔ شکار نہیں کرتے یوں کاروبارِ زندگی معطل ہو جاتا ہے۔۱۲

جینی خدا کے قائل نہیں، نہ ذات پات کی تفریق اور ویدوں کو مانتے ہیں۔ فقر و فاقہ کو ان کے ہاں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ترک خواہشات اور ترک دنیا ہی ان کے نزدیک بہترین عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں جین مت میں معابد کے نشانات

نہیں ملتے۔ البتہ بعد میں عبادت خانے تعمیر ہوئے۔ ان کے ہاں جنت اور دوزخ کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا تصور ہے کہ زیرِ زمین سات دوزخیں ہیں۔ جب کہ چھبیس جنتیں ہیں۔ جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو روح بھاری ہو کر جہنم میں جا گرتی ہے۔

موجودہ دور میں جینہ یوں کی تعداد سولہ لاکھ کے قریب ہے۔ ان کے قدیم مندر ہندوستان کے فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہیں۔ ہندوستان کے صوبہ گجرات میں کوہ آبو میں ان کا ایک عظیم الشان مندر ہے۔ پورے ہندوستان میں ان کے تقریباً چالیس ہزار مندر ہے۔ بحیثیت مجموعی جینی خدمت خلق کے کاموں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ فلاحی اداروں کے قیام پر زور دیتے ہیں۔

دہلی میں جین متن کا ایک تبلیغی ادارہ "جین متر منڈل" کے نام سے تقریباً ایک صدی سے کام کر رہا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے پمفلٹ انگریزی، اردو اور ہندی میں شائع کر کے اس مذہب کا پیغام سب لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ یہاں سے شائع ہونے والے کچھ کتابچوں کے عنوان خیالات لطیف، آرزوے خیر باد، حقیقت دنیا، گلزار تخیل، جین دھرم کی عظمت، جین کرم فلاسفی، صبح صادق، نایاب گوہر، بھگوان مہاویر، سپت ویسن، گیان سورج ادے ہیں۔ ۱۳

6☆ واسکوڈے گاما:

واسکوڈے گاما ۱۴۶۰ء میں پرتگال کے شہر سائنز میں پیدا ہوا۔ ۱۴ اس دور میں یورپ، چین اور ہندوستان میں بہت دلچسپی لے رہا تھا۔ ہندوستان کی آب و ہوا، فصلیں، مذاہب، روایات، پھل، پھول سبھی کے رنگ اہل یورپ کے لیے نرالے تھے۔ زرعی زمینوں نے ہندوستان کو اہل یورپ کی نظر میں سونے کی چڑیا بنا کر پیش کیا تھا۔ اسے آباد، خوبصورت اور پر فضا مقام کو دیکھنے کی خواہش پر زندہ دل یورپی کے دل میں موجود تھی۔ ہندوستان میں تیار کیے گئے کپڑے جو یورپ پہنچے تو انھیں ہندوستان کی ترقی اور خوشحالی نے بہت متاثر کیا۔ یورپ اس وقت مشرق سے بہت پیچھے تھے مگر جہاز رانی کے ماہرین ان کے پاس موجود تھے۔ واسکوڈے گاما بھی انھیں ماہرین اور ذہین افراد میں شامل تھا۔ ۱۴۹۷ء شاہ پرتگال نے ۳۷ برس کے واسکوڈے گاما کو امیر البحر مقرر کر کے ایک بحری بیڑہ سونپا اور ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

۸ جولائی ۱۴۹۷ء کو واسکوڈے گاما مانرین سے روانہ ہوا۔ گیبریل، رافائیل، باریو اور ساریو نام کے چاری بحری جہاز اس کے زیر کمان تھے۔ دوران سفر بہت سے طوفانوں میں جہاز راستے سے بھٹکے مگر ایک ماہر ملاح کی رہنمائی میں یہ جنوبی افریقہ کے ساحلوں کو پہنچ گئے۔

جنوبی افریقہ سے افریقہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ اوپر شمال کی طرف بڑھے اور فروری ۱۴۹۸ء کے اولین دنوں میں موزمبیق پہنچ گئے۔ یہاں دو ماہ قیام کیا اور پھر اپریل میں موزمبیق پہنچ گئے۔ یہاں سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ یوں بالآخر ۲۲ مئی ۱۴۹۸ء کو وہ ہندوستان کے مغربی ساحل یعنی کالی کٹ (کلکتہ) کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئے۔ ۱۵ اس بحری سفر میں ایک مسلمان ملاح احمد بن ماجد نے واسکوڈے گاما کی رہنمائی کی۔ انھیں دنوں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔

ہندوستان کے راستے کی دریافت پر واسکوڈے گاما کو امیر البحر کا خطاب ملا۔ ۱۴۹۹ء میں یہ اپنا جہاز گرم مصالحوں، جواہرات اور ہندوستان کے قیمتی کپڑوں سے بھر کر پرتگال پہنچا۔ اس دریافت کے نتیجے میں ہندوستان اور پرتگال کے مابین تجارتی روابط قائم ہوئے اور پرتگال کا دارالحکومت لزبن ہندوستان کے ساتھ کی جانے والی تجارت کے سبب یورپ کا سب سے اہم تجارتی مرکز بن گیا اور اسی راستے کی دریافت نے برطانیہ اور فرانس کے لیے تجارتی منڈیوں کے راستے کھولے۔

۱۵۰۲ء میں واسکوڈے گاما ۱۰ بحری جہازوں بحری بیڑہ لے کر سمندری سفر پر روانہ ہو، موزمبیق میں پرتگالی کالونی بسائی۔ ۱۵۱۹ء میں اسے پرتگال کے سب سے بڑے اعزاز سے نوازا گیا۔ کئی دفعہ ہندوستان آیا مگر ۱۵۲۴ء میں پرتگالی وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ یہاں گوا کے شہر میں لنگر انداز ہو کر ایک پرتگالی کالونی بسائی۔ لیکن یہاں آنے کے صرف ۲ ماہ بعد کوچن میں انتقال کر گیا۔ واسکوڈے گاما کی لاش کو پرتگال بھیجا گیا جہاں اسے پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔۱۶

7☆ **مارکوپولو:**

مارکوپولو کا تعلق اٹلی کے شہر وینس سے تھا۔ یہ مشہور سیاح ۱۲۵۴ء میں وینس کے ایک نامور اور باعزت خاندان میں پیدا ہوا۔ مارکوپولو کو ایشیا اور مشرق بعید کی سیاحت کرنے والا پہلا سیاح کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شہرت بھی سیاحت ہی ہے۔ سیاحت کے میسر آئے مواقع کے پیچھے بھی اس کے والد اور چچا ہی تھے۔

۱۲۶۰ء میں مارکوپولو کا باپ نکولو اور چچا میفیو پولو قسطنطنیہ کے راستے مشرق کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کا مقصد تجارت کے لیے نئی منڈیوں کی تلاش تھا۔ پیشے کے اعتبار سے یہ دونوں سوداگر تھے۔ چین پہنچنے پر پیکنگ میں ان کی ملاقات بادشاہ قبلائی خان سے ہوئی۔ قبلائی خاں نے ان کے ہاتھ اٹلی کے بادشاہ کے لیے خط بھیجا۔ ایران، افغانستان، شمالی تبت کا دشوار گزار سفر کر کے دونوں بھائی ۱۲۶۹ء میں واپس اٹلی پہنچے۔ ۱۲۷۱ء میں ایک بار پھر ۱۷ سال کے مارکوپولو سمیت قبلائی خاں کے دربار میں پہنچے۔۱۷

قبلائی خاں نے مارکوپولو کو اپنے دربار سے وابستہ کر لیا۔ یہ تعلق ۱۲۹۲ء تک قائم رہا۔ نوجوان مارکوپولو نے اپنے کردار اور محنت سے بادشاہ کے دل میں جگہ بنالی۔ مارکوپولو نے چین کے دور دراز کا سفر بھی کیا۔ چین میں قیام کے دوران ہندوستان اور دوسرے ممالک کے سفر بھی کیے۔ قبلائی خان نے اسے حکومت چین کا سفیر بنا کر برما، کوچن اور جنوبی ہندوستان بھیجا۔ بعد میں اسے چین کے ایک صوبے کا گورنر بنا دیا۔

۱۲۹۵ء میں مارکوپولو کو اپنے وطن وینس کی یاد ستائی تو بادشاہ سے بامشکل اجازت حاصل کی۔ ۲۴ سال کی طویل مدت کے بعد یہ بہت سارے ریشمی کپڑا، زروجواہر اور قیمتی تحائف لے کر وطن لوٹا۔ تین سال بعد ۱۲۹۸ء میں جینوا اور وینس میں جنگ چھڑ گئی۔ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار مارکوپولو نے کثیر سرمائے سے تیار کردہ ایک بحری جہاز جنگ کے لیے پیش کیا۔ جنگ میں ۷ ستمبر ۱۲۹۸ء کو جزیرہ کرزولا کی لڑائی میں ناکامی کے بعد مارکوپولو کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہاں وہ کئی سال تک جیل میں رہا۔ اس قید کے دوران ایک دوسرے قیدی کی مدد سے مارکوپولو نے اپنے دلچسپ سفر کی روداد لکھی۔ اس سفرنامے کا نام دی ڈسکرپشن آف دی ورلڈ (The Discription of the world) تھا۔۱۸ یہ کتاب اگلے کئی سالوں تک اہل یورپ کو ان دیکھے ملکوں کو کہانیاں سناتی رہی۔ یورپ کی پستی کے دنوں میں چین و ہندوستان کا ذکر ان کے لیے طلسماتی جزیروں کی کہانیوں سے کم نہ تھا۔ جن سہولیات سے اہل چین لطف اندوز ہو رہے تھے اہل یورپ کے لیے ان کا تصور بھی محال تھا۔

۱۲۹۹ء میں مارکوپولو کو قید سے رہائی ملی۔ ۸ جنوری ۱۳۲۴ء کو ۷۰ برس کی عمر میں مارکوپولو نے وفات پائی۔

8☆ **ظہیر الدین بابر:**

مغل سلطنت کی ہندوستان میں بنیاد رکھنے والے بادشاہ بابر کا اصل نام ظہیر الدین محمد تھا۔ بابر (شیر) ماں کا دیا ہوا پیار کا نام تھا۔ بابر ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء کو فرغانہ میں پیدا ہوا۔ باپ کی طرف سے اس کا نسب تیمور اور ماں کی طرف سے چنگیز خاں سے جاملتا ہے۔

باپ کی وفات کے بعد ۱۴۹۴ء میں فرغانہ کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن ترکستان کے ابتر سیاسی حالات، رشتہ داروں کی سنگ دلی کے باعث اپنے خاندان اور جان نثاروں کے ساتھ دشوار گزار پہاڑوں میں ٹھکانے بناتا رہا۔ ۱۴۹۷ء تک بابر نے سمرقند اور تاشقند کے حکام سے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ ۱۴۹۹ء میں فرغانہ کی ریاست کو اپنے اور اپنے بھائی جہانگیر کے درمیان تقسیم کر لیا۔ ۱۵۰۴ء میں کابل پر قبضہ کیا۔ ۱۵۲۲ء میں قندھار پر قابض ہو گیا۔ ۱۹

بابر نے ہندوستان پر پانچ حملے کیے۔ مغربی پنجاب پر بابر کا قبضہ پہلے چار حملوں میں ہو گیا۔ آخری حملے میں اس نے ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر دہلی اور آگرے پر قبضہ کر لیا۔ یوں ۱۵۲۶ء میں ظہیر الدین بابر ہندوستان کا پہلا مغل حکمران بنا۔ ۱۵۲۷ء میں رانا سانگا والی میواڑ کو شکست دی اور ۱۵۲۸ء میں کورگرہ اور گنگا کے مقام اتصال پر مشرقی افغانوں کو شکست دے کر اپنا اقتدار بنگال تک بڑھالیا۔ ۲۰

بابر انتیس برس بادشاہ رہا۔ گیارہ برس کی عمر میں فرغانہ کی ایک چھوٹی سی ریاست وراثت میں پائی تھی مگر اپنی محنت سے سلطنت کو خوب وسیع کیا کہ ہندوستان کا مالک بن بیٹھا۔ دس سال تک خاندان کے غداروں اور دشمنوں سے لڑتا رہا۔ کم عمری میں آفتیں اور مصیبتیں جھیل کر پختہ تجربہ حاصل کر لیا۔

بابر باہمت اور باشعور جنگجو تھا۔ اس میں گرنے کے بعد سنبھلنے کی صلاحیت موجود تھی۔ غداریوں کا سامنا روز اول سے کیا تو اپنی ذات پر اعتماد میں مزید اضافہ ہو۔ ان تمام صفات کے ساتھ وہ ایک بہترین شاعر اور انشا پرداز بھی تھا۔ تزک بابری کے نام سے بابر کی خودنوشت اسی بات کا ثبوت ہے۔ اس میں ترکی زبان میں اپنے بچپن سے لے کر آخری ایام تک کے حالات درج ہیں۔ علم العروض پر مبنی بابر کی ایک کتاب عروض رسالہ سی بھی ہے۔ بابر نے مبین کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی۔ بابر کا دیوان مجموعی طور پر ترکی زبان میں ہے مگر اس میں کچھ فارسی نظمیں بھی شامل ہیں۔

بابر کو شعر و ادب کے ساتھ مناظر فطرت سے محبت بھی نصیب ہوئی تھی۔ وہ ہر جگہ خوبصورت مناظر کی تلاش میں رہتا تھا۔ بابر کا اپنا وطن قدرتی حسن سے مالامال تھا مگر ہندوستان میں اسے اس کی بہت کمی محسوس ہوئی۔ چنانچہ بابر نے جب آگرہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو اپنے ذوق کی تسکین کے لیے یہاں چہار باغ تعمیر کروایا۔ یہ باغ اب باغِ ارم کے نام سے موسوم ہے۔

بابر کی وفات کے بارے میں روایت مشہور ہے کہ ہمایوں ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گیا۔ علاج کے باوجود کسی دوا سے افاقہ نہ ہوا تو ابوالبقا نے بابر کو صدقہ دینے کی صلاح دی۔ بابر نے کہا کہ ہمایوں کے بعد مجھے اپنی جان پیاری ہے۔ اس لیے میں اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لیے صدقہ کرتا ہو۔ بابر نے خدا سے دعا کر کے ہمایوں کے بستر کے گرد تین چکر لگائے۔ اس روز سے ہمایوں کی صحت بحال ہونے لگی اور بابر پر بیماری کے آثار نظر آنے لگے۔ بالآخر ۱۵۳۰ء میں بابر جہان فانی سے رخصت ہوا۔ ۲۱ لاش کو بطور امانت آگرے میں دفن کیا گیا، پھر کئی سال بعد کابل میں دفن کیا گیا۔

☆9 حافظ:

فارسی غزل گو شاعر حافظ کا پورا نام خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی تھا۔ غالباً ۱۳۲۰ عیسوی میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ بہت بچپن میں قرآن حکیم حفظ کرنے کی سعادت نصیب ہو گئی تھی اسی لیے شاعری میں حافظ کا تخلص استعمال کیا۔ حافظ کے والدین اور رشتہ داروں کے متعلق کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔ حافظ کو عربی زبان و ادب سے گہرا شغف تھا چنانچہ حفظ قرآن کے

بعد علم دین اور دیگر عربی سے متعلقہ علوم حاصل کرتے رہے۔ حافظ کی شاعری میں ان کے اساتذہ اور مربیوں کا تذکرہ ملتا ہے جن میں عضد الدین، عبد الرحمن الایجی، قب بر اکلمان، قاضی القضاء مجد الدین اسماعیل بن محمد اور شیخ امین الدین شامل ہیں۔ آخر الذکر ایک مخیر انسان تھے جنھوں نے کئی بار حافظ کی مالی امداد بھی کی۔ جلال الدین شاہ شجاع کی تخت نشینی تک حافظ کو خوب ادبی شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ ۲۲؎ حافظ نے وزراء کے قصیدے اور مرثیے بھی لکھے۔ حافظ شیراز کے ایک مدرسے میں تفسیر قرآن کے معلم تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مدرسے میں تقرر بھی وزراء میں سے کسی کو عنایت تھی۔

حافظ شیرازی کو غزل میں کمال حاصل تھا۔ ۱۳۶۸ء میں حافظ نے غزلوں کے ساتھ قصیدوں اور نظموں کا اضافہ کر کے انھیں دیوان کی صورت میں مرتب کیا۔ یوں ان کی شہرت شیراز کی حدود سے باہر نکل گئی۔ ہرمز کے سلطان توران شاہ نے انعام سے ان کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ دکن کے بہمنی خاندان کے حکمران محمود شاہ اول کے عہد میں حافظ کو بادشاہ کے وزیر عدالت کی جانب سے دعوت موصول ہوئی مگر کچھ وجوہات کی بنا پر حافظ یہ دعوت قبول نہ کر پائے۔ ۱۳۸۴ء میں شاہ شجاح کے انتقال کا حافظ کو گہرا صدمہ ہوا۔ کیوں کہ حافظ ادبی سرگرمیوں کا ستارہ اسی بادشاہ کے دور میں جگمگایا تھا۔ حافظ کے لکھے بہت سے اشعار میں شاہ شجاع کی مدح ملتی ہے۔ آخری عمر میں حافظ کو مظفری خاندان کا ایک مربی شاہ منصور مل گیا۔ یہ دور مالی لحاظ سے حافظ کے لیے مشکل تھا مگر شاہ منصور کے باعث بہت مدد ملتی رہی۔

حافظ اپنی زندگی میں اس قدر مصروف رہے کہ دیوان جمع کرنے کا وقت نہ مل سکا۔ چنانچہ حافظ کے سارے بکھرے ہوئے کام کو ان کے دوست گل اندام نے جمع کیا اور مقدمہ لکھ کر شائع کیا۔ ۲۳؎ حافظ کا دیوان تقریباً دنیا کی تمام اہم زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے نیز بہت سی زبانوں میں اس پر تبصرے بھی لکھے گئے ہیں۔ تین مکمل ترجمے بھی ہوئے ہیں جن میں سے دو جرمن اور ایک انگریزی زبان کا ترجمہ ہے۔ اس دیوان میں غزلیں، قصیدے، ترکیب بند، مخمس، قطعے، مثنویاں اور رباعیاں شامل ہیں۔ اس دیوان کو عمان کی مشہور ترین کتابوں میں سے ایک ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ حافظ ایران کے غزل سرا شعراء میں بزرگ ترین مرتبہ رکھتے ہیں۔ واردات عشق کے بیان میں بہت محتاط ہیں۔ عریانی سے مکمل اجتناب کرتے ہیں۔ سرود بادہ اور نشاط وطرب کی نغمہ سرائی میں مشرق میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ حافظ نے اپنے کلام میں متقدمین یں صرف فردوسی اور معاصرین میں صرف مسلمان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے کلام میں عشق اور شراب کی توصیف ملتی ہے مگر حافظ کے پیشِ نظر ان کے مجازی معنی ہے۔ بعض ناقدین کے نزدیک تو یہ معرفت اور حقیقت کی تلاش کے مختلف استعارے ہیں۔ حافظ کے کسی صوفی سلسلے سے منسلک ہونے کے متعلق بھی کہا گیا ہے۔

پرانے زمانے میں حافظ کو اتنی پراسرار مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان کے کلام سے لوگ فال نکال کر معاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اسی لیے انھیں "لسان الغیب" کے پراحترام لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ گوئٹے سمیت بہت سے شعراء نے حافظ کی انفرادیت کو قبول کیا ہے۔ زمانہ حال میں اقبال نے اپنی شاعری میں مجموعی اثرات کے حوالے سے حافظ پر تنقید کی ہے مگر ان کے ولولہ خیز اسلوب کا اعتراف بھی کیا ہے۔ بلاشبہ حافظ نے فارسی غزل کو اوج کمال تک پہنچایا ہے۔ فارسی شاعری میں مضامین کا ایک ایسا رنگ پیدا کر دیا ہے جس میں مزاج اور حقیقت دونوں کا خوشگوار امتزاج پایا جاتا ہے۔ نیز اس عظیم شاعر نے زندگی کے متعلق بھی ایک منفرد نقطۂ نظر پیش کیا کہ زندگی میں غم اور بے ثباتی کو ناگزیر مان کر زندگی سے سمجھوتہ کرنا چاہیے مگر مستقل مزاجی، امید اور خوش دلی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

حافظ کو اپنے وطن شیراز سے جو محبت تھی وہ آج بھی دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ وقت شیراز ہی میں گزارا۔ شیراز سے ان کی محبت ان کے کلام میں جابجا نظر آتی ہے۔ نیز شیراز میں موجود مقام مصلہ کے حوالے سے بھی حافظ کی محبت دلوں پر اثر کرتی ہے۔

ہنری یول نے حافظ کے کلام میں مصلہ کے ذکر کی نشاندہی کی ہے۔ ذیل میں حافظ کے کلام سے کچھ ایسی مثالیں درج کی جا رہی ہیں جن میں مصلہ کا ذکر موجود ہے۔

ے بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلّا را ۲۴

ے نمی دہند اجازت مرا بسیر سفر
نسیم باد مصلّا و آب رکناباد ۲۵

ے میاں جعفر آباد و مصلّے
عبیر آمیزی آید شالش ۲۶

10☆ **منی پور:**

منی پور کی تاریخ اور جغرافیہ کے متعلق ہنری یول نے ضروری معلومات دے دی ہے۔ یہاں منی پور کی روایات، کلچر اور رہن سہن کے نمایاں خد و خال کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ منی پور ہرے بھرے جنگلات، بلند و خوبصورت پہاڑوں، شور مچاتے آبشاروں اور نیلی جھیلوں کی سرزمین ہے۔ ۸۰۰۰ مربع میل رقبے کا مالک یہ صوبہ سیاحوں کے لیے دلچسپی سے بھرپور ہے۔

منی پور کے لوگ بلند ہمت اور زندہ دل ہوتے ہیں۔ یہاں کے باشندے اپنا تعلق مہابھارت کے پانڈوؤں سے جوڑتے ہیں۔ یہ لوگ لمبے قد کے صحت مند اور تنومند جسم کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کا ناک نقشہ منگولوں سے ملتا ہے۔ خاص پیشہ زراعت ہے کبھی کبھی گھنے جنگلات میں شکار بھی کرتے ہیں۔ یہاں عورتوں کو سماجی اور معاشی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کی باقی عورتوں کی طرح شرمیلی نہیں ہوتی بلکہ بہت چست اور مشغول رہتی ہیں۔ سوتی اور ریشمی ساڑھی پہنتی ہیں۔ یہاں کپڑے کی بنائی کا کام بہت دلچسپی اور پسندیدگی سے کیا جاتا ہے۔

یہ ہند چینی ذات کے بہادر لوگ ہیں۔ محبت اور شادی کے مقابلے میں یہ لوگ آزادی کے قائل ہیں۔ اگر کوئی اعلیٰ ذات کا ہندو کم تر طبقے کی عورت سے شادی کرے تو مرد کو نچلی ذات میں باخوشی شامل کر لیا جاتا ہے۔ عورتیں گھر تک محدود نہیں ہیں بلکہ باہر کے کاموں میں بھی مردوں کا خوب ہاتھ بٹاتی ہیں۔ دکانیں چلاتی ہیں، پہاڑوں پر کام کرتی ہیں۔ غرض یہ کہ ہر طرح سے مرد کی برابری کرتی ہیں۔

منی پور رقص کی تربیت کے لیے خاص شہرت رکھتا ہے۔ یہاں رقص لال ہرووہ، مجیرا، کرشن ابھی سار، لائما بھیہ شا اور للت نرشن مشہور ہیں۔ اس کی پرانی ثقافت کا آئینہ دار لائی ہار اودا کی تقریبات ہیں جو منی پور کے جنگلوں میں دیوی دیوتاؤں کی یاد میں منائی جاتی ہیں۔ ۲۷ یہ تقریبات دس سے پندرہ دن تک چلتی ہیں۔ یہ صوبہ شاندار ماضی کی روایات کا حامل ہونے کے باعث دیوتاؤں کی سرزمین کہلاتا ہے۔

11☆ نائر:

نائر لفظ کے معنی مالک کے ہیں اور یہ فی الواقع ساحل مالابار کی حاکم قوم ہے۔ برہمنوں نے بامشکل کچھ عرصہ ان پر حکومت کی، جلد ہی انھوں نے آزادی حاصل کر لی۔ انھوں نے مذہبی حوالے سے بھی کبھی برہمنوں کو خود پر قابض ہونے نہیں دیا۔ نہ تو یہ مالابار کے برہمن آریہ ہے اور نہ شمال کے برہمن آریہ ہے اور نہ شمال کے برہمن آریاؤں کے برابر سمجھے جاتے ہیں۔ نائر خود کو کھتری کہتے ہیں مگر ہندوؤں کے نزدیک ان کا درجہ شودروں کا ہے۔ یہ حقارت آمیز رویہ نائروں میں بھی موجود ہے۔ یہ بھی اپنی ہمسایہ اقوام تیر کی اور موپلوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ موپلوں سے تو اکثر ان کی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جسمانی لحاظ سے نائر ایک حسین قوم ہیں۔ ان کے قد لمبے، جسم سڈول، ہاتھ پیر خوبصورت اور رنگ صاف ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک بہادر اور جنگ جو قوم ہے۔ یہ قومی مردانہ اخلاق کے مالک تھے۔ یہ نڈر اور غیرت مند قوم اپنی عزت کا بے انتہا خیال رکھتی ہے۔

عزت اور حمیت کا یہ جذبہ ہی انھیں نڈر اور بے باک بنا دیتا ہے۔ عورتوں کی حرمت ان کے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔ اپنی اسی شخصیت کے باعث انھوں نے کبھی کسی کے تسلط کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کیا۔ ایک زمانے میں یہ ایک متمول قوم تھی۔ سولہویں صدی عیسوی میں نائروں کی ایک بڑی حکومت تھی۔ لیمکٹ کا زاموزن ہندوستان کے بڑے حکمرانوں میں سے ایک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ نائروں کی فوج تھی۔ مالابار کے نائروں میں بعض ایسی روایات موجود ہے جو یورپ میں بالکل ختم ہو چکی ہے مثلاً ان نائروں میں خاندان کا دارومدار ماں پر ہوتا ہے جیسا کہ یورپ کے ابتدائی زمانہ میں ہوتا تھا۔ نائروں میں شادی کثرت البعول کی قسم ہے۔ آغاز میں ایک عورت کا ایک ہی شوہر ہوتا تھا مگر ان دونوں کے ازدواجی رشتے کی مدت محدود ہوتی تھی۔ شوہر رشتہ ازدواج کے اظہار کے لیے بیوی کے گلے میں ایک ہار ڈال دیتا تھا اور بیوی جب تک اس ہار کو پہنے رہتی شادی قائم رہتی۔ مگر کچھ ہی دنوں بعد اس شوہر کی جگہ کوئی دوسرا شخص لے لیتا۔ عورت اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی رہتی ہے اور ان شوہروں کو بھی اپنے گھر بلا کر رکھتی ہے۔ اس خاندان کے نظام میں اول درجہ عورت کا ہے پھر اس کے بھائیوں کا اور سب سے کم تر درجہ شوہر کا ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت عارضی ہے۔ رشتہ ازدواج کے لیے عورت کو مرد کے انتخاب کا مکمل حق حاصل ہوتا ہے۔ البتہ نیچی ذات کے مرد کا انتخاب کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عموماً عورتیں مضبوط اور حسین مردوں کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ مختصر الوقت شوہر زیادہ تر برہمن ہوتے ہیں۔ اس شادی کے نتیجے میں جنم لینے والی اولاد عورت کے نام سے پہنچانی جاتی ہے۔ اگر کوئی صاحب مرتبہ شخص کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لیتا ہے تو اس کے اظہار کے لیے اس عورت کے گھر کے دروازے پر چھرا گاڑ دیتا ہے۔۲۸ نائروں میں خاندان کی حکومت پوری طرح عورت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ خاندانی امور چلانے کے لیے وہ اپنی بیٹی سے مدد لیتی ہے۔ بچے اپنے ماموں سے باپ جیسی انسیت محسوس کرتے ہیں۔ مردوں کو بھی عورتوں کی طرح مکمل آزادی ہوتی ہے۔ کئی کئی بیویاں رکھتے ہیں۔ البتہ مالی طور پر کمزور افراد زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے۔

جب کوئی نائر مرد دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کی وراثت کی حقدار اس کی بہن کی اولاد ہوتی ہے۔ خاندانی جائیداد بھی عورت اور اس کی بیٹیوں کو ملتی ہے۔ بھائی اپنی ماں کی نگرانی میں جائیداد کا انتظام تو کر سکتے ہیں مگر ملکیت کا حق انھیں حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ مسلمان اور عیسائی خاندان سالوں سے ان ساحلوں پر موجود ہے مگر نائروں کے امیتی خاندان کے تصور کو متاثر نہیں کر سکے۔

12☆ **ننکنگ:**

ننکنگ مشرقی چین کا ایک شہر ہے۔ یہ صوبہ جینگسو کا دارالحکومت ہے۔ شنگھائی کے شمالی مغرب میں ۱۷۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آغاز سے ہی اس شہر کو سیاسی دارالحکومت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ صوبائی اور قومی دونوں انتخابات میں اسے اہمیت حاصل رہی ہے۔ البتہ یہ ہمیشہ سے کوئی اہم صنعتی یا تجارتی شہر نہ تھا۔ انیسویں صدی میں پہلے کاٹن کے کپڑے کو ننکمین کا نام دینے سے یہاں کے کپڑے کی صنعت دنیا میں متعارف ہوئی۔ اس کے علاوہ پورسلین، سلک، پنکھے، اور کچھ دستکاریاں بھی اس شہر سے مخصوص ہے۔ صدیوں سے پورے چین میں اس کی یہ مصنوعات استعمال ہوتی ہیں۔

انیسویں صدی کے اختتام پر یہ شہر شدید معاشی بحران کا شکار ہوا۔ تمام صنعتوں کی تباہی کے بعد اس کی معیشت کا دارومدار سیاحوں اور زائرین کی آمد پر منتج ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں چین میں نیشلسٹ کی حکومت قائم ہوگئی تو پیکنگ کی بجائے اسے دارالحکومت کا درجہ دے دیا گیا۔ نئی عمارتوں کی تعمیر سے شہر کی خوشحالی کا از سرنو آغاز ہوا۔ ہر ایک کو معاشی استحکام نصیب ہوا۔ ایک قدیم شہر نے جدید شہر کی صورت اختیار کرلی۔ ۱۹۳۷ء میں جاپانیوں کی کٹھ پتلی حکومت نے ننکنگ پر ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک حکومت کی۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں جاپانیوں نے چین کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور یوں ۱۹۴۶ء میں نیشلسٹ نے دوبارہ ننکنگ کو اپنا دارلحکومت بنالیا۔ ۱۹۴۹ء میں کمیونسٹ پارٹی برسرِ اقتدار آئی تو پیکنگ کو پھر سے دارلحکومت بنالیا گیا۔ ۱۰ سال بعد کمیونسٹ پارٹی نے پھر ننکنگ کا رُخ کیا۔ تعمیراتی کام کے ساتھ، صنعتوں کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ ۲۹

ننکنگ قدیم عہد سے ہی حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ ۱۸۴۲ء میں برطانوی اس پر قابض ہوگئے تھے۔ پھر ایک تجارتی معاہدے کے تحت یہ شہر چین کو واپس کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں ننکنگ کی حیثیت بھی ایک معاہدے کے تحت قائم کی جانے والی بندرگاہ کی تھی۔ البتہ اس بندرگاہ کا استعمال ۱۸۹۹ء میں شروع ہوا۔ ۱۸۵۳ء میں باغیوں نے ننکنگ پر قبضہ جمالیا تھا مگر ۱۸۶۴ء میں برطانیہ پھر سے ننکنگ پر قابض ہوگیا۔ اس سارے عرصے میں شہر میں موجود بہت سے آرٹ کے شاہکار تباہ کر دیئے گئے۔ خاص طور پر چینی مٹی سے تیار کردہ مشمن پگوڈا بھی تباہ ہوگیا جسے سولہویں صدی کے آغاز میں تیسرے منگ بادشاہ نے تعمیر کروایا تھا۔

ننکنگ قدیم تاریخی اہمیت کا حامل شہر ہے۔ مختلف وقتوں میں یہاں سکول، کالج، مزار، مندر اور آرٹ کے نمونے تعمیر کیے جاتے رہے ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں قائم ہونے والا جنگ لنگ کالج ایک وقت چین کا واحد خواتین کا کالج تھا۔ ننکنگ میں اس وقت بھی سائنسی ادارے، کتب خانے اور عجائب گھر موجود ہے۔

13☆ **ارتھر شوپنہار:**

ارتھر شوپنہار ایک نمایاں جرمن فلسفی تھا۔ یہ ۱۷۸۸ء میں ڈنزگ (Donzig) میں پیدا ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں خاندان کے ساتھ ہمبرگ میں منتقل ہوگیا۔ ۱۸۰۵ء میں والد کی اچانک موت اور کاروبار کو پہنچنے والے نقصان نے فلسفی کو بہت متاثر کیا۔ اس فلسفی نے مختلف جرمن یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۰۹ء میں طب کی تعلیم کے حصول کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لیا مگر چونکہ طبیعت اس موضوع کی طرف مائل نہ تھا اس لیے برلن یونیورسٹی میں فلسفے کی تعلیم کے لیے داخلہ لے لیا۔ ۱۸۱۸ء میں *The word as will and Representation* کے نام سے مقالہ لکھا۔ ۱۸۱۹ء میں یہ مقالہ شائع بھی کیا۔ ۳۰ شوپنہار کچھ عرصہ برلن

یونیورسٹی بطور مدرس فلسفے کے طالب علموں کی رہنمائی کرتا رہا مگر ۱۸۳۳ء کے بعد فرینکفرٹ منتقل ہو گیا۔ یہاں فلسفی نے عزلت کی زندگی گزاری اور بدھ مت اور ہندو مت کے فلسفے کو پڑھنے میں مصروف رہا۔ اس جرمن فلسفی کی شائع شدہ کتاب اور فلسفے کو عوام میں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ ہوئی۔ اس بات کا فلسفی کو بہت صدمہ تھا۔ کیوں کہ شوپنہار دراصل خود اپنے فلسفے کو بہترین تصور کرتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ عوام میں اس کے فلسفے کے لیے مقبولیت پیدا ہو گئی۔ ۱۸۳۹ء میں شوپنہار کے ایک مضمون کو ناروے کے کلچر انعام سے نوازا گیا۔

شوپنہار فلسفے میں کانٹ اور افلاطون سے کافی متاثر تھا۔ شوپنہار کے دوسرے فلسفے *On the will in the Nature* کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس کے نزدیک اصل حقیقت ایک اندھی قوت محرکہ ہے جو فرد میں خواہش کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ مختلف خواہشوں کی باہمی مزاحمت کشاکش کا باعث بنتی ہے۔ ۴۱؎ چنانچہ کسی بھی صورت فرد اپنی خواہشات کی تشفی نہیں کر سکتا۔ یوں یہ ادھوری خواہشات اسے دکھ میں مبتلا رکھتی ہے۔ اصل میں انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ خواہش کی نفی ہی اس دکھ سے نجات دے سکتی ہے۔ اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ آپ دوسروں کے دکھوں میں ان کے ساتھ ہمدردانہ رویے کا اظہار کرے مگر خود کو دکھ سے بچانے کے لیے مادی خواہشوں سے آزاد کر لینا بہت اہم ہے۔ جسمانی خواہشات کی تسکین خوشی سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ شوپنہار کے فلسفے نے یورپ کے عقلی فلسفے پر سوال اٹھائے اور غیر عقلی حقائق کی نشاندہی کی۔ شوپنہار ۱۸۶۰ء میں اپنی موت کے وقت بین الاقوامی شہرت کا حامل تھا۔

14☆ نوروز:

نوروز ایرانیوں کا خاص تہوار ہے۔ یہ موسم بہار کی آمد پر منایا جاتا ہے۔ نوروز دراصل فارسی کیلنڈر کے مطابق سال کا پہلا دن ہے۔ پہلے دن کو عامہ کہتے ہیں اور اسی مہینے کے چھٹے دن کو خاصہ کہتے ہیں۔ اسے سات دن تک انتہائی خوشی اور مسرت کے ماحول میں منایا جاتا تھا۔ قدیم ایران میں اسے خاص جوش و خروش سے منایا جاتا تھا۔ آج کل بھی عید نوروز اکیس مارچ سے چار اپریل تک بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔ ان دنوں میں سارا کاروبار زندگی معطل ہو جاتا ہے۔ قدیم ایرانی اسے عیش و عشرت میں گزارتے تھے۔ وہ چمنستانوں میں جا کر سیر و تفریح کرتے، پیتے پلاتے، گاتے بجاتے اور ناچ رنگ کی محفلیں برپا کرتے تھے۔ ان ایام میں ہفت سین کا دستر خوان بچھا رہتا تھا۔ یہ دستر خوان ایسی سات چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا جو حروف سین سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً سیب، سرکہ وغیرہ لوگ "نوروز دیدنی" کے لیے اپنے عزیز و اقارب کے گھر جاتے۔ ۴۲؎ تحائف کا تبادلہ ہوتا۔ وزراء اور درباری بادشاہ کو بھی تحائف پیش کرتے۔ بادشاہ بھی جس سے خوش ہوتا اسے بیش قیمت تحفہ دیتا۔

ہندوستان مغل بادشاہوں نے بھی نوروز کو سرکاری تہوار کی حیثیت سے منایا۔ نوروز کے جشن کا اعلان شاہی نوبت خانے میں نقارے بجا کر کیا جاتا تھا۔ میناروں، گنبدوں اور شاہی محل کے ہر حصے میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ شہر کو جھنڈیوں سے سجایا جاتا تھا۔ فوجی جلوس شہر سے بڑی شان سے گزرتا تھا۔ شہر کی دیواروں کو خوب صورت پردوں سے سجایا جاتا تھا۔ فوجی زرق و برق لباس اور نئے ہتھیار پہن کر تیار ہوتے۔ خصوصاً ہاتھیوں کو زیورات سے سجایا جاتا تھا اور ان کی پشت پر ہودے رکھے ہوتے تھے۔ نوروز کی تقریبات میں سے ایک دن بادشاہ عوام کے لیے مخصوص کرتا تھا۔ اس دن پر خاص و عام کو دربار میں آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ باقی کے دن امراء کے لیے تھے۔ چنانچہ نوروز کے جشن میں شرکت کے لیے دور دراز کے صوبوں سے بھی امراء اور عہد داران آیا کرتے تھے۔

آخری دن پر تحائف کی تقسیم اور بھی زیادہ فیاضی سے کی جاتی تھی۔ ۱۵۸۲ء میں اکبر نے اس روایت کا آغاز کیا کہ ہر روز کوئی ایک وزیر بادشاہ کو دعوت پر بلائے اور اس کی خدمت میں تحائف کا نذرانہ پیش کرے۔ نوروز کی تقریبات کا ایک دلچسپ حصہ مینا بازار تھا۔ مختلف امراء کو مختلف اسٹال تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ وہ رنگ برنگے شامیانوں اور دلچسپ اشیاء سے اپنے اسٹال سجاتے۔ بادشاہ باری باری سب کے اسٹال پر جاتا جس کی کوئی خاص شے بہت پسند آتی دوگنی قیمت پر خرید لی جاتی۔ نیز بادشاہ کی خوشنودی حصول کے لیے اسٹال سے تحائف بھی پیش کیے جاتے۔ شاہی خواتین اور امراء کی بیگمات کے لیے الگ مینا بازار کا اہتمام کیا جاتا جس میں مردوں کو جانے کی اجازت نہ ہوتی۔ البتہ بادشاہ اس پابندی سے مستثنیٰ ہوا کرتا تھا۔ مغل بادشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں نے بھی اپنے عہد میں جشن نوروز کا اہتمام کیا۔ ۳۳؎ مگر بادشاہ عالمگیر نے اسے غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے سرکاری طور پر اس کے منائے جانے پر پابندی عائد کر دی۔

آج بھی نورواز کو افغانستان، اذربائیجان، ایران، عراق، تاجکستان ترکمنستان، ازبکستان، مغربی ایشیاء اور جنوبی ایشیاء کے لوگ روایتی جوش و خروش سے مناتے ہیں۔

15☆ **اوڑیسہ:**

اوڑیسہ مشرقی ہندوستان کی ایک ریاست ہے جس کے شمال میں جھاڑکھنڈ اور مغربی بنگال کی ریاستیں، مشرق میں خلیج بنگال اور جنوب میں آندھرا پردیش واقع ہیں جب کہ شمال مغرب اور مغرب میں ریاست چھتیس گڑھ ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱،۵۵،۷۸۲ مربع کلومیٹر ہے۔ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی آبادی ۳،۶۷،۰۶،۹۲۰ تھی۔ اس ریاست کا دارالحکومت بھوبنیشور ہے۔ یہاں اڑیہ، سنڈ اور دراوڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ آبادی کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے البتہ اقلیتوں میں عیسائی اور مسلمان شامل ہیں۔ پری کے مقام پر جگن ناتھ مندر اور کونارک میں سورج مندر اوڑیسہ کے مشہور مقامات ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۴۹ فیصد لوگ خواندہ تھے۔ ریاست کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار زراعت پر ہے۔ چاول کی فصل یہاں کی ایک اہم ترین فصل ہے۔ دیگر اجناس میں دالیں، کپاس، تمباکو اور گنا شامل ہے۔ اوڑیسہ کی ایک ایوان قانون ساز اسمبلی میں ۱۴۷ نشستیں ہیں اور ۳۱ ارکان ہندوستانی قومی پارلیمنٹ میں اوڑیسہ کی نمائندگی کرتے ہیں، ۱۰ ارکان راجیہ سبھا اور ۲۱ ارکان لوک سبھا میں شامل ہوتے ہیں۔ ۱۸۰۳ء میں برطانوی حکومت نے اوڑیسہ کا کنٹرول حاصل کر لیا تھا چنانچہ ۱۹۱۲ء میں حکومت برطانیہ نے اسے بہار کے ساتھ متحد کر دیا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں اسے بہار سے الگ کر کے دوبارہ صوبہ بنا دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء کے قیام بھارت کے بعد ۱۹۴۹ء میں چند چھوٹی موٹی ریاستوں کو اڑیسہ کے ساتھ ملا کر ایک ریاست تشکیل دے دی گئی تھی۔ ۳۴؎

آئین اکبری میں ابو الفضل نے عہد اکبر کے اوڑیسہ کی واضح تصویر کشی کی ہے کہ یہ ایک مختلف ملک ہے، اس کی آب و ہوا معتدل اور خوشگوار ہے۔ موسمی حالت بے حد موزوں ہے۔ اوڑیسہ میں آٹھ ماہ بارش ہوتی ہے۔ تین ماہ گرمی پڑتی ہے اور ایک مہینہ جاڑے کا موسم ہوتا ہے۔ یہ موسمی آب و ہوا چاول کی پیداوار کے لیے خوب سازگار ہوتی ہے۔ بادشاہ اکبر نے اسے پانچ انتظامی اضلاع میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جالیسر، بھدرک، کٹک، کلنگ، وندپات اور راج مہندہ۔ عہد اکبری میں یہاں ایک سو انتیس پختہ قلعے تھے اور سات سو ستاسی محل ہیں۔ یہاں کے مرد بدن پر صندل ملتے اور زیورات پہنتے ہیں۔ ہاتھی، خواجہ سراہ پھول اور میوے باکثرت پائے

جاتے ہیں۔ کتابت کے لیے قلم و دوات کی بجائے کھجور کے پتے اور لوہے کی سلاخیں استعمال کی جاتی تھی۔ عموماً یہاں کوڑیوں کے حساب سے لین دین کیا جاتا تھا، طرح طرح کے پان یہاں کے لوگوں کی معاشرت کا حصہ تھے۔

اوپر ذکر کیے گئے دو مندروں کا بھی ابو الفضل نے تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جگن ناتھ کا مندر سمندر کے کنارے واقع ہے اس مندر کے قریب کرشن اور اس کے بھائی، بہن کی مورتیں نصب ہیں۔ یہ مورتیں صندل کی لکڑی کو تراش کر تیار کی گئی ہیں۔ اس مندر کی کہانی کچھ یوں ہے کہ چار ہزار سال قبل نیلگری کے فرمانروا راجہ اندرومن نے ایک خاص برہمن کو شہر کے لیے جگہ منتخب کرنے پر روانہ کیا۔ برہمن کو کافی تلاش کے بعد یہ مقام پسند آیا۔ یہاں پرندوں کی زبان سے واقف اس برہمن کی ملاقات عبادت میں مشغول کوے سے ہوئی۔ کوے نے اپنی کہانی سنائی اور بتایا کہ یہ جگہ خدا کے نزدیک بہت مقدس ہے اس لیے وہ یہاں اپنے گناہوں سے نجات کے لیے عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ برہمن نے راجہ کو اس مقام پر شہر آباد کرنے کی صلح دی جو بادشاہ نے قبول کرلی۔ ایک روز بادشاہ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ فلاں دن سمندر کے کنارے خدا کی عنایتوں کا حامل ایک لکڑی کا ٹکڑا برآمد ہوگا۔ یہ لکڑی کا ٹکڑا خاص دیوتا کا پیکر ہے۔ اسے وہاں سے اٹھا کر ے روز تک محفوظ جگہ رکھو اس دوران جو شکل اختیار کرے اسے متبرک جانو اور پھر اسے مندر کے محراب میں رکھ دو۔ خواب کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی، بادشاہ کو لکڑی کا ٹکڑا ملا اور اس نے ہدایات پر عمل کیا۔ مورت کا نام جگن ناتھ رکھا۔ اس پر بیش قیمت زیورات چڑھا کر ہر خاص وعام کر پرستش کی اجازت دی۔ اس مورت کے حوالے سے بہت سے معجزات بیان کیے جاتے ہیں کہ جلانے کی ہر ممکن کوشش کے بعد بھی یہ اپنی اصل صورت پر برقرار رہی۔ چنانچہ یہ مورت اور مندر ہندو مذہب کے پیروکاروں کے لیے خاص اہمیت کے حامل ہوگئے۔

سورج مندر کی تعمیر میں اس ملک کا بارہ برس کا خراج صرف ہوا۔ تعمیراتی حوالے سے یہ مندر عجوبے سے کم نہیں ہے۔ اس مندر کی دیواروں کی لمبائی ڈیڑھ سو گز اور چوڑائی انیس گز ہے۔ مندر کے تین دروازے ہیں۔ شرقی دروازے پر پتھر کے دو خو بصورت ہاتھی نصب ہیں۔ ہر ہاتھی کے سونڈ میں ایک ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ غربی دروازے پر دو سوار اپنے سپاہیوں سمیت مسلح کھڑے ہیں۔ ۵۳ شمال کے رخ دو شیروں کے مجسمے ہیں جو ایک ایک ہاتھی کا شکار کیے ان کے سینے پر براجمان ہیں۔ مندر کے صحن میں نسب پتھروں پر پجاریوں کی دوران عبادت مختلف شکلیں کندہ کی گئی ہیں۔ روایات کے مطابق اس کی تعمیر میں سات سو ساٹھ سال لگے اور راجہ نرسنگ کے ہاتھوں اس عالیشان مندر کو تعمیر مکمل ہوئی۔

16☆ **نورجہاں:**

نورجہاں کا اصل نام مہر النساء تھا۔ ایران کے ایک معزز خاندان کے رکن مرزا غیاث کی بیٹی تھی۔ مرزا غیاث نے ایک غریب عورت سے محبت کی شادی کی اور انتہائی تنگ دستی کی حالت میں ہندوستان کا رخ کیا۔ نورجہاں راستے میں قندھار کے قریب پیدا ہوئی۔ تلاش روزگار کے لیے آنے والا مرزا غیاث الدین اکبر کے دربار میں پیش ہوا تو اسے منتظم شاہی محلات مقرر کر دیا گیا۔ نورجہاں کی شادی ایک ایرانی سردار علی قلی خاں (شیر افگن) سے کر دی گئی۔ قطب الدین کے ہاتھوں شیر افگن کے قتل کے بعد نورجہاں قید کر کے شاہی محل میں لائی گئی۔ ۱۶۱۱ء میں بادشاہ جہانگیر نے اس سے نکاح کر لیا۔ نہایت خوبصورت، ذہین اور علم دوست عورت تھی۔ شادی کے بعد اس نے اپنی ذہانت سے بادشاہ کا دل جیت لیا۔ یہاں تک حکومتی معاملات میں بھی اپنی جگہ بنالی۔ نورجہاں کے توسط سے اس کے باپ کو اعتماد الدولہ اور بھائی کو آصف جاہ کا خطاب ملا۔ نورجہاں ایک ذی شعور اور معاملہ فہم عورت تھی۔ فارسی

ادب میں ملکہ حاصل تھا۔ وہ بہت صاف اور شستہ شعر کہتی تھی۔ ان قدرتی صلاحیتوں کے علاوہ اسے خدا نے حسن کی دولت سے بھی مالامال کر رکھا تھا۔ انہی اوصاف نے بادشاہ جہانگیر کو نور جہاں کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ جولائی ۱۶۱۱ء کو جہانگیر نے اپنی پیاری بیوی مہر النساء کو نور محل کا خطاب دیا اور مارچ ۱۶۱۶ء میں نور جہاں کا خطاب دیا۔ ۳۶

نور جہاں نے اپنے عزیزوں کے گروہ کی مدد سے حکومت کی۔ جہانگیر بھی ایک ذی فہم بادداہ تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ سست ہو گیا تھا یا شائد نور جہاں پر مکمل اعتماد کے باعث بے فکر ہو گیا تھا۔ نور جہاں ایک فیاض ملکہ تھی۔ کوئی سوالی اس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔ وہ اپنا بہت سا وقت فلاحی کاموں میں گزارتی۔ اپنے حوصلے اور ہمت میں مردوں کے مقابل تھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر خود شکار کے لیے جاتی۔ تزک جہانگیری میں نور جہاں کے شکار کے کئی قصے درج ہیں۔

نور جہاں نے شاہی محل کی حرم سراء میں رہ کر گوشہ گمنامی کی زندگی گزارنے کی بجائے ایک غیر معمولی عورت ہونے کا ثبوت فراہم کیا، شاہی اختیارات حاصل کیے۔ حکم نامے نور جہاں کی مہر سے جاری ہوتے تھے۔ یہ اپنے عمل کے جھروکے میں جلوہ افروز ہوتی۔ امراء اور وزیر اس کے سامنے یوں پیش ہوتے جیسے بادشاہ کے سامنے مودب کھڑا ہوا جاتا ہے۔ جو بھی معاملہ در پیش ہوتا بہت جلد اس کا حل نکال لیتی یہاں تک کہ جہانگیر کے ایام علالت میں جہانگیر نے طبیبوں کے علاج کی بجائے اپنی بیوی کی دیکھ بھال پر زیادہ بھروسہ کیا۔ ۳۷ عوام بھی نور جہاں کے متعلق مثبت رائے رکھتی تھی۔ فلاحی کاموں کے باعث اسے عوام میں خاصی مقبولیت حاصل تھی۔ ملکہ میں حکمرانی کے تمام خصائص بدرجہ اتم موجود تھے۔

جہانگیر کی موت کے بعد نور جہاں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور شاہ جہاں نے اس کی ایک معقول پینشن مقرر کر دی۔ نور جہاں نے اس کے بعد لاہور میں قیام کیا اور ۱۶۴۵ء میں وفات کے بعد شاہدرہ میں دفن ہوئی۔

17☆ نور الدین جہانگیر:

نور الدین جہانگیر ۳۰ اگست ۱۹۶۹ء کو فتح پور سیکری میں پیدا ہوا۔ اکبر بادشاہ نے منتوں اور مرادوں سے حاصل کی گئی اپنی اس اولاد کا نام سلیم رکھا۔ مگر ہمیشہ پیار کے نام شیخو سے بلایا اور اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ جہانگیر نے حصول اقتدار کے لیے ۱۵۹۹ء میں بغاوت کر دی۔ تقریباً ۵ سال تک سلطنت باپ بیٹے کے اختلافات کے باعث بے چینی کا شکار رہی۔ ابو الفضل کو قتل کروانے کے بعد جہانگیر نے اپنے والد سے معافی مانگ لی۔

۱۶۰۵ء میں اکبر کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد شہزادہ سلیم کو آگرہ کا تخت چھتیس سال کی عمر میں نصیب ہوا۔ جہانگیر نے اپنے والد کی روایات کو بر قرار رکھتے ہوئے میواڑ کے راجپوت راجواڑے کے خلاف جنگ کی جو ۱۶۱۴ء میں فیاضانہ شرائط پر ختم ہوئی۔ ۳۸ عہد جہانگیر میں احمد نگر کے خلاف مہمات بھی جاری رہیں۔ اپنے باپ بادشاہ اکبر کی طرح جہانگیر بھی مذہب کے حوالے سے مختلف نظریات کا حامل تھا۔ اسلام پر سختی سے کاربند رہنے کی بجائے اس نے بھی باقی مذاہب کو اعتراض کی حد تک آزادی دی۔ مسیحی علما کے ساتھ سرعام مناظرے کرنے اور لوگوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔ عوام کو بھی مذہبی و سماجی آزادی حاصل تھی۔

ہندوستان کی مشہور ملکہ نور جہاں بھی بادشاہ جہانگیر کی بیوی تھی۔ جہانگیر کو نور جہاں سے بہت محبت تھی۔ مورخین کے مطابق جہانگیر نور جہاں کے خاندان کی بھی قدردانی کرتا تھا مگر جہانگیر کی سلطنت کے آخری سالوں میں شہزادہ خرم اور ملکہ نور جہاں

کے درمیان اختلافات قائم ہوگئے تھے۔ ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کشمیر سے لاہور کا سفر کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں فنون کو بہت ترقی حاصل ہوئی خصوصاً مصوری جہانگیر کو بے حد پسند تھی۔ چنانچہ جہانگیر نے مصوروں پر خوب عنایتیں کیں۔ اپنے عہد حکومت میں ہمیشہ جھروکہ، دربار یا کونسل میں موجود رہا۔ وزراء دربار میں موجود ہوتے اور تہواروں کے مواقع پر عوام کو بھی بادشاہ کے سامنے پیش ہونے کی اجازت دے دی جاتی تھی۔ انتظامی و عسکری معاملات کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے وزراء اور علماء کے ساتھ شہزادہ خرم کو اعانت حاصل رہی۔ خصوصاً بغاوتوں کی سرکوبی میں شہزادہ خرم کا کردار اہم رہا۔ ۹۳ تزک جہانگیری بادشاہ جہانگیر کے عہد کی نایاب دستاویز ہے جس میں انتظامی وانصرامی ڈھانچے کے ساتھ جہانگیر نے ملک کے سیاسی حالات، جنگوں، بغاوتوں کے واقعات بھی لکھے ہیں۔ جہانگیر کی لکھی یہ تاریخ نہایت دلچسپ بھی ہے۔ اپنے مشاہدے میں آنے والے عجیب واقعات کو بھی اس میں جگہ دی ہے۔ جانوروں، رنگوں، تہواروں، کھانوں، پھلوں غرض پورے ہندوستان کی ثقافت اس کتاب میں بصورت تصویر نظر آتی ہے۔ جہانگیر کے معاملات زندگی اور اس کی سوچ بھی باخوبی نمایاں ہوتی ہے۔

18☆ پگوڈا مندر:

ہندوستان کے تہذیب و تمدن پر لکھی جانے والی کتب میں قدیم مندروں کے لیے جابجا یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ان مندروں کو یہ مخصوص نام ان کے مخصوص طرزِ تعمیر کے باعث دیا جاتا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں چلم برم، تنجور، تری پتی، کنجیورام، بیجا نگر، مدورا اور سری رنگم، مہابلی پور وغیرہ پگوڈا مندر موجود ہیں۔ پگوڈا کی قسم کے مندر اپنی پہلی صورت میں مہاولی پور میں نظر آتے ہیں۔ مجموعی طور پر دکن کے پگوڈا مندروں کا نقشہ ایک ہی قسم کا ہے اور یہ عمارتیں ایک ہی طبقے کی معلوم ہوتی ہے مگر ان کے کام میں کسی حد تک فرق ہے۔ بڑے پگوڈا مندروں کے گرد ہمیشہ ایک مستطیل غلام گردش میں کئی دروازے ہوتے ہیں۔ ان دروازوں کو گوپر کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض ۶۵ گز بلند اور تصاویر سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان دروازوں کا طرزِ تعمیر مختلف ہونے کے باعث دکن کے مندروں نے خاص شکل اختیار کر لی ہے۔ پگوڈا مندر کی موجودہ شکل کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مندر کو شہرت حاصل ہوئی اور ہر خاص وعام نے اپنی فریادوں کے لیے مندر کا رُخ کیا ہو گا تو ایک غلام گردش کافی نہ سمجھی گئی ہو گی۔ چنانچہ پہلی سے متصل دوسری اور تیسری غلام گردشیں تعمیر کی گئی۔ یوں قدیم مندر بھی قائم رہا اور وسعت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ غالباً آغاز میں ضرورت کے تحت کی گئی تعمیر بعد میں بنائے جانے والے مندروں کے لیے نمونہ بن گئی ہو گی۔ بڑے پگوڈا مندروں میں سب سے باہر کی غلام گردش کے اندر مندر کے پجاری اور خدام وغیرہ کے لیے کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ ۹۴ نیز بازار اور دکانیں بھی ہے۔ یوں یہ ایک شہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

عموماً پگوڈا کے اندر کئی منڈپ ہوتے ہیں جو عبادت گاہوں کے سامنے ستونوں پر قائم نظر آتے ہیں۔ ان ستونوں پر ہمیشہ مختلف صورتیں بنی ہوتی ہیں۔ ستونوں پر قائم بڑے بڑے دلان ہیں۔ ہر پگوڈا کے اندر ایک مستطیل حوض ہوتا ہے جس کا پانی ہاتھ منہ دھونے کے کام آتا ہے۔ نیچے سے اوپر تک مورتوں سے بھرے ہوئے گوپر اور ستون مندر کی شان میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان مورتوں میں سے بعض بہت عمدہ ہیں لیکن اکثر کریہہ منظر ہیں۔ کہیں کہیں یہ مورتیں پتھر کی ہوتی ہیں لیکن عموماً چونے کی ہوتی ہیں۔

ان پگوڈا مندروں میں سب سے زیادہ عجیب بیجانگر، مڈورہ اور سریر نگم کے مندر ہیں۔ سریر نگم کے مندر کا طول تقریباً ایک میل ہو گا۔ بیجانگر میں ایک پگوڈا "وٹھوبا" کے نام سے ہے اس کے ستون سنگ سماق سے بنے ہوئے ہیں۔ سید علی بلگرامی نے اس مندر کو عجائبات دنیا میں سے ایک کہا ہے۔

19☆ **پگوڈا سکہ:**

دراصل یہ لفظ "پگوڈے" ہے جسے یورپی باشندے پگوڈا کہتے تھے۔ یہ سونے کا سکہ ہندوستان میں "ہن" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ گولکنڈہ، بیجاپور اور جنوب کے ہندو علاقوں میں عام استعمال ہوتا تھا۔ عہد مغلیہ میں اس کی دو اقسام رائج رہی جنھیں بالترتیب نیا اور پرانا کہا جاسکتا ہے۔

نئے پگوڈے گولکنڈہ اور بیجاپور کی ہندو ٹکسالوں کے علاوہ ولندیزیوں اور انگریزوں کی متعدد ٹکسالوں میں ڈھالے جاتے تھے۔ ۱۶۲۱ء میں نئے پگوڈے کی قیمت ۲/۱ ۱ سپینی ریال یا تین روپے کے قریب تھی۔ ۱۶۳۳ء میں ارماگوں کا پگوڈا ۵/۱ ۳ اریال یا اپنی سابقہ پر چلتا تھا۔ اس سے ریال کو ۵ شلنگ تصور کیا۔ یوں نیا پگوڈا تقریباً ۶ شلنگ اور ۸ پنس کے برابر ہوئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی سے نیا پگوڈا ۸ شلنگ کے برابر تصور کر لیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت سونے کی نسبت چاندی کی قیمت بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ ۱۶۵۱ء میں روپیہ کی قیمت ۲ شلنگ ۳ پنس اور نئے پگوڈا کی قیمت ۸ شلنگ مقرر ہوئی۔ ۴۲

پرانے پگوڈے مملکت وجے نگر کے یادگار تھے اور ان میں سونے کی مقدار نئے پگوڈوں کے عین مطابق تھی۔ محاصل سرکاری کی ادائیگی انھیں سکوں میں کی جاتی تھی۔ یہ ایک روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ تصور کیے جاتے تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اُس عرصہ میں سکوں کو دوبارہ گلا کر ڈھالنا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ شاہ گولکنڈہ کو ہر سال زر کثیر اس لیے ادا کیا جاتا تھا کہ وہ سکے دوبارہ ڈھالنے کی غرض سے واپس نہ لے۔ اگر اس قیاس کو درست تصور کر لیا جائے تو یہ خیال سامنے آتا ہے پرانے پگوڈوں کی قیمت نئے پگوڈوں کی نسبت ہر طور بڑھ رہی تھی۔ کیوں کہ اس کی قیمت کا زیادہ ہونا ہی اس کے گلانے یا برآمد کرنے کے عمل میں مانع تھا۔ البتہ امید کی جاسکتی ہے کہ اتفاقی نقصانات سے اس کی قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہو گی۔ عہد مغلیہ میں مجموعی طور پر پرانے سکوں کی قیمت بمقدار نئے سکوں کے اور نئے سکوں کی قیمت بہ اعتبار چاندی بڑھ رہی تھی۔

20☆ **اوستا:**

اوستا یا زینڈ اوستا زرتشیوں کی مذہبی کتاب ہے۔ موجودہ دور میں ان زرتشیوں کو پارسی کہا جاتا ہے۔ ان کا اصل وطن اور ان کے مذہبی صحائف کا ماخذ قدیم فارس ہے۔ اس مذہب کے عقائد اور فارسی تاریخ کے ابتدائی ترین دور کی روایات کا ریکارڈ اوستا ہی میں محفوظ ہے۔ زرتشت مذہب اکیمینائیوں کا مذہب ہے۔ (اکیمینائی سلطنت فارسی بادشاہوں، سائرس اعظم، دارا اول اور زرکیش اول پر مشتمل تھی۔) زرتشت مذہب میں آگ ایک خصوصی علامت ہے یہ آگ کو ایک خالص تخلیق سمجھتے ہیں۔ ہندوستان اور ایران کے سبھی آتش کدوں میں ایک شعلہ ہمیشہ سوزاں رکھا جاتا ہے۔ پاکستان، سری لنکا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا میں بھی زرتشت مذہب کے پیروکار موجود ہے۔ چنانچہ ان سب جگہوں پر ایسے آتش کدے بھی موجود ہے۔ کاہن زرتشی خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ اپنی نگرانی میں رسومات مذہب کا انتظام کرواتا ہے۔ یہ کاہن دراصل ایک قدیم میڈیائی قبیلے کے افراد ہیں۔ جنھوں نے ایرانیوں کا اثر ورسوخ پھیلنے پر یہ مذہب قبول کر لیا۔ یہ منصب موروثی ہوتا ہے۔ باپ کے بعد بیٹا کاہن ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کاہن اپنی

اولاد کو بچپن سے ہی مذہبی تعلیم دینے لگتے ہیں۔ سات سے پندرہ سال کی عمر میں بچوں کو بیعت کی رسم کرائی جاتی ہے جسے نیا جنم تصور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے زرتشتی اپنے مردوں کو ایک گول مینار میں رکھ آتے ہیں مگر کچھ علاقوں میں دفن بھی کیا جاتا اور کچھ جگہ جلایا بھی جاتا ہے۔ اکمینی سلطنت کے دوران یہ قدم ایران کا سرکاری مذہب بن کر ابھرا تھا۔ زرتشتیوں میں بھی جنت، جہنم، برزخ اور روز حشر کا تصور موجود ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح سکندر اعظم کے ہاتھوں فارس کی فتح کے بعد اس مذہب کے ماننے والے کسی حد تک ختم ہو گئے تھے۔ ان کے مقدس صحائف کھو گئے تھے۔ ساسانیوں کے عہد میں پراگندہ اوستا کو جمع کیا گیا۔ ۳۴۸ دستیاب فصلوں کو الگ الگ ابواب میں منقسم کر لیا گیا مگر پھر عرب اور مغل مسلمانوں کے فاتحانہ حملوں میں بھی اس مذہب کا خاتمہ ہوا۔ ۴۳ بہت سے زرتشتیوں نے اسلام قبول کر لیا مگر جان بچانے کے لیے زرتشتیوں کے ایک گروہ نے ہندوستان میں پناہ لے لی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ مذہبی مقدس تحریریں بھی لے گئے۔ کچھ راسخ العقیدہ زرتشتی ایران میں رہ کر بھی اپنے مذہب پر قائم رہے۔

اوستا کی زبان قدیم پہلوی سے ملتی جلتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے ۲۱ حصے تھے جو بارہ ہزار چمڑے کے ٹکڑوں پر سنہرے خطوط میں لکھے ہوئے تھے۔ اس وقت فقط ایک مکمل پارہ اور کچھ اجزاء موجود ہے۔ اوستا کے مختلف حصوں میں مقدس بھجن، حمدیں، طہارت، ریاضت اور عبادت کے قاعدے قانون اور فرشتوں کی زندگی کے متعلق معلومات موجود ہیں۔ موجودہ اوستا میں صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ موجود ہیں۔ یہ تحریریں خط اوستائی میں ہے۔ ایران میں خط میخی کے علاوہ ایک اور خط بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ دونوں خط ہاتھ سے لکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ خط بھی سامی الاصل خطوں کی طرح بائیں سے دائیں جانب لکھا جاتا ہے۔ اس میں ۴۴ حروف ہیں۔ ایرانی عالموں نے چھٹی صدی عیسوی کی ابتداء میں پچھلے ناقص حروف ابجد پر اس کی بنیاد رکھی۔ ۴۴ حروف کو نئی شکل دی اور اعراب کا اضافہ کر کے اسے مکمل کیا۔ بعض حروف کو کئی طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اوستائی ابجد میں تمام آوازیں اور اعراب حروف میں داخل ہیں۔ اس لیے اس زبان کے پڑھنے اور لکھنے میں تلفظ کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

21☆ **جلال الدین اکبر:**

مغل بادشاہ اکبر ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کو جلال الدین اکبر کے لقب سے دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اکبر ہندستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھنے والے ظہیر الدین بابر کا پوتا اور نصیر الدین ہمایوں کا بیٹا تھا۔ اکبر کی پیدائش ۲۳ نومبر ۱۵۴۲ء کو صوبہ سندھ کے مشہور قصبے عمر کوٹ میں ہوئی۔ ہمایوں نے اپنے بیٹے کا نام بدر الدین رکھا تھا۔

مغل بادشاہ ہمایوں کے انتقال کی خبر پاتے ہیں باغیوں سے سلطنت مغلیہ کے خلاف سر اٹھانا شروع کر دیا۔ یوں تخت نشینی کے وقت ہی سے اکبر کو سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بغاوتوں کے سوا ایک بڑا مسئلہ دہلی اور آگرہ میں پڑنے والا قحط بھی تھا۔ جس کی وجہ سے مغل فوج کو رسد حاصل کرنے میں بہت دشواریاں پیش آ رہی تھی۔ اکتوبر ۱۵۵۶ء میں ہیموں نے دہلی پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مغل گورنر تردی بیگ کو شکست ہوئی۔ شکست کے بعد مغل فوج اکبر اور بیرم خان کی سرکردگی میں دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔ نومبر ۱۵۵۶ء میں مغل فوج اور افغان فوج کے درمیان پانی پت کے مقام پر گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں افغان فوج ہار گئی۔ ہیموں زخمی حالت میں گرفتار ہوا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ پانی پت کی فتح کے بعد بیرم خاں نے سکندر سور کو مغلوں کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ سلیمان مرزا نے بھی کابل کا محاصرہ اٹھا لیا۔ نوجوان اکبر نے سنگین حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کر کے مختصر مدت میں حالات کو بحال کر لیا۔ یوں اکبر کا اقتدار کابل سے جون پور تک اور شمالی پنجاب سے اجمیر تک قائم ہو گیا۔

بغاوتوں کے سدّباب کے بعد بھی اکبر کو بیرم خاں اور اپنی رضاعی والدہ ماہم انگہ کی طرف سے حکومتی فیصلوں میں پابندی کا بدستور احساس تھا۔ اکبر نے بیرم خاں کو معاملات حکومت سے الگ کرنے کا فرمان جاری کیا تو بیرم خاں نے اکبر بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے لیکن اکبر نے اس پر بھی قابو پالیا اور معاف کر کے مکہ جانے کی اجازت دے دی مگر وہ راستے میں ہی مارا گیا۔ ۱۵۶۲ء میں ماہم آنگہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

اسی عرصہ میں اکبر نے توسیع سلطنت کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے گوالیار، لکھنو، جون پور اور مالوے پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا۔ ۱۵۶۷ء میں چتوڑ کا محاصرہ کیا، قلعہ کی حفاظت پر معمور پٹا اور جے مل کو مارنے کے بعد چتوڑ پر بھی اپنا قبضہ قائم کر لیا۔[45]

راجپوتوں کو ہندوستان میں خاص عزت و اکرام حاصل تھا۔ اکبر نے ان کے حوالے سے مخصوص حکمت عملی اختیار کی۔ اس حکمت عملی کے دو پہلو تھے جو ریاستیں اکبر کو بادشاہ تسلیم کر لے انھیں مراعات اور عہدوں سے نوازا جائے اور جو اکبر کی شہنشاہیت کو ماننے سے انکار کرے ان کے خلاف فوج کشی کر کے ان کو زیر کیا جائے۔ یوں یہ ریاستیں مغل حکومت کا ایک اہم جزو بن گئی۔ اکبر کی حکمت عملی ان ریاستوں کے مفاد میں بھی مثبت ثابت ہوئی۔ عہد اکبری میں انھیں خوب خوشحالی نصیب ہوئی۔

پہلی دفعہ شمال مغرب میں ہندوکش کو مغل حکومت کی سرحد قرار دیا گیا۔ اس حد بندی سے کابل کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ کابل کو عبد اللہ خاں ازبک سے بچانے کے لیے اکبر بادشاہ ۱۵۹۸ء تک لاہور میں رہا۔ بعد میں جب اوزبک خاں عبد اللہ خاں ازبک کی وفات کے بعد خانہ جنگیوں میں مصروف ہو گیا تو اکبر اس جانب سے بے فکر ہو گیا۔

اکبر کی مذہبی پالیسی پر خاص طور پر بحث کی جاتی ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں بھگتی تحریک کی وجہ سے ہندوستان کے مذہبی خیالات اور عقائد کی تجدید ہو رہی تھی۔ اکبر بھی ان خیالات سے متاثر ہوا، اکبر نے ہندو شہزادیوں سے شادیاں کی اور ہندوؤں پر سے جزیہ ختم کر دیا۔ ہندو یاتریوں پر لگایا جانے والا ٹیکس بھی ختم کر دیا۔ ۱۵۷۵ء میں ایک عبادت خانے کی بنیاد ڈالی گئی جہاں مختلف مذاہب کے علماء دینی مسائل پر آزادی کے ساتھ بحث و مباحثہ کر سکتے تھے۔ ۱۵۷۹ء میں اکبر نے دو مذہبی حقوق حاصل کر لیے۔

۱۔ اگر کسی مذہبی مسئلے پر علماء میں اتفاق رائے نہ ہو رہا ہو تو اس میں قطعی فیصلہ کرنے کا حق۔

۲۔ اگر کسی مسئلے پر اسلامی قانون خاموش ہے تو اضافے کا حق۔

ان حقوق کو محضر کا نام دیا گیا تھا۔ اسے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اکبر نے شہنشاہیت کے تصور کو مستحکم کرنے کے لیے یہ خیال عام کر دیا کہ بادشاہت خدا کے نور سے نکلی ہے لہٰذا بادشاہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ ۱۵۸۲ء سے ۱۶۰۵ء تک حکومت نے کسی ایک مذہب کی سرپرستی نہ کی۔

اکبر کے عہد میں سہ پہر اور شام میں دربار ہوا کرتا تھا جس میں وزراء اور عمائدین سلطنت شریک ہوتے تھے۔[46] دیوانِ خاص اور عام الگ الگ تھے۔ عدالتی مقدمات کی سماعت کے لیے جمعرات کا دن مخصوص تھا۔ بادشاہ کا ایک مقررہ پروگرام کے تحت کاروبار سلطنت انجام دینے کی روایت قائم کرنے کا سہرا بھی اکبر کے سر ہے۔ اکبر امور سلطنت میں اپنے وزراء سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ اکبر کے دربار میں علماء و فضلاء کی قدر کی جاتی تھی۔ مذہب کی تفریق کے بغیر سب کو عہدوں اور انعامات سے نوازا جاتا تھا۔

22☆ البوکرک:

البوکرک ۱۴۵۳ء میں پرتگال میں پیدا ہوا۔ یہ پرتگالی فوجی مہم جو اور جہاز ران ہندوستان میں پرتگالی مقبوضات کے

وائسرائے کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ اس پرتگالی وائسرائے کا اصل نام افسانوڈی البوکرک (Afonso De Albuquerque) تھا۔ پہلی مرتبہ ۱۵۰۳ء میں اپنے کزن فرانسکو کے ساتھ کوچن کے حکمران کی مدد اور حفاظت کے لیے ہندوستان آیا تھا۔ یہاں آکر کوچن میں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ پرتگال کی تجارتی چوکیاں قائم کرنے کے بعد ۱۵۰۴ء میں واپس پرتگال جانے پر شاہ مینوئل نے اس کا پرجوش استقبال کیا۔ البوکرک مشرق میں پرتگالی حکومت کے قیام کا حامی تھا۔ ۱۵۰۵ء میں البوکرک کی استوار کی گئی بنیادوں پر فرانسکو ڈی آلمیڈا کو ہندوستان میں پرتگال کا گورنر مقرر کرکے بھیجا گیا۔ اس دوران البوکرک نے براعظم افریقہ کا مشرقی ساحل دریافت کیا اور بحرہ احمر کے کنارے بندرگاہ "سکوترا" میں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اگست ۱۵۰۷ء میں خلیج فارس کی ایک اہم بندرگاہ ہرمز پر قابض ہوگیا۔ ۱۵۰۸ء میں شاہ پرتگال کے حکم سے وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان پہنچا مگر پہلے سے موجود وائسرائے فرانسکو ڈی المیڈ نے اختیارات لوٹانے سے انکار کردیا چنانچہ ۱۵۰۹ء تک البوبرک کو مزاحمت کرنا پڑی۔

۱۵۱۰ء میں بہ حیثیت وائسرائے گوا پر اپنا قبضہ قائم کیا اور ہندوستان میں گوا کو پرتگالی طاقت کا مرکز بنایا۔ البوکرک ہندوستان کی تجارتی حیثیت سے باخوبی آگاہ تھا اس لیے وہ ہندوستان پر پرتگال کے مستقل قبضے کا خواہ تھا۔ اس کی تجویز تھی کہ پرتگالی مردوں کو ہندوستانی عورتوں سے شادیاں کرلینی چاہیے یوں ہندوستانی کی آئندہ نسل پرتگالیوں کی اولاد ہوگی تو پرتگالی اقتدار کے خلاف مزاحمت نہ کرے گی۔ البوکرک کا منصوبہ مشرق اور یورپ کے مابین ہونے والی تمام تجارت کو مسلمانوں سے چھین کر پرتگالیوں کے لیے خاص کرلینے کا تھا۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے اس نے بہت سے اقدامات بھی کیے۔ ۱۵۱۱ء میں جزیرہ نماملایا میں واقع شہر ملاکا پر قبضہ کیا اور ایک بحری اڈہ بھی تعمیر کیا۔ بحرہ احمر کی اسلامی تجارت کو برباد کرنے کے لیے عدن پر حملے کیے مگر یہاں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ ۱۵۱۵ء میں جزیرہ ہرمز پر قبضہ کرکے خلیج فارس میں مسلمانوں کی تجارت کو نقصان پہنچایا۔ ے۷ ہرمز کے راستے پرتگالیوں نے مکاؤ اور چین سے تجارتی تعلقات قائم کیے۔

۱۵۱۵ء میں پرتگال واپسی کے سفر میں البوکرک کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ اسے واپس لاکر گواہی میں دفن کردیا گیا۔ پرتگالی حکومت اور معیشت کے لیے البوکرک کی خدمات کے اعتراف میں نیو میکسیکو میں ایک شہر کا نام البوکرک رکھا گیا ہے۔

23☆ پیگو:

پیگو تناسرم اور اراکان کے درمیان اور ملاکا کے جنوب میں واقع ہے۔ ہگلی اور چپلی پیگو کی دواہم بندرگاہیں ہیں۔ رالف فچ (Ralph Fitch) نے سولہویں صدی کے اختتام پر کیے گئے اپنے دورہ ہندوستان میں پیگو کی بھی سیر کی۔ اپنے سفر کی روداد میں پیگو کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے کہ پیگو کا شہر، بازار، گھر سب پانی پر تعمیر نظر آتے ہیں۔ یہاں لوگ خرید و فروخت اور زندگی کی باقی ضروریات کے لیے کشتیوں میں سفر کرتے ہیں، جن پر ایک بڑی چھتری نصب ہوتی ہے۔ پیگو میں ایک خوبصورت بندرگاہ ہے جہاں سے ملاکا اور دیگر جگہوں کے لیے روزانہ کئی جہاز روانہ ہوتے ہیں۔ اس مضبوط اور خوبصورت شہر کے گرد ایک گہری آبی خندق ہے جس میں موجود خطرناک مگرمچھ شہر کو محفوظ بناتے ہیں۔ شہر میں دو قصبے ہیں، نیا اور پرانا قصبہ۔ پرانے قصبے میں گھر بانس سے اور ان کی چھتیں تنکوں سے بنی ہوتی ہیں مگر ہر گھر کا مالخانہ اینٹوں سے تعمیر کیا جاتا ہے۔

دراصل لوگ یہاں کچھ عرصے بعد نئے گھر بناتے ہیں۔ پرانے بانس کے بنے گھروں کو آگ لگا کر ختم کردیا جاتا ہے ایسے میں گودام ہر گھر کی بنیادی ضرورت ہے جو نہ صرف خود آگ سے محفوظ رہے بلکہ حادثاتی طور پر آگ بھڑکنے کی صورت میں ضروری

سامان کو بھی محفوظ رکھے۔ پرانے قصبے میں ہر طرح کی اشیاء خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ پورے ملک سے آنے والے تاجر مختلف اشیاء لاتے ہیں۔ اس لیے بآسانی ہر شے دستیاب ہوتی ہے۔ خصوصاً سولی پٹم بنگال اور جنوبی ہندوستان سے کپڑا بر آمد کر کے لایا جاتا ہے۔

نئے قصبے میں بادشاہ اور دیگر امراء رہتے ہیں۔ یہ قصبہ انتہائی صاف ستھرا ہے۔ اس کی گلیاں اتنی چوڑی ہیں کہ ایک وقت میں دس سوار بآسانی گزر سکتے ہیں۔ سایہ دار درختوں کی موجودگی انھیں اور بھی خوبصورت بناتی ہے۔ بالکل وسط میں بادشاہ کا عالی شان محل ہے جس کے اطراف میں ہاتھیوں کے لیے بنائے گئے بڑے بڑے کمرے ہیں۔ شہر میں آنے والا ہر سوداگر پر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحفہ پیش کرنا لازم ہوتا ہے۔ سفید ہاتھی بادشاہ کی شان میں اضافہ کرتے ہیں۔ بادشاہ نے تقریباً ۵۰۰۰ جنگجو سفید ہاتھی پالے ہوئے ہیں۔ ملازمین کی ایک بڑی تعداد ان ہاتھیوں کی خدمت پر مامور ہیں۔۸۴ یہاں کے بادشاہ نے گردونواح کے تمام بادشاہوں کو ہدایت دے رکھی ہے کہ جس کے پاس بھی سفید ہاتھی ہو وہ پیگو روانہ کرلے۔ ان ہاتھیوں کو بہت محنت سے سدھایا جاتا ہے۔

پیگو میں پگوڈا کی شکل کے مندر بھی موجود ہے۔ پیگو کی زمین زرخیز ہے خاص طور پر کالی مرچ اور مصالحہ جات کی کاشت کے لیے موزوں ہے۔ چاول اور گنا یہاں کی اہم فصلیں ہیں۔ چاولوں سے شراب بھی کشید کی جاتی ہے البتہ گنے ہاتھیوں کی خوراک بنتے ہیں۔ یہاں قیمتی پتھروں، سونے اور چاندی کے زیورات پہنے جاتے ہیں۔ اکثریت کا مذہب بدھ مت ہے۔

24☆ **شیوا جی:**

شیوا جی مئی ۱۶۲۷ء پونا سے ۵۰ میل کے فاصلے پر واقع پہاڑی قلعہ سیویری میں پیدا ہوا۔ ان کے والد شاہ جی بھونسلا شاہ بیجا پور کے دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، پونا اور کرناٹک کی جاگیر کے مالک تھے۔ اولین تربیت ماں کے ہاتھوں میں ہوئی مگر جب وہ مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی تو تعلیم و تربیت کے لیے انھیں ایک دانشمند بھگت برہمن دادا جی کنڈیو سپرد کر دیا۔ یہ اتالیق پونا میں شاہ جی کی جاگیر کا منتظم تھا۔ شیوا جی نے ان سے شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی، پہاڑوں پر چڑھنا، ندیاں عبور کرنا سیکھا۔ پہاڑی دوستوں کی صحبت میں شیر کا شکار سیکھا۔ جسمانی اور جنگی تربیت کے ساتھ ہندو مت کی بھی خوب تعلیم دی گئی۔ یہاں تک کے مسلمانوں کے خلاف شیوا جی کے دل میں نفرت بھر دی اور دیوتاؤں کی لڑائیوں کی کہانیاں سن کر اس کی طبیعت میں شجاعت اور مردانگی پیدا ہو گئی۔ ہندو قوم کے لیے پیدا ہونے والی عقیدت نے ان میں مرہٹہ قوم کو متحد کرنے کا خیال دیا اور یوں شیوا جی نے ملک کو مسلم حکمرانی سے آزاد کرانے کا تہیہ کر لیا۔ مرہٹے پست قد مضبوط اور جفاکش تھے۔ عرصہ دراز تک یہ لوگ دکن کے مسلمان حکمرانوں کے فرمانبردار رہے۔ ان کی فوجیوں میں بھرتی ہو کر جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔

شیوا جی نے سب سے پہلے بیجا پور کی سلطنت کے پہاڑی قلعوں پر قابض ہونے کی تدبیر کی۔ حاکم اور اہلکاروں کو رشوت دے کر بادشاہ سے قلعے کی درخواست منظور کروالی۔ مذہب کے نام پر ہندو قوم میں جذبہ پیدا کر کے چھوٹی چھوٹی مہمات سر کی۔ ان سب کاروائیوں میں شیوا جی کے اتالیق دادا جی نے بھرپور ساتھ دیا۔ دادا جی کے مرنے کے بعد شیوا جی نے اپنے باپ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا اور خراج ادا نہ کرنے کی بھی کچھ معقول وجوہات بتادی۔ آہستہ آہستہ آس پاس کے مضبوط قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اپنی مختصر فوج کے ساتھ لوٹ مار کر کے خزانہ اکٹھا کیا۔ شاہ بیجا پور کو علم ہوا تو شیوا جی کے باپ شاہ جی کو گرفتار کر لیا، شیوا جی نے فرمانبرداری

قبول کرنے کی بجائے مغل بادشاہ شاہ جہاں سے ساز باز کر لی۔ جب کرناٹک کے حالات خراب ہوئے تو حاکم بیجاپور کو شاہ جی کو چھوڑنا پڑا۔

وقت کے ساتھ شیواجی نے اپنی طاقت کو مضبوط کر لیا تو بیجاپور میں لوٹ مار کا بازار ایک بار پھر سے گرم کر دیا۔ چنانچہ بیجاپور کے سلطان نے اپنے نامور جرنیل افضل خاں کو ایک زبردست فوج اور توپ خانے کے ساتھ شیواجی کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ سفیروں کی وساطت سے دونوں ملاقات کے لیے راضی ہوئے تو شیواجی نے دھوکے سے افضل خاں کا قتل کر دیا۔ فوج قتل کی خبر سن کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ شیواجی کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر کچھ اور مہمات بھی روانہ کی گئی مگر جلد ہی حاکم بیجاپور کو اندازہ ہو گیا کہ شیواجی کی طاقت کو کچلنا آسان کام نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۶۶۲ء میں اسے مفتوحہ علاقے کا حاکم مان لیا۔ عہد عالمگیر میں بیجاپور کے سلطان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کے بعد شیواجی نے مغلوں کے علاقے میں کاروائیوں کا آغاز کیا۔ اس فتنے کے تدارک کے لیے اورنگزیب نے صوبیدار شائستہ خاں کو دکن روانہ کیا۔ مگر شیواجی کے ۴۰۰ سواروں کے اچانک حملے نے اس مہم کو ناکام بنا دیا۔ اس حملے میں بہت سے مغل سپاہی مارے گئے۔[۴۹]

۱۶۶۴ء میں عالمگیر نے پہلے شہزادے معظم کو اور اس کی ناکامی کے بعد دلیر خاں اور راجہ جے سنگھ کو شیواجی کے مقابلے میں بھیجا۔ جے سنگھ کو فتح نصیب ہوئی اور یوں ۱۶۶۵ء میں شیواجی پورندھرے کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ جب شیواجی دربار شاہی میں لایا گیا تو عالمگیر نے اسے "پنج ہزاری" کا منصب عطا کیا۔ لیکن شیواجی نے ایک اور چال چلنا چاہی۔ بادشاہ نے اسے نظر بند کرنے کا حکم دیا جہاں سے شیواجی چند دوستوں کی مدد سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور دکن پہنچ گیا۔

واپس آکر پھر سے شیواجی نے کئی قلعے فتح کیے اور ۱۶۷۴ء میں اپنی آزاد ریاست کا اعلان کر دیا۔ رائے گڑھ کو راجدھانی بنا کر وہاں بڑے شان و شوکت سے اپنی رسم تاج پوشی ادا کی۔ یہاں شیواجی نے ۶ سال تک حکومت کی۔ اس عرصے میں شیواجی نے کرناٹک، جنجی، ویلور اور دیگر کئی قلعے فتح کیے۔ شاہ گولکنڈ کی مدد سے کئی مرتبہ مغلیہ علاقوں پر حملے کیے۔ آخر کار ۱۶۸۰ء میں ۵۳ برس کی عمر میں رائے گڑھ کے مقام پر انتقال کر گیا۔ اورنگزیب عالمگیر نے شیواجی کو "موش کوہی" یعنی پہاڑی چوہے کا نام دیا تھا۔ کیونکہ ہمیشہ گرفتاری سے بچنے کے لیے شیواجی پہاڑی غاروں میں پناہ لیتا تھا۔ شیواجی کے بعد اس کا نااہل بیٹا سبھناجی مہاراشٹر کی گدی پر بیٹھا عالمگیر نے حملہ کر کے علاقے بھی حاصل کیے اور حملے میں سبھناجی بھی قتل ہو گیا۔

25☆ ابن سینا:

ابن سینا(۹۸۰ء۔۱۰۳۷ء) کا پورا نام ابو علی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا تھا۔ یہ ایرانی طبیب دنیائے اسلام کے مشہور فلسفی اور سائنس دان تھے۔ ان کی کتاب کتاب الشفا کو ایک وسیع فلسفیانہ و سائنسی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ابن سینا بخارا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی سے حاصل کی۔ ان کے گھر میں قدیم ایرانی روایات کے برعکس اسلامی روایات کو ترجیح دی جاتی تھی۔ گھر سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بخارا شہر سے فلسفہ اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ سترہ برس کی عمر میں ابن سینا نے شاہ نوح ابن منصور کا کامیاب علاج کیا۔ اسی بنیاد پر انھیں شاہی کتب خانہ استعمال کرنے کی اجازت مل گئی۔ ۱۰۰۱ء میں سامانی سلطنت ختم ہو گئی چنانچہ ابنِ سینا بخارا چھوڑ کر خوازم چلا گیا۔ پھر سلطان محمود غزنی نے اسے غزنی آنے کی دعوت دی مگر ابنِ سینا نے جرجان اور پھر ہمدان جانا پسند کیا۔ ابنِ سینا نے ہمدان میں شمس الدولہ کے وزیر کا عہدہ سنبھالا۔ شمس الدولہ کی وفات کے بعد ابن سینا علاؤالدولہ کے پاس اصفہان چلے گئے

اور وہیں ۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ کتاب الشفاء ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں منطق، نفسیات، فطری علوم اور مابعد الطبیعات پر بات کی گئی ہے۔ ابنِ سینا ارسطوئی فکر کے حامل تھے مگر ان کے افکار پر دیگر یونانی و نو فلاطونی اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ ابنِ سینا کے نزدیک خالق کے وجود کے اثبات کے لیے مخلوقات سے تصدیق لینا یا بطور جواز پیش کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس دنیا میں جس بھی شے کا وجود موجود ہے یا جس بھی شے کے متعلق ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ موجود ہے۔ ۵۰ ان کے امکان ہی سے ایک واجب الوجود ذات اولیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ ابنِ سینا نے عقل کے متعلق مختلف اور منفرد خیالات پیش کیے ہیں۔ عقل اول، جسم، نفس، تیسری عقل فعال اور ان سب کی کارکردگی کے متعلق پیش کیے گئے نظریات راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لیے قیادت سے کم نہ تھے۔ معتزلی متکلمین میں بھی اس پر بحثیں ہوئیں۔ ابنِ سینا نے نو فلاطونیت کے فلسفہ کائنات اور ارسطو کے ثوائیت اور واقعیت کے نظریات کی بنیاد پر اپنے فلسفہ عقل و کائنات کی بنیادیں استوار کی۔ ابن سینا نے دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے یورپ میں قدیم دنیا کی فلسفیانہ و سائنسی روایت کو پھیلانے میں خاصا بڑا کردار ادا کیا۔ بارہویں صدی عیسوی میں ابن سینا کی تحریروں کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا۔ ابن سینا نے اسلامی الٰہیات کو روایتی یونانی فکر کے ساتھ مدغم کیا۔ ان تمام خیالات کو الغزالی کی طرف سے زبردست چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔

26☆ شیخ ابو الفضل (آئین اکبری):

شیخ ابو الفضل عہد اکبری کے مورخ، مدبر وزیر اور بلند پایہ انشاء پرداز تھے۔ ۱۴ جنوری ۱۵۵۱ء کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ مبارک نے اپنے استاد ابو الفضل کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ بچپن علمی و ادبی ماحول میں گزرا مگر یہ سارا زمانہ افلاس اور مصیبتوں کا تھا۔ ان سب مسائل اور تربیت کے لمحات میں ابو الفضل کے بھائی علامہ فیضی ان کے ساتھ شریک تھے۔ ۱۵۷۲ء میں دونوں بھائیوں کو دربار اکبری میں جگہ مل گئی۔ ۲۰ سال کی کم عمر میں ابو الفضل کو قسمت آزمانے اور اپنی لیاقت کا مظاہرہ کرنے کا موقع میسر آگیا۔ ۵۱ اپنی خردمندی اور پرکشش شخصیات کے بل بوتے پر جلد ہی بادشاہ اکبر کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ اکبر کے دربار میں بڑے بڑے علماء و مجتہدین، صاحب فکر و نظر موجود تھے مگر ابو الفضل نے خداداد صلاحیتوں کے ساتھ زبان دانی، فصاحت و بلاغت کے باعث ممتاز حیثیت حاصل کی۔

ابو الفضل خود بھی صاحب علم تھا۔ شعر و ادب کی قدر دانی بھی کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابو الفضل نے بہت سے شعراء اور ادباء کو دربار اکبری تک رسائی دلوائی انھیں شاہی انعامات کا حقدار ٹھہرایا۔ غرض یہ کہ بادشاہ کے اذن سے شعر و ادب کی خوب نشوونما کی۔ ابو الفضل خود علامی، تخلص سے شعر کہتا تھا۔

اکبر بادشاہ نے ابو الفضل کو سہ ہزاری منصب پر فائز کیا۔ بادشاہ اپنے فیصلوں میں ہمیشہ ابو الفضل کو شریک کرتا۔ بلاشبہ مزاج شناسی، ادب خدمت، اطاعت فرمان، علم و لیاقت، زبان دانی اور کردار کی متانت سے ابو الفضل کا دل موہ لیا تھا۔

آئین اکبر، اکبر نامہ، انشائے ابو الفضل، جامع اللغات، عیار دانش، رزم نامہ، مہا بھارت کا فارسی ترجمہ اس صاحب قلم کے کارنامے ہیں۔ ابو الفضل ایک آزاد خیال فلسفی تھا۔ مورخین کے مطابق اکبر نے جس دین الٰہی کا اجراء کیا تھا۔ اس کے پیچھے بھی ابو الفضل ہی کا دماغ تھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عہد اکبری کی حکمت عملیوں میں ابو الفضل کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ یہ اعلیٰ دماغ بادشاہ اکبر اور شہزادہ سلیم کی اندرونی لڑائی کا شکار ہو گیا۔ عہد اکبری میں جب شہزادہ سلیم نے تخت کے حصول کے لیے باپ کے خلاف بغاوت کی تو ابو الفضل کی اکبر کے ساتھ غیر مشروط وفاداریوں کے خوف سے جہانگیر نے ان کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ سلیم کو خوف تھا کہ اگر ابو الفضل کی بادشاہ سے ملاقات ہو گئی تو بادشاہ سلیم کے خلاف کوئی حتمی قدم بھی اٹھا سکتا ہے چنانچہ اسے روکنے کے لیے یہی تدبیر سوجھی کہ ابو الفضل کا قتل کرا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے راجا نرسنگ دیو کو مقرر کیا۔ دکن سے واپسی پر سرائے پرگنہ کے مقام پر راجا نرسنگ دیو نے ایک بڑے لشکر کے جو سوار اور پیادوں پر مشتمل تھا۔ شیخ ابو الفضل کو اس کے ملازموں سمیت گھیر لیا۔ بلند ہمت شیخ نے بھاگنے پر مارے جانے کو ترجیح دی۔ راجا نرسنگ دیو نے سر کاٹ کر ۱۲ اگست ۱۶۰۲ء کو سلیم کو الٰہ آباد بھجوا دیا۔۵۲ ابو الفضل کی موت کا اکبر کو شدید رنج ہوا۔ مورخین کے مطابق بادشاہ نے کئی دن تک کھانا تناول نہ کیا۔

آئین اکبری مغل بادشاہ اکبر کے نورتن میں سے ایک انتہائی قابل وزیر ابو الفضل کی تصنیف ہے۔ یہ اکبر نامہ کی تیسری جلد ہے۔ اکبر نامہ کے پہلے حصہ میں تیمور لنگ سے لے کر بابر، شیر شاہ سوری اور ہمایوں کی تاریخ کا نمایاں ذکر ہے اور دوسرے حصے میں اکبر بادشاہ کے تقریباً چھیالیس سالوں کی تاریخ ہے۔ قاری کی دلچسپی اور سیاسی حکمت عملیوں کی مکمل تصویر کشی کی غرض سے ہندوستان کی اقوام خصوصاً ہندوؤں کی تاریخ کا بھی تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔ تاریخی دستاویز کی خصوصیات کی حامل یہ کتاب ۱۵۰۹ء میں فارسی زبان میں لکھی گئی۔ اس اہم تحریر کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ آئین اکبری بھی تین جلدوں میں منقسم ہے۔ ایچ بلوک مین نے پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ ۱۸۷۳ء میں شائع کیا۔ ہنری یول نے ہوبسن جوبسن میں آئین اکبری کے سبھی حوالے بلوک مین کے ترجمہ شدہ متن سے دیے ہیں۔ کولونل۔ ایچ۔ ایس۔ جیرٹ نے بلوک مین کے کام کو مکمل کیا اور ۱۸۹۱ء میں دوسری جبکہ ۱۸۹۶ء میں تیسری جلد کا ترجمہ شائع کیا۔ راقمہ نے اورینٹل بک پرنٹ کارپوریشن نئی دہلی سے ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء شائع ہونے والے ان انگریزی تراجم سے استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں محمد فدا علی صاحب طالب کا کیا گیا اردو ترجمہ سنگِ میل پبلی کیشنز سے شائع ہوا۔ اس اردو ترجمے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

آئین اکبری بادشاہ اکبر کے عہد کے پورے انتظامی ڈھانچے کا تفصیلی بیان ہے۔ انتظامی و عسکری عہدوں، تہواروں، عوام کے رسم و رواج رائج الوقت سکوں، تجارتی لین دین، صوبوں کے انتظامی ڈھانچے، خوشبوؤں، پھلوں اور دھاتوں کے متعلق جامع اور مستند معلومات آئین اکبری سے مل جاتی ہیں۔ یہاں ابو الفضل ایک مورخ کے ساتھ شارح کی شکل میں بھی سامنے آتے ہیں۔ آئین اکبری کی تحریر کے توسط سے مصنف ہندوستان کی ارضی خصوصیات بھی پیش کرتے ہیں اور رائج نظریات و قوانین کی عملی صورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

کتاب سے ملنے والی معلومات اس وقت زیادہ اہم ہو جاتی ہے جب مصنف ناموں سے آگے بڑھ کر تفصیل لکھتے ہیں۔ دھاتوں کی اور خوشبوؤں کی تیاری کے مراحل اور کھانوں کی ترکیب لکھنے سے کتاب کی افادیت دوگنی ہو گئی ہے۔ عہد اکبر کی تصویر اور انتظامی صورتحال کے بیان پر قاری کا یقین اس لیے بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ مصنف بادشاہ اکبر کے مقربین میں سے تھا۔ نیز درباری عہدہ ہونے کے باعث انھیں ان دستاویزات تک رسائی حاصل تھی جن تک شائد کسی اور مصنف یا مورخ کو نہ تھی۔

آئین اکبری میں بادشاہ اکبر کا ذکر ادب و احترام سے کیا گیا ہے۔ ابو الفضل نے دیباچے میں بادشاہ کو خدا کے پسندیدہ و مقرب کہہ کر تعظیم کا حقدار ثابت کیا ہے اور مرتبہ شاہی کو خدا کے نزدیک معتبر ٹھہراتے ہوئے عوام پر بادشاہ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ یہ انتہائی مودب انداز بھی مغل بادشاہ اکبر کے عہد کے نمایاں خدوخال میں سے ایک ہے۔ ۵۳

قوانین شاہی کے تفصیلی بیان کی غرض سے لکھی گئی اس کتاب کی اہمیت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جیسے جیسے عہد مغلیہ میں اور قاری میں صدیوں کا اضافہ بڑھتا جارہا ہے۔ عہد مغلیہ کے شارح ابو الفضل کی تحریر کی اہمیت بھی بڑھتی جارہی ہے۔ بلوک مین کے ترجم شدہ ایڈیشن کی ایک اضافی خوبی یہ ہے کہ اس میں تصاویر موجود ہیں۔ جیسے جانوروں کو پہنائے جانے والے مختلف زیورات، خیموں کی اقسام مختلف ہتھیاروں وغیرہ کی تصاویر تحریر کے معنی کو مکمل کرنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

27☆ جنگ پلاسی:

جنگ پلاسی بنگال کے نواب سراج الدولہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کے مابین لڑی گئی۔ بنگال، بہار اور اوڑیسہ کے آخری نواب علی وردی خان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لیے اپنی زندگی ہی میں انھوں نے ۹ اپریل ۱۷۵۶ء کو اپنے بھتیجے سراج الدولہ کی جانشینی کا اعلان کر دیا تھا۔ سراج الدولہ نواب علی وردی خاں کا چھوٹا داماد بھی تھا۔ اسی سال سراج الدولہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت تک یورپیوں کو بنگال میں اپنے مقبوضہ علاقوں کی قلعہ بندی کا حق نہ تھا۔ لیکن انگریزوں نے کلکتے کے قلعہ پر قابض ہونے کے بعد وہاں سخت فوجی احکامات جاری کر دیے تھے۔ نیز انگریزوں نے سرکاری خزانے سے ۵۳ لاکھ روپیہ غبن کرنے والے کرشن داس کو بھی پناہ دے رکھی تھی۔ نواب سراج الدولہ نے فورٹ ولیم کے گورنر کو پیغام بھیجا کہ کرشن داس کو واپس کیا جائے۔ فورٹ ولیم کونسل قلعہ بندی میں ہونے والے اضافے کو فوری روک دیا جائے اور شہر کے ارد گرد تیار کی گئی "مرہٹہ خندق" بند کر دی جائے۔ مگر انگریزوں نے یہ تینوں مطالبات ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ نواب نے ہگلی کی بندرگاہ سے انگریزوں کے جہازوں کی روانگی پر پابندی عائد کر دی اور ولیم واٹس سے ملاقات کر کے اسے انگریزوں کے عمل پر سخت سرزنش کی۔ واٹس نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے تمام مطالبات مان لیے لیکن کمپنی نے ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ۵۴ یوں جون میں انگریزوں اور نواب کی فوجیں آمنا سامنا ہوئی جس میں انگریزوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۲۰ جون کو انگریزی فوج نے ہتھیار ڈال دیے تو سراج الدولہ بآسانی فورٹ ولیم میں داخل ہوا۔ فورٹ ولیم کے قبضے کے بعد سراج الدولہ کی قید میں موجود کچھ انگریز ایک زمین دوز کوٹھڑی میں دم توڑ گئے۔ اس گڑھے کو "کلکتہ کا بلیک ہول" کہا جاتا مگر غداروں کے رویے اور ناساز گار حالات کے باعث فروری ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ نے معاہدہ علی نگر پر دستخط کر دیے جس کی رو سے بنگال کے تمام مقبوضات انگریزوں کو واپس کر دیے گئے۔ مگر یہ صلح عارضی ثابت ہوئی کیوں کہ انگریزوں نے نواب کی مرضی کے خلاف فرانسیسی مقبوضات پر خود قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کچھ فرانسیسی نواب کے پاس پناہ کے لیے آئے، جنھیں انگریزوں نے واپس مانگا۔ نواب سراج الدولہ نے پناہ میں آئے ہوئے فرانسیسیوں کو واپس لوٹانے سے انکار کر دیا۔ اس دوران انگریزوں نے میر جعفر سے ساز باز کر لی۔ یوں سراج الدولہ کے ساتھ انگریزوں کی جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔ ۱۳ جون ۱۷۵۷ء کو کلائیو نے شمالی علاقوں پر حملہ کیا۔ سراج الدولہ نے کسی مزاحمت کے بغیر قتوہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں نے ہندو ریاستوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کی پڑاؤ ڈالی ہوئی فوج کو گھیرے میں لے

لیا۔ لیکن گھیرے میں رہنے والی فوج میر جعفر کے ساتھ تھی جو خفیہ طور پر انگریزوں سے مل چکا تھا۔ اس لیے جنگ شروع ہوتے ہی بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ سراج الدولہ کا وفادار میر مدن لڑتے ہوئے جنگ پلاسی میں شہید ہوا۔ نواب کو میر جعفر کی غداری کا علم ہوا تو وہ مرشد آباد واپس چلے گئے۔ میر جعفر نے انگریزوں کا استقبال کیا اور سراج الدولہ کو گرفتار کر کے شہید کیا۔ چونکہ یہ جنگ پلاسی نامی گاؤں میں لڑی گئی تھی اس لیے جنگ پلاسی کہلائی۔ ۵۵ اس فتح کے نتیجے میں بنگال پر برطانوی حکومت قائم ہوئی۔ یہ فتح ہندوستان میں برطانوی راج کے باقاعدہ قیام کا پہلا مرحلہ ثابت ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ جواد، ص ۱۱۴۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔

۳۔ جامع اردو انسائیکلوپیڈیا تاریخ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۱۲۔

۴۔ قریشی، اشتیاق حسین، *A short History of Pakistan* (کراچی: بی۔ سی۔ سی اینڈ ٹی پریس، ۱۹۶۷ء)، ص ۲۳۶۔

۵۔ پی۔ ہارڈی (P.Hordy)، *The Muslims of the British India* (لندن: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۲ء)، ص ۱۰۱۔۱۰۹۔

۶۔ جالبی، تاریخ ادب اردو (حصہ اول)، ص ۲۰۸۔

۷۔ ہارڈی، ص ۲۴۵، ۲۵۰۔

۸۔ بک لینڈ، ص ۱۳۰۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ ولسن، ص ۱۔۴۳۶۔

۱۱۔ محمود، ص ۸۶، ۸۷۔

۱۲۔ روبینہ نازلی، علم الانسان خزائن العرفان (اسلام آباد: یورب اکادمی، ۲۰۱۰ء)، ص ۹۷۔

۱۳۔ مسلم کاکوری، "مہامیر جی کا تیم "ہندوستان کے ایجے دیگر دھرم بدھ، جین، سکھ، رادھا سوی (نئی دہلی: برٹی آرٹ پریس، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۰۵۔۱۰۶۔

۱۴۔ عبدالحمید، ص ۴۰۳۔

۱۵۔ جے۔ ٹی بوائز ویلر (J.T.Boys Wheeler)، *India and the frontier States of Afghanistan, Nepal and Bhutan* (لاہور: ونگار بکس پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۸۶ء)، ص ۱۲۶۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔

۱۸۔ عبدالحمید، ص ۲۰۱۔۲۰۲۔

۱۹۔ ایڈورڈ ایس ہولڈن (Edward.S.Holden)، *The Mughal Emperors of Hindustan* (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۳۷۔۴۵۔

۲۰۔ محمد ذکاءاللہ، تاریخ ہندوستان سلطنت اسلامیہ کا بیان، جلد سوم و چہارم (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،

۱۹۹۸ء)، ص ۱۵۰۔۱۹۶۔

۲۱۔ ظہیر الدین بابر، تزک بابری، ترجمہ رشید اختر ندوی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ص ۳۵، ۴۱، ۵۷، ۹۵۔

۲۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۷ (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۹۴، ۷۹۹۔

۲۳۔ ہدایت اللہ صدیقی، *Catalogue of Selected Persian Poetical works (Manuscripts) in the National Museum of Pakistan*، نقل قلمی فہرست مخزونہ، ریسرچ لائبریری شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔

۲۴۔ خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، مرتبہ محمد گزدینی قاسم غنی (تہران: کتاب خانہ زوار، ۱۹۵۴ء)، ص ۲۵۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰۱۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۷۹۔

۲۷۔ شیام سنگھ شیشی، ہندوستان کی قبائلی عورتیں، ترجمہ محبوب الرحمن فاروقی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۶۰۔۱۷۰۔

۲۸۔ لیبان، ص ۱۶۶۔۱۷۰۔

۲۹۔ انسائیکلوپیڈیا انٹرنیشنل، *Encyclopedia International*، ص ۴۱۳۔۴۱۴۔

۳۰۔ ایضاً، جلد ۱۶، ص ۲۶۱۔۲۶۲۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ علی عباس جلالپوری، روایت تمدن قدیم (لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۷۸۔۱۷۹۔

۳۳۔ مبارک علی، مغل دربار (لاہور: نگارشات، ۱۹۸۶ء)، ص ۷۵۔۷۶۔

۳۴۔ جواد، ص ۲۵۸۔

۳۵۔ ابوالفضل، آئین اکبری، جلد اول، حصہ دوم، ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۶۶۷۔۶۶۰۔

۳۶۔ ایم۔ایچ۔سید (S.M.Syed)، *History of the Glorious Mughal Empire* (نئی دہلی: انمول پبلشرز، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۳۷۔

۳۷۔ اینی میری شمل (Annie marie Schimel)، *The empire of the Great Mughal History Art and Culture* ترجمہ کورنی آٹوڈ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۴۸۔

۳۸۔ بنی پرشاد، تاریخ جہانگیر، ترجمہ رحم علی الہاشمی (نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۱، ۱۵، ۱۷، ۴۶، ۹۶، ۹۷، ۱۷۴، ۱۷۵۔

۳۹۔ نور الدین جہانگیر، تزک جہانگیری، ترجمہ سید حسام الدین راشدی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء)، ص ۱۹۔

۴۰۔ لیبان، ص ۴۲۳۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۳۹۶، ۴۲۳۔

۴۲۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ، اکبر سے اورنگ زیب تک، ترجمہ جمال محمد صدیقی (نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۱ء)، ص ۴۰۷۔۴۰۹۔

۴۳۔ جواد، جلد اول، ص ۲۶۔

۴۴۔ فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۵۱۔۱۵۲۔

۴۵۔ نظام الدین احمد، ص ۱۵۴۔۱۵۸۔

۴۶۔ ابوالفضل، آئین اکبری، ص ۵۴۔۷۹۔

۴۷۔ عبدالحمید، ص ۲۰۴۔۲۰۵۔

۴۸۔ رالف فچ (Ralph Fitch)، *Early Travels in India 1583-1619*، مرتبہ ولیم فوسٹر (نئی دہلی: اورینٹل بکس وپرنٹ کارپوریشن، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۔۴۸۔

۴۹۔ ذکاء اللہ، جلد ہشتم، نہم، دہم، ص ۱۶۱۔۱۶۵۔

۵۰۔ جواد، ص ۴۸۔۵۳۔

۵۱۔ محمد حسین آزاد، دربار اکبری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ص ۴۶۳۔۴۸۶۔

۵۲۔ جہانگیر، ص ۱۸۔۱۹۔

۵۳۔ ابوالفضل *The Ain Akberi* ترجمہ: بلوک میں (نئی دہلی: اورینٹل بکس وپرنٹ کارپوریشن، ۱۹۷۸ء) ص ۱۷، ۳۲۔۱۳۲؛

۵۴۔ ایچ۔ سی۔ رائے چوہدری ودیگر، *An Advanced History of India* (لاہور: فیس بکس، ۱۹۹۲ء)، ص ۶۵۵۔۶۶۶۔

۵۵۔ ایضاً۔

ماخذات

ابوالفضل، شیخ۔آئین اکبری۔ترجمہ محمد فدا علی صاحب طالب۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۸ء۔

ابوالفضل، شیخ۔The Ain Akbari۔جلد اول۔ترجمہ ایچ ملوک مین۔نئی دہلی:اورینٹل بکس ویرنٹ کارپوریشن،۱۹۷۷ء۔

ابوالفضل، شیخ۔The Ain Akbari۔جلد دوم۔ترجمہ کولونیل۔ایچ۔ایس۔جیرٹ۔نئی دہلی:اورینٹل بکس ویرنٹ کارپوریشن،۱۹۷۸ء۔

ابوالفضل، شیخ۔The Ain Akbari۔جلد سوم۔ترجمہ کولونیل۔ایچ۔ایس۔جیرٹ۔نئی دہلی:اورینٹل بکس ویرنٹ کارپوریشن،۱۹۷۸ء۔

احمد،اشفاق۔چغتائی، محمد اکرام(مولفین)۔فرہنگ اصطلاحات (ای تا او)۔جلد دوم۔لاہور:اردو سائنس بورڈ،۱۹۸۵ء۔

احمد،اشفاق۔چغتائی، محمد اکرام(مولفین)۔فرہنگ اصطلاحات (اے تا ڈی)۔جلد اول۔لاہور:اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۴ء۔

احمد،اشفاق۔چغتائی، محمد اکرام(مولفین)۔فرہنگ اصطلاحات (پی تا زیڈ)۔جلد سوم۔لاہور:اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۵ء۔

احمد،خالد۔لفظوں کی کہانی لفظوں کی زبانی۔ترجمہ شیر از راج۔لاہور:مشعل بکس،۲۰۱۰ء۔

احمد، کلیم الدین۔Jami English Urdu Dictionary جلد اول۔نئی دہلی:بیوروفار پر موشن آف اردو،۱۹۹۴ء۔

احمد، کلیم الدین۔Jami English Urdu Dictionary۔جلد پنجم۔نئی دہلی:بیوروفار پر موشن آف اردو،۱۹۹۸ء۔

احمد، کلیم الدین۔Jami English Urdu Dictionary۔جلد چہارم۔نئی دہلی:بیوروفار پر موشن آف اردو،۱۹۹۷ء۔

احمد، کلیم الدین۔Jami English Urdu Dictionary۔جلد دوم۔نئی دہلی:بیوروفار پر موشن آف اردو،۱۹۹۴ء۔

احمد، کلیم الدین۔Jami English Urdu Dictionary۔جلد سوم۔نئی دہلی:بیوروفار پر موشن آف اردو،۱۹۹۵ء۔

احمد، کلیم الدین۔Jami English Urdu Dictionary۔جلد ششم۔نئی دہلی:بیوروفار پر موشن آف اردو،۱۹۹۸ء۔

احمد، نظام الدین۔طبقات اکبری۔جلد دوم۔ترجمہ محمد ایوب قادری۔لاہور:اردو سائنس بورڈ،۱۹۹۰ء۔

اشرف،سیدراشد۔انگریزی اصطلاحوں اور محاوروں کی جدید صحافتی فرہنگ۔نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،۲۰۱۳ء۔

انسائیکلوپیڈیا انٹرنیشنل (Encyclopedia International)۔جلد ۷،۱۶،۱۸۔چین:لیلیکان پبلیکیشن،۱۹۸۲ء۔

انصاری،ظ۔"ترجمے کے بنیادی مسائل"۔فن ترجمہ کاری۔مرتب صوبیہ سلیم،صفدر رشید۔پاکستان:ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۲ء۔

اوبرائن،ڈیرک۔دنیا کے تمام ممالک؛ تاریخ، جغرافیہ ، لوگ، معیشت اور دیگر اعداد و شمار۔ ترجمہ محمد اختر۔لاہور: دار الشعور،۲۰۰۹ء۔

ایٹو،جان (John Ayto)*Dictionary of Words Origins*۔لندن: بلو مسبری پبلشرز،۲۰۰۱ء۔

ایچ۔ایچ۔ولسن۔اصطلاحات عدلیہ ومالگزاری۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۵ء۔

ایڈورڈایس ہولڈن (Edward.S.Holden)*The Mughal emperors of Hindustan*۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۶ء۔

آزاد، محمد حسین۔دربار اکبری۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء۔

بابر، ظہیرالدین۔تزک بابری۔ترجمہ رشید اختر ندوی۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء۔

بخاری، بادشاہ منیر۔"کرنل ہنری یول کی لسانی خدمات"۔ خیابان، جامعہ پشاور، شمارہ ۳۱(خزاں ۲۰۱۴ء)۔

بدایونی، نظامی۔ مشاہیر مشرق؛ مشرق کی مشہور شخصیات کا تذکرہ۔لاہور: تخلیقات،۱۹۹۹ء۔

بطوطہ، ابن۔سفرنامہ ابن بطوطہ۔ترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین۔لاہور: امن پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء۔

بک لینڈ، سی۔ای (C.E.Buckland)*Dicionary of Indian Biography*۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء۔

بیگ، مرزا حامد۔مغرب سے نثری تراجم۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۸ء۔

پاریکھ، رؤف۔ لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۰ء۔

پاریکھ، رؤف۔لغوی مباحث۔لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۱۵ء۔

پاریکھ، رؤف، "فیلن کی اردو بہ انگریزی لغت: چند دلچسپ اندراجات اسناد"۔جرنل آف ریسرچ۔بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، شمارہ ۲۳، ۲۰۱۳ء۔

پرشاد، بنی۔تاریخ جہانگیر۔ترجمہ رحم علی الہاشمی۔نئی دہلی: ترقی اردو بیورو،۱۹۸۴ء۔

پلیٹس، جان۔ٹی۔*A Dictionary of Urdu Classical Hindi and English*۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء۔

جالبی، جمیل۔قومی انگریزی اردو لغت۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۴ء۔

جالبی، جمیل۔قدیم اردو کی لغت۔لاہور: مرکزی اردو بورڈ،۱۹۷۳ء۔

جاوید، ساجد۔"ما قبل نو آبادیاتی عہد میں زبان حکمرانی کی تشکیل؛ جان گلکرسٹ"۔جرنل آف ریسرچ۔بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، شمارہ ۲۶، ۲۰۱۴ء۔

جعفر، سیدہ۔دکنی لغت۔نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو،۲۰۰۸ء۔

جلالپوری، علی عباس۔روایات تمدن قدم۔لاہور: تخلیقات،۲۰۱۳ء۔

جہانگیر، نورالدین محمد۔توزک جہانگیر۔جلد اول۔ترجمہ سید حسام الدین راشدی۔لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۸۶۸ء۔

جہانگیر، نور الدین محمد۔ توزک جہانگیر۔ جلد دوم۔ ترجمہ سید حسام الدین راشدی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۸۷۰ء۔

جواد، یاسر۔ عالمی انسائیکلوپیڈیا۔ جلد اول۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۹ء۔

جواد، یاسر۔ عالمی انسائیکلوپیڈیا۔ جلد دوم۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۹ء۔

حسن، آفتاب۔ فرہنگ اصطلاحات: طبیعات، ریاضیات، فلکیات۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف، ۱۹۶۹ء۔

حسین، آغا افتخار۔ یورپ میں اردو۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء۔

حسین، سید عابد و دیگر۔ فرہنگ اصطلاحات (انگریزی-اردو) فلسفہ نفسیات و تعلیم۔ نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۶ء۔

حسین،، شہباز۔ "ترجمے کی اہمیت"۔ فن ترجمہ نگاری۔ مرتب خلیق انجم۔ نئی دہلی: انجمن ترقی اردو،، ۱۹۹۶ء۔

خاں، احمد۔ اردو ادب میں اودھ۔ دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۱۰ء۔

خاں، جاوید علی۔ *Early Urdu Historiography*۔ پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۰۵ء۔

خاور، رفیق۔ اردو تھیسارس۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء۔

درانی، عطش۔ اردو زبان اور یورپی اہل قلم۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء۔

ڈنکن، فاربس (Duncon Forbes)۔ *Duncan Forbes Dictionary, Urdu and English*۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔

ذکاالله،، محمد۔ تاریخ ہندوستان سلطنت اسلامیہ کا بیان۔ جلد سوم، چہارم۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء۔

ذکاالله،، محمد۔ تاریخ ہندوستان سلطنت اسلامیہ کا بیان۔ جلد ہشتم، نہم، دہم۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء۔

رچرڈسن، جاں، جانسن، فرانس۔ *John Richardson Dictionary, Persian Arabic and English*۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء۔

رحمن، طارق و دیگر۔ اردو انگریزی مشترک الفاظ۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء۔

رشید، صفدر۔ مغرب کے اردو لغت نگار۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء۔

رضوی، سید اختر عباس۔ *Religious and Intellectual History of the Muslims in Akbar's Region*۔ نئی دہلی: منشرم منوہر لال پبلشرز، ۱۹۷۵ء۔

رضوی، سید تصدق حسین۔ لغات کشوری (فارسی- اردو)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

رضوی، سید علی عارف۔ اصطلاحات ساحت۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔

روبنسن، فرانسس (Francis Robinson)۔ *The Cambridge Encyclopedia of India, Pakistan, Bangladesh, Srilanka, Nepal, Bhutan and the Maldives*۔ لندن: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۹ء۔

ریاض الدین، بیگم اختر۔ دھنک پہ قدم۔ لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۶ء۔

ریاض، محمد سلمان۔ "علم ترجمہ سے متعلق رجحانات کا اجمالی جائزہ"۔ بنیاد۔لاہور: یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز، جلد ۷،
۲۰۱۶ء۔

ریڈک، جان۔ ایف (John F.Riodick)۔ *Who was who in British India*۔لندن: گرین وڈ پریس،
۱۹۹۸ء۔

رئیس، قمر (مرتب)۔ترجمہ کا فن اور روایت۔دہلی: تاج پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۶ء۔

زبیری، ہلال احمد۔ "سماجی علوم کا ترجمہ؛ مسائل اور مشکلات"۔اردو زبان میں ترجمے کے مسائل۔مرتب اعجاز راہی۔
اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

سٹن، جیس (Jess Stin)۔ *The Random Hovse Dictionary of English Language*۔
نیویارک: رینڈم ہاوس، ۱۹۷۳ء۔

شمیل، اینی میری (Anniemarie Schimmel) *The empire of the Great Mughals History* ۔
Art and culture۔ترجمہ کورنی آٹوڈ (Corrinne Attawood)۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔۲۰۰۵ء۔

سرہندی، وارث۔علمی اردو لغت۔لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۰ء۔

سرہندی، وارث۔علمی اردو لغت۔لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۰ء۔

سرہندی، وارث۔ قاموس مترادفات۔لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۶ء۔

سرہندی، وارث۔کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔جلد دوم۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

سرہندی، وارث۔ کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔جلد سوم۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء۔

سرہندی، وارث۔کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔جلد ہفتم۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ء۔

سری نواس، ایم۔این۔جدید ہندوستان میں ذات پات۔ترجمہ شہباز حسین، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو،
۱۹۷۴ء۔

سعید، سعادت۔ترجمہ، مترجم اور ثقافتی آمریت۔مترجم یونیورسٹی آف گجرات، (۲۰۱۴ء)۔

سلیم، عظمیٰ۔ "ترجمہ اور لسانیات: نئے مباحث"۔جرنل آف ریسرچ۔بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، جون ۲۰۱۴ء۔

سلیم، وحید الدین۔ وضع اصطلاحات۔کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۰ء۔

سید، ایم۔ایچ۔ *History of the Glorious Mughal Empire*۔جلد اول۔نئی دہلی: انمول پبلشرز،
۲۰۰۴ء۔

سید، ایم۔ایچ۔ *History of the Glorious Mughal Empire*۔جلد دوم۔نئی دہلی: انمول پبلشرز، ۲۰۰۴ء۔

سید، ایم۔ایچ۔ *History of the Glorious Mughal Empire* ۔ جلد سوم۔نئی دہلی: انمول پبلشرز،
۲۰۰۴ء۔

سید، جابر علی۔کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ۔جلد اول۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء۔

شاسانی، سیلوینے۔ "بتاخلان تھیٹر طویل عرصے سے جہادیوں کے نشانے پر تھا"۔ روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی: ۲۳ نومبر ۲۰۱۵ء۔
ششی، شیام سنگھ۔ ہندوستان کی قبائلی عورتیں۔ ترجمہ محبوب الرحمن فاروقی۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۱۹۹۸ء۔
شیرازی، خواجہ شمس الدین محمد حافظ۔ دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی۔ مرتبہ محمد گزذینی قاسم غنی۔ تہران: کتاب خانہ زوار، ۱۹۵۴ء۔
شیکسپیئر، جان (John Shakespear)۔ *Urdu-English and English-Urdu*۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔
صدیقی، ہدایت اللہ۔ *Catalogue of Selected Persian Poetical work (Manuscripts) in the National Museum of Pakistan*۔ نقل قلمی فہرست، مخزونہ، ریسرچ لائبریری۔ شعبہ اردو۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
عبدالحق، مولوی۔ "مقدمہ" لغت کبیر۔ جلد اول۔ کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۳ء۔
عبدالحق، مولوی۔ *The standard English Urdu Dictionary*۔ دہلی: سینٹ سنگھ اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔
عبدالرحمن، سید صباح الدین۔ عہد مغلیہ مسلمان و ہند مورخین کی نظر میں۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲ء۔
عبدالرشید، شاہ۔ *History of the Muslims of Indo-Pakistan Sub-Continent*۔ لاہور: ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، ۱۹۹۷ء۔
عسکری، محمد حسن۔ "گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے"۔ ترجمہ: روایت اور فن۔ مرتب نثار احمد قریشی۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔
علی، عبداللہ یوسف۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ۔ لاہور: دوست ایسوسی ایٹس پبلشرز، ۱۹۹۴ء۔
فاروقی، شمس الرحمن۔ تنقیدی افکار۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۴ء۔
فچ، رالف۔ *Early Travels in India 1583-1619*۔ مرتب ولیم فوسٹر۔ نئی دہلی: اورینٹل بکس ری پرنٹ کارپوریشن، ۱۹۸۵ء۔
فرشتہ، قاسم۔ تاریخ فرشتہ۔ جلد اول، دوم۔ ترجمہ عبدالحی خواجہ، عبدالرحمن۔ لاہور: المیزان ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۴ء۔
فرشتہ، قاسم۔ تاریخ فرشتہ۔ جلد سوم، چہارم۔ ترجمہ عبدالحی خواجہ، عبدالرحمن۔ لاہور: المیزان ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۴ء۔
فیض، محمد محمود۔ فرہنگ سیاسیات۔ نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۴ء۔

فیلن،ایس۔ڈبلیو (S.W. Fallon)۔*Fallon's English-Urdu Dictionary*۔لاہور:اردوسائنس بورڈ، ۱۹۸۲ء۔

فیلن،ایس۔ڈبلیو (S.W.Fallon)۔*New Hindustani-English Urdu Dictionary with illustrations from Hindustani Literature and folk lore*۔لاہور:سنٹرل اردو بورڈ،۱۹۷۶ء۔

قریشی،آئی۔ایچ *A short history of Pakistan*۔کراچی:یونیورسٹی پریس،۱۹۶۷ء۔

کلکی،ہرمن (Herman Kulke)روتھمنڈ،ڈائٹ رو (Dietor Rothermund)۔*A History of India*۔ لندن/سڈنی:کروم ہیلم،۱۹۸۶ء۔

کلیم،مکین احمد۔سائنسی و فنی ڈکشنری(انگریزی-اردو)-لاہور:اردوسائنس بورڈ،۱۹۹۲ء۔

کمار،نریندر۔*An Encyclopedia Dictionary of Indian Culture*۔دہلی:اگم کالا پرکشان،۱۹۹۲ء۔

کنکر دتہ،کالی ودیگر۔ *An Advanced History of India*۔لاہور:فیں بکس،۱۹۹۲ء۔

کوثر،ریحانہ۔"اسلام سے قبل عربوں کے دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات پر اردو کی اولین تحریر"۔جرنل آف ریسرچ۔۔ بہاؤالدین زکریایونیورسٹی،ملتان،شمارہ ۲۶،دسمبر ۲۰۱۴ء۔

گریٹ سویت انسائیکلوپیڈیا۔*Great Soviet Encyclopedia*۔جلد دوم۔لندن/نیویارک:کولیر میکملن پبلشرز، ۱۹۷۳ء۔

لکھنوی،اثر۔فرہنگ اثر۔اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۷ء۔

لیبان۔تمدن ہند۔ترجمہ:سید علی بلگرامی۔لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،۲۰۱۵ء۔

لینگر،ولیم ایل۔انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم۔جلد سوم۔ترجمہ غلام رسوم مہر۔لاہور/کراچی/حیدرآباد:شیخ غلام اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز،۱۹۸۵ء۔

مارٹن،الزبتھ(C.E.Buckland)۔*Dictionary of Indian Biography*۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء۔

مجیب،محمد۔ ہندوستانی مسلمان۔ترجمہ محمد مہدی۔نئی دہلی:قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان،۱۹۹۸ء۔

محمد،رضیہ نور۔اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از ۱۳۹۸ءتا ۱۹۳۷ء۔لاہور:مکتبہ خیابان اردو،۱۹۸۵ء۔

محمود،سہیل۔"ترجمہ عمل اورروایت"۔ بنیاد۔لاہور:یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز،جلد ۷،۲۰۱۶ء۔

محمود،سید قاسم۔شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔جلد اول،جلد دوم۔لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،۲۰۱۳ء۔

مسلم کاکوری،،"مہابیر کا تیم"۔ہندوستان کے ایجے دیگر دھرم بدھ،جین،سکھ رادھاسوی۔نئی دہلی:لبرٹی آرٹ پریس،۱۹۹۲ء۔

مغل،شوکت۔اصطلاحات پیشہ وران۔ملتان:جھوک پبلشرز،۲۰۱۳ء۔

ملیاوی، عبدالحفیظ۔مصباح اللغات۔لاہور:مکتبہ قدوسیہ،۱۹۹۹ء۔
منڈے، جیریمی (Jeremy Munday)۔*Introducing Translation Studies; theories and application*۔لندن/نیویارک:رتلیج،۲۰۰۱ء۔
منہاج الدین شیخ۔قاموس اصطلاحات۔لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۸۲ء۔
مورلینڈ، ڈبلیو ایچ۔اکبر سے اورنگزیب تک۔ترجمہ جمال محمد صدیقی۔نئی دہلی:ترقی اردو بیورو۔۱۹۸۱ء۔
میمن، محمد عمر۔"مصری کی ڈلی یا سفید چینی: ترجمہ نگاری اور اس کے آزار"۔ بنیاد۔لاہور:یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز، جلد ۵، ۲۰۱۴ء۔
نارنگ، گوپی چند۔لغت نویسی کے مسائل۔نئی دہلی:ماہنامہ کتاب نما،۱۹۸۵ء۔
نازلی، روبینہ۔علم الانسان خزائن العرفان۔اسلام آباد:پورب اکادمی ۲۰۱۰ء۔
نشتر، محمد اسلام۔کشاف سائنسی و تکنیکی اصطلاحات۔اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۳ء۔
نیر، نورالحسن۔نوراللغات۔جلد اول، جلد دوم۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء۔
نیر، نورالحسن۔نوراللغات۔جلد سوم، جلد چہارم۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء۔
ہارڈی، پی (P.Hardy)۔*The Muslims of the British India*۔لندن:کیمبرج یونیورسٹی پریس،۱۹۷۲ء۔
واسطی، سید رضی۔*Biography Dictionary of South Asia*۔لاہور:پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ،۱۹۸۰ء۔
وائٹ ورتھ، جارج کلفورڈ (George Cilford Whiteworth)۔*An Anglo Indian Dictionary*۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۱ء۔
ویلز، جے۔ٹی۔بوائز۔*India and the Frontier of Afghanistan, Nepal and Burma*۔جلد اول۔لاہور:وینگارڈ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ،۱۹۸۶ء۔
یول، ہنری۔برنل، اے۔سی۔*Hobson Jobson: A Glossary of Anglo Indian words or phrases and Kindred Terms Etymological, Historical, Geographical and Discursive*۔نئی دہلی:روپا اینڈ کو،۲۰۰۷ء۔
یول، ہنری۔برنل، اے۔سی۔*Hobson Jobson: A Glossary of Anglo Indian words or phrases and Kindred Terms Etymological, Historical, Geographical and Discursive*۔لندن:رتلیج،۱۸۸۶ء۔
یول، ہنری۔برنل، اے۔سی۔*Hobson Jobson: A Glossary of Anglo Indian words or phrases and Kindred Terms Etymological, Historical, Geographical and Discursive*۔لندن:جان مرے،۱۹۰۳ء۔